شہادتِ حسین رضی اللہ عنہ
مقدمہ
فقیہ العصر حضرت مولانا مفتی عبد الستار صاحب مدظلہم
مجموعہ افادات
حضرت شیخ مجدد الف ثانی رحمہ اللہ
قطب العالم مولانا رشید احمد گنگوہیؒ
حکیم الامت حضرت تھانوی رحمہ اللہ
حکیم الاسلام قاری محمد طیب صاحبؒ
مفتی اعظم مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ
ولی کامل حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ
مورخ اسلام قاضی اطہر مبارکپوریؒ
شہید اسلام مولانا محمد یوسف لدھیانویؒ
مفکر اسلام سید ابوالحسن علی ندوی رحمہ اللہ
شیخ الاسلام مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہ
ودیگر اکابرین
محرم الحرام کے فضائل ومسائل.... حضرات اہل بیت،
حضرۃ سیدنا علی، معاویہ وحسنین رضی اللہ عنہم کی مبارک سیرت ومناقب
سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کا موقف اور مقام ومرتبہ
مستند کتب سے واقعہ کربلا کی تفصیلات.... امام حرم نبوی کا تاریخی خطبہ
اپنے موضوع پر پہلی مفصل کتاب جو علماء حق کے مسلک اعتدال کی ترجمان ہے
ناشر
ادارۂ تالیفاتِ اشرفیہ
چوک فوارہ ملتان پاکستان فون: 4540513-4519240

بسم اللہ الرحمن الرحیم
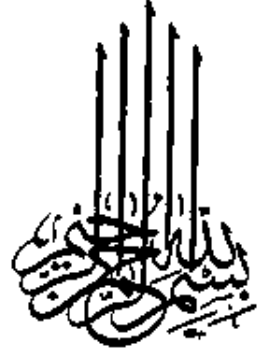
محرم الحرام اور
شہادت حسین
رضی اللہ عنہ

ارشاد نبوی
صلی اللہ علیہ وسلم
أصحابي كالنجوم
فبأيهم اقتديتم اهتديتم
پس ان میں سے جس کی اقتدا کرو گے ہدایت پاؤ گے
مشکوۃ المصابیح بحوالہ رزین

مقدمہ

فقیہ العصر حضرت مولانا مفتی عبد الستار صاحب مدظلہم

محرم الحرام کے فضائل ومسائل .... حضرات اہل بیت
حضرۃ سیدنا علی، معاویہ وحسنین رضی اللہ عنہم کی مبارک سیرت ومناقب
سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کا موقف اور مقام ومرتبہ
مستند کتب سے واقعہ کربلا کی تفصیلات .... امام حرم نبوی کا تاریخی خطبہ
اپنے موضوع پر پہلی مفصل کتاب جو علماء حق کے مسلک اعتدال کی ترجمان ہے

مرتب
محمد اسحٰق ملتانی

اِدارۂ تالیفاتِ اشرفیہ
چوک فوارہ ملتان پاکستان فون: 4540513-4519240

شہادتِ حسین رضی اللہ عنہ

تاریخ اشاعت..........ذی الحج ۱۴۳۰ھ
ناشر..........ادارہ تالیفات اشرفیہ ملتان
طباعت..........سلامت اقبال پریس ملتان

قارئین سے گذارش

ادارہ کی حتی الامکان کوشش ہوتی ہے کہ پروف ریڈنگ معیاری ہو۔ الحمدللہ اس کام کیلئے ادارہ میں علماء کی ایک جماعت موجود رہتی ہے۔ پھر بھی کوئی غلطی نظر آئے تو براہِ مہربانی مطلع فرما کر ممنون فرمائیں تاکہ آئندہ اشاعت میں درست ہو سکے۔ جزاکم اللہ

ادارہ تالیفات اشرفیہ....چوک فوارہ....ملتان

ادارہ اسلامیات........انارکلی........لاہور
دارالاشاعت........اُردو بازار........کراچی
مکتبہ سید احمد شہید........اردو بازار........لاہور
ادارۃ الانور........نیو ٹاؤن........کراچی
مکتبہ رحمانیہ........اُردو بازار........لاہور
مکتبہ دارالاخلاص....قصہ خوانی بازار......پشاور

ISLAMIC EDUCATIONAL TRUST U.K
(ISLAMIC BOOKS CENTERE
119-121- HALLIWELL ROAD
BOLTON BLI 3NE. (U.K.)

عرض مرتب

اللہ کے فضل وکرم سے اکابر علماء حق کی تحریرات سے مرتبہ کتاب
''محرم الحرام اور شہادت سیدنا حسین رضی اللہ عنہ'' آپ کے سامنے ہے۔
اس کتاب میں محرم الحرام سے متعلق ضروری معلومات اور احکام ومسائل کے ساتھ حضرات اہل بیت یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات' بنات واولا دطیبہ۔
حضرت سیدنا علی۔حضرت سیدنا معاویہ اور حضرات حسنین رضوان اللہ علیہم اجمعین کا مبارک ایمان افروز تذکرہ' شہادت کی فضیلت اور شہید کربلا سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کا تفصیلی واقعہ اور اس بارہ میں علماء حق کے مسلک اعتدال کی وضاحت۔سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کا مؤقف اور مقام ومرتبہ۔حادثہ کربلا کے بعد اولا دعلی کی سیرتیں اور انکی دینی خدمات کے عنوانات سے مستند معلومات ترتیب دی گئی ہیں۔اور آخر میں امام حرم نبوی شیخ علی عبدالرحمٰن الحذیفی کا تاریخی خطبہ بھی شامل کیا گیا ہے۔
سید شباب اہل الجنۃ ریحانہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سیدنا حسین رضی اللہ عنہ اور ان کے اصحاب کی مظلومانہ دردانگیز شہادت کا واقعہ کچھ ایسا نہیں جس کو بھلایا جاسکے۔نہ صرف مسلمان بلکہ ہر انسان اس سے اپنے دل میں ایک درد محسوس کرنے پر مجبور ہے۔ان شہداء کی شہادت پر

زمین وآسمان روئے، جنات روئے اور جنگل کے جانور تک متاثر ہوئے۔ انسان اور پھر مسلمان تو کون ایسا ہے جو ان کا درد محسوس نہ کرے یا کسی زمانہ میں بھول جائے لیکن شہید کربلا رضی اللہ عنہ کی مقدس روح درد وغم کا رسمی مظاہرہ کرنے والوں کی بجائے ان سعید روحوں کو فکر وعمل کی دعوت دیتی ہے جو ان کے درد میں شریک اور مقصد کے ساتھی ہوں ان کی خاموش مگر زندہ جاوید زبان مبارک مسلمانوں کو ہمیشہ اس مقصد عظیم کی دعوت دیتی ہے جس کیلئے سیدنا حسین رضی اللہ عنہ بے چین ہو کر مدینہ سے مکہ اور پھر مکہ سے کوفہ جانے پر مجبور تھے اور جس کیلئے اپنے سامنے اپنی اولاد واہل بیت کو قربان کر کے خود بھی خلعت شہادت سے سرفراز ہوئے۔

سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کے واقعہ کربلا کو اول تا آخر دیکھنے سے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی عظیم شہادت کا جو مقصد واضح ہوتا ہے وہ یہ کہ

کتاب وسنت کے قانون کو صحیح طور پر رواج دینا۔ اسلام کے نظام عدل کو از سر نو قائم کرنا۔

اسلام میں خلافت نبوت کے بجائے ملوکیت وآمریت کی بدعت کے مقابلہ میں مسلسل جہاد اور حق کے مقابلہ میں باطل کی نمائشوں سے مرعوب نہ ہونا۔

حق کیلئے اپنی جان ومال، اولاد سب قربان کر دینا۔ خوف وہراس اور مصیبت ومشقت میں نہ گھبرانا اور ہمہ وقت اللہ کی یاد اور اسی پر توکل وشکر کرنا۔

زیر نظر مجموعہ اسی نیت سے مرتب کیا گیا ہے کہ آج ہم بھی موجودہ پرفتن دور میں اس عظیم واقعہ سے سبق حاصل کر کے شہداء کربلا کے درج بالا مقاصد کو ان کے نقش قدم پر انجام دینے کیلئے تیار ہوں اور ان کے اخلاق فاضلہ اور اعمال حسنہ کی پیروی کو اپنی زندگی کا مقصد بنائیں۔ آج بھی شہداء کربلا کی ارواح مبارکہ ہم سے انہیں مقاصد کا مطالبہ کرتیں ہیں۔

یہ مجموعہ خواص کیلئے بالعموم اور عوام الناس کیلئے بالخصوص ترتیب دیا گیا ہے کہ اس واقعہ کربلا کے بیان میں سینکڑوں بلکہ شاید ہزاروں کی تعداد میں مفصل ومختصر کتابیں ہر زبان میں لکھی گئی ہیں لیکن ان میں کثرت ایسی کتابوں کی ہیں جن میں صحیح اور مستند روایات سے مضامین لینے کا اہتمام نہیں کیا گیا۔

یہی وجہ ہے مفتی اعظم حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ نے آج تقریباً

50 سال قبل اسوہ حسینی یعنی شہید کربلا کے نام سے ایک رسالہ تحریر فرمایا تا کہ عوام وخواص غیر مستند تاریخی مواد سے بچ کر اپنے نظریات واعمال کو راہ اعتدال پر رکھ سکیں حضرت کا یہ رسالہ بھی اس کتاب میں مرکزی حیثیت سے شامل کیا گیا ہے۔ حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ اپنی ایک مجلس میں فرماتے ہیں۔

''اس لئے عام تاریخی کتب کو پڑھنے سے منع کیا گیا ہے کہ مؤرخین سے اس میں سازش بھی ہوسکتی ہے۔ اس میں جذبات کا اظہار بھی ہوسکتا ہے اور دوسرا یہ کہ کوئی مجبوری ہم پر نہیں کہ ہم ان حضرات کے بارہ میں فیصلہ کریں حضرت معاویہ وحضرت علی کا اور یزید اور حسین کا۔ ہم سے قیامت کے دن یہ سوال نہ ہوگا کہ تم ان میں سے کس کو حق پر سمجھتے ہو۔ قبر میں اس قسم کے سوالات ہم سے منکر نکیر نہیں پوچھیں گے۔ وہاں جو پوچھا جائیگا ان سوالوں کے جواب تیار کرنے کی فکر کرنی چاہیے جن کا دارومدار ہماری جنت اور دوزخ کے جانے میں ہے۔ اس لئے یہ عظیم سانحہ ہونا تھا ہوا، لیکن عوام کا یہ کام نہیں کہ اس میں اپنی جان کھپائیں''۔

بندہ کی عرصہ سے تمنا تھی کہ شہادت حسین رضی اللہ عنہ جیسے اہم موضوع پر اپنے اکابر کی تحریرات کو یکجا کیا جائے اس میں وقتاً فوقتاً کاوش جاری رہی اور آج اپنے اکابر کی انمول عبارات یکجا صورت میں ہدیہ قارئین کرنے کی توفیق نصیب ہوئی۔ فالحمدللہ علی ذالک

اللہ پاک سے قوی امید ہے کہ اکابر کی ان بے غبار تحریرات سے اصل واقعات بھی اپنی تمام جزئیات کیساتھ واضح ہوجائیں گے اور کسی قسم کے شکوک وشبہات بھی پیدا نہیں ہوں گے۔ موضوع کی نزاکت کے پیش نظر اس پورے مجموعہ کی ترتیب میں بندہ نے اپنی طرف سے کوئی جملہ نہیں لکھا بلکہ اکابر ہی کی تحریرات کو ترتیب دیا ہے اس لئے کسی بھی نقص یا تشنگی کو بلاتردد مرتب ہی کی طرف منسوب کیا جائے۔

کتاب ہذا کی ترتیب میں عوام الناس کی ذہنی سطح کو مدنظر رکھتے ہوئے علمی اور تاریخی مباحث کو قصداً ترک کر کے صرف عام فہم مضامین پر اکتفا کیا گیا ہے اور بعض جگہ حوالہ جات کے اندراج میں بھی اختصار سے کام لیا گیا ہے لیکن جو مضمون بھی اکابر کی جس کتاب سے لیا گیا ہے مضمون کے آخر میں کتاب کا حوالہ ضرور درج کیا گیا ہے تا کہ تفصیلات دیکھنے میں آسانی رہے۔

ادارہ کے جملہ کارکنان فقیہ العصر حضرت مولانا مفتی عبدالستار صاحب مدظلہم کے ممنون ہیں جنہوں نے اس مجموعہ کی تیاری میں اپنے گراں قدر مشوروں سے نوازا، اور کرم بالائے کرم کا معاملہ کرتے ہوئے ایک مفید و جامع مقدمہ بھی تحریر فرما دیا۔

عزیزم مولوی حبیب الرحمٰن سلمہٗ (فاضل جامعہ خیر المدارس ملتان) کو اللہ تعالیٰ مزید علمی و عملی ترقی سے نوازیں جنہوں نے کتاب ہذا کی تیاری میں اول تا آخر معاونت کی۔

فجزاهم الله عنا وعن جميع المسلمين

اللہ پاک اس مجموعہ کو اپنی بارگاہ میں شرف قبولیت سے نوازیں اور ہم سب کی اصلاح و فلاح اور فکری و عملی صلاحیتوں کو اجاگر کرنے میں معین ثابت ہو۔

والسلام

محمد اسحٰق عفی عنہ

ذوالحجہ ۱۴۲۶ھ بمطابق جنوری 2006ء

ضمیرِ لالہ میں روشن چراغِ آرزو کردے

چمن کے ذرّے ذرّے کو شہیدِ جستجو کردے

اقبالؒ

مقدمہ

فقیہ العصر حضرت مولانا مفتی عبد الستار صاحب مدظلہم

اللہ پاک نے حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو نور ہدایت کا آفتاب عالمتاب بنا کر بھیجا۔ حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم آپ کے اس نور سے منور ہوتے چلے گئے ان میں توحید اور عظمت وجلال خداوندی کا نور آیا۔ جان و مال کی قربانی اور فدائیت کا نور آیا قرآن کریم اور صحبت سید الکائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے انوارات سے خوف خدا، فکر آخرت، رضائے مولی پاک کے حصول کی تڑپ پیدا ہوئی، دن جہاد میں اور رات رکوع سجدوں میں گزرنے لگے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تبلیغ واشاعت دین کی جو عالمی ذمہ داری ان صحابہ رضی اللہ عنہم کی طرف منتقل فرمائی اس کیلئے انتہائی جذبہ اور عملی جدوجہد سے سرگرم عمل رہے۔

حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا یہ مقام ہے کہ جنت میں داخلے کے بعد اہل جنت کو عرصہ کے بعد اللہ کی طرف سے جن پانچ خصوصی انعامات سے نوازا جائیگا ان میں سے ایک خصوصی اور سب سے اعلیٰ ترین انعام یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ فرمائیں گے ”اے اہل جنت میں تم سے راضی ہو گیا ہوں اس کے بعد کبھی ناراض نہیں ہوں گا“ اندازہ کیجئے جس سب سے اعلیٰ ترین انعام کا اعلان اہل جنت کیلئے جنت میں جانے کے بعد کیا جائیگا غلامان محمد صلی اللہ علیہ وسلم حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کیلئے اس کا اعلان قرآن کریم میں جابجا دنیا کے اندر ہی کر دیا گیا۔

پھر اس انعام واعلان کی صداقت میں کوئی شبہ نہیں کیا جا سکتا، کیونکہ یہ اعلان اس ذات

کی طرف سے ہے کہ کائنات کا کوئی ذرہ اس سے مخفی نہیں نیز حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کے قلب کا کوئی گوشہ حق تعالیٰ سے اوجھل نہیں، نیز اس سے جیسے صحابہ رضی اللہ عنہم کے قلوب سے ان کا کامل الایمان ہونا ثابت ہوا جس میں ذرہ برابر شبہ نہیں کہ ان کا خاتمہ ایمان پر ہوگا اسی طرح حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کیلئے خاتمہ بالخیر کی بشارت بھی ہے۔ جیسے فی الحال انہیں ایمان کامل کی دولت حاصل ہے اسی طرح وفات کے وقت بھی وہ مومن کامل ہوں گے انسان کا علم حال کے متعلق ناقص ہے ہم کسی کو کامل الایمان سمجھیں اور واقع میں وہ منافق ہو، کسی کو آج ہم ولایت کبریٰ کا حامل تصور کریں گو وہ واقعہ میں بھی ایسا ہی ہو لیکن کل کی مجھے آپکو کیا خبر ہے؟ آج جسے کمال ایمان حاصل ہے اس کا خاتمہ بھی کمال ایمان پر ہوگا یا نہیں؟ کل کے حالات کے متعلق کوئی دعویٰ نہیں کیا جا سکتا لیکن حق جل شانہٗ کے علم محیط کے سامنے آج و کل، حال و مستقبل سب برابر ہیں پس اگر صحابہ رضی اللہ عنہم کا خاتمہ علی الایمان علم ازلی میں مقدر نہ ہوتا تو رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ کا اعلان عام ان کے حق میں قطعاً نہیں کیا جا سکتا تھا کیونکہ کسی کافر کے متعلق اللہ تعالیٰ اپنی رضائے عالی کا قطعی اعلان نہیں فرما سکتے۔ ورنہ جہل خداوندی لازم آئیگا اور انسانوں سے دھوکہ دہی بھی ثابت ہوگی حالانکہ خداوند قدوس ان دونوں سے بلند و برتر ہیں۔ تعالی اللہ عن ذلک علواً کبیراً

خصوصاً جبکہ یہ اعلان فرما دیا گیا أُولٰٓئِكَ كَتَبَ فِي قُلُوبِهِمُ الْإِيمَانَ کہ اللہ تعالیٰ نے صحابہ رضی اللہ عنہم کے دلوں کے اندر ایمان لکھ دیا ہے۔ جب یہ ہے تو اللہ تعالیٰ کے لکھے ہوئے کو کون مٹا سکتا ہے ان کا خاتمہ ایمان پر ہی ہوگا۔ نیز اس لئے بھی کہ اللہ تعالیٰ جا بجا صحابہ رضی اللہ عنہم کیلئے داخلہ جنت کی بشارت ارشاد فرما رہے ہیں۔ وَيُدْخِلُهُمْ جَنّٰتٍ کسی کافر یا مرتد کو یہ بشارت نہیں دی جا سکتی۔ یہ کیسے ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کیلئے جنت میں محلات تیار کر کے بیٹھیں اور یہ العیاذ باللہ ارتداد اختیار کر کے دنیا سے جائیں۔ بہر حال صحابہ رضی اللہ عنہم کا حالاً اور مآلاً قطعی طور پر کامل الایمان ہونا معلوم ہو گیا۔

رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ یہ صحابہ کا ایک اعلیٰ مقام ہے اور

وَرَضُوْا عَنْهُ یہ ان حضرات کا دوسرا عظیم ترین مقام ہے جس سے ان حضرات کے مقام کو

چار چاند لگ جاتے ہیں حق جل شانہٗ اس جملے سے حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کی اشاعت اسلام کے بارہ میں کمال جدوجہد مال وجان کی قربانیاں اور اس راہ میں پیش آنے والی ہر تکلیف ومصیبت کو خندہ پیشانی سے برداشت کرنے کی مدح فرما رہے ہیں۔ اور اس سب کچھ میں ان حضرات کے پیش نظر اپنا مفاد نہیں بلکہ حق تعالیٰ شانہٗ کی رضائے عالی کا مل جانا مقصود ہے اپنے اموال اور جانوں کو اللہ کے راستے میں ایسے بے دھڑک خرچ کرتے ہیں گویا یہ انکے ہیں ہی نہیں بلکہ حق تعالیٰ کے ہیں۔ اس سلسلہ میں حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کے کمال اخلاص کی مدح کرتے ہوئے فرمایا گیا۔ اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰى مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اَنْفُسَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ بِاَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ ؕ يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ یہ اللہ پاک کی بڑی شہادت ہے کہ گویا اللہ پاک نے ان کی جان ومال کو جنت کے بدلے خرید رکھا ہے۔

فَيَقْتُلُوْنَ وَيُقْتَلُوْنَ کبھی مالوں کا نذرانہ پیش کرتے ہیں تو کبھی جانوں کا۔ جان دینے کیلئے اللہ تعالیٰ سے معاہدہ کر رکھا ہے۔ اور فرمایا گیا وما بدلوا تبدیلا گویا اللہ پاک گواہی دے رہے ہیں کہ جان ومال اسکی راہ میں خرچ کرنیکا جو وعدہ کیا تھا اس میں ذرا بھر تبدیلی نہیں، یہ رب العالمین عالم الغیب والشہادۃ کی طرف سے حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کے اخلاص کامل کی شہادت ہے۔

ایک صحابی رضی اللہ عنہ میدان جہاد میں زخمی ہو کر حالت نزع میں ہیں اور فرما رہے ہیں۔

فزت ورب الکعبہ (رب کعبہ کی قسم میں کامیاب ہو گیا)

معرکہ جہاد میں ایک موقع پر حضرت عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ نے دعا کی کہ ''اے اللہ کل کو میدان جہاد میں میرا سخت دشمن سے مقابلہ کرا۔ میں اس پر سخت حملہ کروں وہ مجھ پر زوردار حملہ کرے اور مجھے شہید کر دے پھر میرے ناک کان وغیرہ کاٹ لے۔ میں قیامت کے دن اسی حالت میں تیری بارگاہ میں حاضر ہوں اور تو پوچھے کہ اے عبداللہ! تیرے ناک کان کیا ہوئے میں عرض کروں اے میرے خدا! میرے ناک کان شہادت کے بعد کفار نے کاٹ لئے اور یہ سب میں نے تیری رضا کیلئے کیا پس تو کہے کہ سچ ہے یہ اعضاء میری رضا میں کاٹے گئے۔''

حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو گرم ریت پر لٹا کر سخت اذیتیں دی جاتیں مگر ان کی زبان

ہوئے اور ساری عمر انکی بوئے عنبریں نہیں گئی......تم وہ پاؤں کہاں سے لاؤ گے جو معیت محمدی میں آبلہ پا ہوئے......تم وہ مکان کہاں سے لاؤ گے جہاں سرور کونین کی سیادت جلوہ آراء تھی......تم وہ محفل کہاں سے لاؤ گے جہاں سعادت دارین کی شراب طہور کے جام بھر بھر کر دیئے جاتے اور تشنہ کامان محبت هل من مزيد کا نعرہ مستانہ لگا دیتے تھے......تم وہ منظر کہاں سے لاؤ گے جو كانی اری الله عيانا کا کیف پیدا کرتا تھا......تم وہ مجلس کہاں سے لاؤ گے جہاں كانما على رؤسنا الطير کا سماں بندھ جاتا تھا......تم وہ صدر نشین تخت رسالت کہاں سے لاؤ گے جس کی طرف هذا الابيض المتكئى سے اشارے کیے جاتے تھے......تم وہ شمیم عنبر کہاں سے لاؤ گے جس کے ایک جھونکے سے مدینہ کی گلی کوچے معطر ہو جاتے تھے......تم وہ محبت کہاں سے لاؤ گے جو دیدار محبوب میں خواب نیم شبی کو حرام کر دیتی تھی......تم وہ ایمان کہاں سے لاؤ گے جو ساری دنیا کو تج دیکر حاصل کیا جاتا تھا......تم وہ اعمال کہاں سے لاؤ گے جو پیمانہ نبوت سے ناپ ناپ کر ادا کیے جاتے تھے......تم وہ اخلاق کہاں سے لاؤ گے جو آئینہ محمدی سامنے رکھ کر سنوارے جاتے تھے......تم وہ رنگ کہاں سے لاؤ گے جو صبغۃ اللہ کی بھٹی میں دیا جاتا تھا......تم وہ ادائیں کہاں سے لاؤ گے جو دیکھنے والوں کو نیم بسمل بنا دیتی تھیں......تم وہ نماز کہاں سے لاؤ گے جس کے امام نبیوں کے امام تھے......تم وہ قدسیوں کی جماعت کیسے بن سکو گے جس کے سردار رسولوں کے سردار تھے۔

اللہ پاک ان قدسی صفات نفوس کی عظمت وعقیدت کے ساتھ کامل تابعداری کی سعادت عظمیٰ سے ہم سب کو نوازیں۔آمین وصلى الله علىٰ خير خلقه سيدنا و مولانا محمد و آله واصحابه اجمعين برحمتك يا ارحم الراحمين

(بحوالہ: خدام الدین مئی 1975)

شان صحابہ کرام
رضی اللہ عنہم

شہید اسلام حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی رحمہ اللہ

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ پر سب وشتم کرنیوالوں کے متعلق ارشاد فرمایا:
کہ انکو جواب میں کہو کہ "لعنة الله علی شرکم" شر۔اسم تفضیل کا صیغہ ہے جو مشاکلت کے طور پر استعمال ہوا ہے اس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ناقدین صحابہ کیلئے ایسا کنایہ استعمال فرمایا ہے کہ اگر وہ اس پر غور کریں تو ہمیشہ کے لئے تنقید صحابہ کے روگ کی جڑ کٹ جاتی ہے۔

خلاصہ اس کا یہ ہے کہ اتنی بات تو بالکل کھلی ہے صحابہ کیسے ہی ہوں مگر تنقید کرنے والے سے تو اچھے ہی ہوں گے۔تنقید کرنے والے کی تنقید سے یہ لازمی تاثر پیدا ہوتا ہے کہ اگر وہ خود ناقد فلاں کی جگہ ہوتا تو ایسا نہ کرتا بلکہ اس سے بہتر کام کرتا۔

تم ہوا میں اڑو...... آسمان پر پہنچ جاؤ...... سو بار مر کے جی لو مگر تم اپنے کو صحابی تو نہیں بنا سکتے...... تم آخر وہ آنکھ کہاں سے لاؤ گے جس نے جمال جہاں آرائے محمد کا دیدار کیا...... وہ کان کہاں سے لاؤ گے جو کلمات نبوت سے مشرف ہوئے...... ہاں.... ہاں وہ دل کہاں سے لاؤ گے جو انفاس مسیحائے محمدی سے زندہ ہوئے...... وہ دماغ کہاں سے لاؤ گے جو انوار مقدس سے مشرف ہوئے...... تم وہ ہاتھ کہاں سے لاؤ گے جو ایک بار بشرہ محمدی سے مس

سے صرف احد احد کے سوا کچھ نہیں نکلتا تھا۔ حضرت خبیب رضی اللہ عنہ کو سولی دیا جارہا ہے آپ لا ابالی حین اقتل مسلما۔ (اگر میں مسلمان ہو کر مر رہا ہوں تو مجھے کوئی پروا نہیں) گاتے ہوئے سولی پر چڑھ جاتے ہیں۔ ذرہ بھر رنج نہیں، شکایت نہیں بلکہ مسرت ہے کہ اللہ کیلئے جان دے رہا ہوں۔

ان حضرات کی جانی و مالی قربانیوں کے واقعات سے تاریخ بھری پڑی ہے بطور نمونہ مختصراً چند واقعات پیش کر دیئے ہیں تا کہ ان کے مقام رضا کی قدرے جھلک دکھائی جا سکے اور منجانب اللہ ان کے صدق و اخلاص پر قبولیت کی گواہی بن سکیں۔ پس حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم اللہ تعالیٰ کے محب بھی ہیں اور محبوب بھی ہیں رَضِیَ اللّٰہُ عَنۡهُمۡ وَرَضُوۡا عَنۡهُ

شہید کربلا سیدنا حسین رضی اللہ عنہ نواسہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابیت کے شرف سے مشرف ہیں۔ ظالموں نے انتہائی شقاوت قلبی کا مظاہرہ کرتے ہوئے آپ کو اور آپ کے کنبے کو کربلا میں شہید کر دیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون.

آپ کی شہادت کا یہ زخم امت کے سینوں میں ہمیشہ رِستا رہے گا۔

زیر نظر کتاب میں اکابر کے مضامین سے محرم الحرام اور واقعہ کربلا شہادت سیدنا حسین رضی اللہ عنہ وغیرہ عنوانات کے تحت اس موضوع پر پوری روشنی ڈالی گئی ہے اور اپنے اکابر کے معتدل مسلک کو واضح کیا گیا ہے۔

اللہ پاک مرتب و ناشر حضرت مولانا محمد اسحٰق صاحب کو جزائے خیر عنایت فرمائیں کہ انہوں نے پڑھنے کیلئے بہترین مواد جمع فرما دیا ہے۔ اللہ پاک قبولیت سے نوازیں۔ آمین

شہادت ہے مطلوب و مقصود مومن
نہ مالِ غنیمت نہ کشور کشائی

اقبالؒ

اجمالی فہرست

فہرست مضامین

محرم الحرام و عشوراء

فضائل و مسائل

منکرات محرم

زندگی کا گوشوارہ

تفاسیر کی روشنی میں مناقب اہل بیت

مکتوب گرامی

فضائل اهلِ بیت

سرورِ دو عالم محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد مبارک

حضرت امیر المومنین علی کرم اللہ وجہہ کی سیرت مبارکہ

کاتب وحی حضرت سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ

کردار اور کارنامے

حضرات حسنین رضی اللہ عنہما

شہادت فضیلت و اقسام

شہید کربلا

تحریم المحرم

شہادت سیدنا حسینؓ

واقعۂ کربلا
علماء دیوبند کا مسلک اعتدال

مکتوبات حکیم الاسلام

سیدنا حسین رضی اللہ عنہ
کا مقام و موقف

اولاد سیدنا حضرت علیؓ کی سیرتیں
اور حادثہ کربلا کے بعد ان کے کام

امام حرم نبوی
کا تاریخی خطبہ

محرم الحرام و عاشوراء

فضائل و مسائل

محرم الحرام کی حقیقت.

یوم عاشور میں پیش آنے والے

اہم واقعات

قطب العالم حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمہ اللہ

شہید اسلام حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی رحمہ اللہ

عالم ربانی حضرت مولانا مفتی عبد القادر صاحب رحمہ اللہ

محرم کی حقیقت

سب سے پہلے بات یہاں سے چلتی ہے کہ یہ مہینہ معظم و محترم ہے یا منحوس ہے؟

بعض لوگ اس کو منحوس سمجھتے ہیں اور وجہ اس کی یہ ہے کہ ان کے نزدیک شہادت بہت بری اور منحوس چیز ہے اور چونکہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت اس میں ہوئی ہے اس لئے اس میں وہ کوئی تقریب اور خوشی کا کام شادی، نکاح وغیرہ نہیں کرتے۔

اس کے برعکس مسلمانوں کے ہاں یہ مہینہ محترم، معظم اور فضیلت والا ہے۔ محرم کے معنی ہی محترم، معظم اور مقدس کے ہیں۔ عام طور پر یہ خیال کیا جاتا ہے کہ اس مہینے کو اس لئے فضیلت ملی کہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت اس میں ہوئی۔ یہ غلط ہے اس مہینے کی فضیلت اسلام سے بھی بہت پہلے سے ہے۔ بنی اسرائیل کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ فرعون سے اسی دن میں نجات ہوئی اس نعمت پر اداء شکر کے طور پر اس دن کے روزہ کا حکم ہوا اور بھی بہت سی فضیلت کی چیزیں اس میں ہوئی ہیں۔ البتہ یوں کہیں گے کہ حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت میں زیادہ فضیلت اس لئے ہوئی کہ ایسے فضیلت والے ماہ میں واقع ہوئی جب یہ ثابت ہوا کہ یہ مہینہ اور دن افضل ہے تو اس میں نیک کام بہت زیادہ کرنے چاہئیں نکاح وغیرہ خوشی کی تقریبات بھی اس میں زیادہ کرنی چاہئیں اس میں شادی کرنے سے برکت ہوگی لیکن ہے یہ بڑی بات اس لئے کہ بہت دنوں سے یہ غلط باتیں کوٹ کوٹ کر دل میں بھری ہوئی ہیں سو سال کا رام بھرا ہوا جلدی سے نہیں نکلتا وہ نکلتے ہی نکلتا ہے۔

نو، دس محرم کا روزہ

صحیح بخاری میں حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ طیبہ میں تشریف لائے تو یہود کو دیکھا کہ وہ اس دن کو روزہ رکھا کرتے ہیں۔ آپ نے فرمایا تم روزہ کیوں رکھتے ہو کہنے لگے یہ بہت اچھا دن ہے اس دن میں حق تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو ان کے دشمن فرعون سے نجات دی تھی اس لئے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس دن کا روزہ رکھا یہ سن کر

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ہم بہ نسبت تمہارے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی موافقت کے زیادہ حق دار ہیں پھر آپ نے خود بھی روزہ رکھا اور صحابہ کرامؓ کو بھی اس دن کے روزے کا حکم دیا۔

صحیح مسلم میں حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رمضان کے بعد افضل روزہ محرم کا ہے اور فرض نماز کے بعد افضل نماز تہجد کی نماز ہے۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ میں جب بھی عاشورا کا دن آتا آپ روزہ رکھتے لیکن وفات سے پہلے جو ''عاشوراء'' کا دن آیا تو آپ نے عاشوراء کا روزہ رکھا اور ساتھ ہی یہ بھی ارشاد فرمایا کہ دس محرم کو ہم بھی روزہ رکھتے ہیں اور یہودی بھی روزہ رکھتے ہیں۔ جس کی وجہ سے ان کے ساتھ ہلکی سی مشابہت پیدا ہو جاتی ہے اس لئے اگر میں آئندہ سال زندہ رہا تو صرف عاشورہ کا روزہ نہیں رکھوں گا بلکہ اس کے ساتھ ایک رزوہ اور ملاؤں گا، ۹ محرم یا ۱۱ محرم کا روزہ بھی رکھوں گا تا کہ یہودیوں کے ساتھ مشابہت ختم ہو جائے۔

لیکن اگلے سال عاشوراء کا دن آنے سے پہلے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہو گیا اور آپ کو اس پر عمل کرنے کا موقع نہیں ملا لیکن چونکہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بات ارشاد فرما دی تھی اس لئے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین نے عاشوراء کے روزہ میں اس بات کا اہتمام کیا اور ۹ محرم یا ۱۱ محرم کا ایک روزہ اور ملا کر رکھا اور اس کو مستحب قرار دیا اور تنہا عاشورا کے روزہ رکھنے کو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کی روشنی میں مکروہ تنزیہی اور خلاف اولیٰ قرار دیا۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد میں ہمیں ایک سبق اور ملتا ہے وہ یہ کہ غیر مسلموں کے ساتھ ادنیٰ مشابہت بھی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے پسند نہیں فرمائی حالانکہ وہ مشابہت کسی برے اور ناجائز کام میں نہیں تھی بلکہ ایک عبادت میں مشابہت تھی کہ اس دن جو عبادت وہ کر رہے ہیں اسی دن ہم بھی وہی عبادت کر رہے ہیں لیکن آپ نے اس کو بھی پسند نہیں فرمایا' کیوں؟ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو جو دین عطا فرمایا ہے وہ سارے ادیان سے ممتاز ہے۔

جب عبادت، بندگی اور نیکی کے کام میں بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مشابہت پسند نہیں فرمائی تو اور کاموں میں اگر مسلمان ان کی مشابہت اختیار کریں تو یہ کتنی بری بات ہوگی اگر یہ مشابہت جان بوجھ کر اس مقصد سے اختیار کی جائے کہ میں ان جیسا نظر آؤں تو یہ گناہ کبیرہ ہے۔

دس محرم میں پیش آنے والے اہم واقعات

(۱) حضرت آدم علیہ السلام کی توبہ کی مقبولیت

(۲) فرعون سے حضرت موسیٰ علیہ السلام اوران کی امت کی نجات

(۳) کشتی نوح اسی دن جودی پہاڑ پر ٹھہری

(۴) حضرت یونس علیہ السلام اسی دن مچھلی کے پیٹ سے باہر آئے۔

(۵) یوسف علیہ السلام کا کنویں سے نکلنا

(۶) حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت اور آسمانوں کی طرف اٹھایا جانا اسی دن میں ہوا

(۷) حضرت داؤد علیہ السلام کی توبہ

(۸) حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ولادت

(۹) حضرت یعقوب علیہ السلام کی بینائی کا لوٹنا

(۱۰) اسی دن میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اگلی پچھلی لغزشیں حق تعالیٰ نے معاف کردیں یہ دس واقعات شارح بخاری علامہ عینی نے ذکر کئے ہیں۔

اس کے علاوہ بعض کتب میں اور بڑے بڑے واقعات کو شمار کیا ہے جو عاشوراء کے دن ہوئے چند یہ ہیں:

(۱) حضرت آدم علیہ السلام کا نبوت کے لئے منتخب ہونا'

(۲) حضرت ادریس علیہ السلام کا آسمانوں کی طرف اٹھایا جانا'

(۳) حق تعالیٰ کا حضرت ابراہیم علیہ السلام کو خلیل بنانا'

(۴) حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرت خدیجہ سے نکاح بھی اسی دن ہوا'

(۵) اسی دن قیامت قائم ہوگی'

(۶) اس دن میں سیدنا حضرت حسینؓ کی شہادت کا واقعہ پیش آیا۔ (نزھۃ البساتین)

دس محرم کی برکت

ایک شخص نے دس محرم کو سات درہم اللہ تعالیٰ کی راہ میں دیئے خیال تھا کہ اس کے عوض میں بہت مال ملے گا۔ سارا سال انتظار کرتا رہا نہ ملا ایک وعظ میں ایک عالم سے سنا کہ جو شخص عاشوراء کے دن ایک درہم خرچ کرے حق تعالیٰ ان کو ہزار درہم دیتے ہیں یہ سن کر وہ آدمی کھڑا ہو گیا اور کہا کہ یہ جھوٹ ہے میں نے سات درہم خرچ کئے تھے کچھ نہیں ملا جب رات ہوئی تو غیب سے ایک آدمی نے اس کو سات ہزار درہم لا کر دیئے اور کہا اے جھوٹے تجھ سے صبر نہیں ہو سکا صبر کرتا تو بہتر ہوتا۔

اہل وعیال پر وسعت

امام بیہقی نے حدیث بیان فرمائی ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص عاشوراء کے دن اہل وعیال پر وسعت کرے گا حق تعالیٰ سارے سال فراخ روزی عطا فرماتے ہیں۔ حدیث کے راوی حضرت سفیان بن عیینہ فرماتے ہیں کہ ہم نے تجربہ کیا ہے اس کو درست پایا ہے' مگر اس کو ضروری نہ سمجھے اور نہ حد سے زیادہ اہتمام کرے اور جب اہل وعیال پر وسعت کرے تو غریب ہمسایہ کے ہاں بھی بھیج دے۔

محرم اور عاشوراء کے دن ناجائز کام

ماہ محرم کو بعض لوگ منحوس مہینہ سمجھتے ہیں حالانکہ اوپر گزرا ہے کہ یہ مبارک مہینہ ہے بڑے بڑے عظیم واقعات اس ماہ پیش آئے ہیں کئی لوگ اس مہینہ میں خصوصاً عاشوراء کے دن ماتم کرتے ہیں اور غم کا اظہار کرتے ہیں یہ گناہ ہے اسلام ہمیں صبر و استقامت کی تعلیم دیتا ہے زور زور سے رونا پیٹنا سینہ کوبی کرنا کپڑے پھاڑنا اسلامی تعلیمات سے کوسوں دور ہیں اسلام کا حکم تو یہ ہے کہ کسی کے مرنے سے تین دن بعد غم کا اظہار نہ کرو اور نہ سوگ مناؤ صرف عورت کے لئے اپنے شوہر کے مرنے کے بعد چار ماہ دس دن تک سوگ منانا ضروری ہے۔ شوہر کے علاوہ کسی اور کا خواہ باپ ہو یا بھائی ہو یا بیٹا ہو تین دن کے بعد سوگ منانا جائز نہیں صحیح بخاری میں حدیث ہے کہ ام المومنین ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کو اپنے والد کی وفات کی خبر پہنچی تو تین دن

کے بعد خوشبو منگائی اور چہرے کو لگائی اور فرمایا کہ مجھے اس کی ضرورت نہ تھی (کیونکہ بوڑھی ہو چکی تھیں اور خاوند یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہو چکی تھی) لیکن میں نے باپ کا سوگ ختم کرنے کے لئے خوشبو لگائی کیونکہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا کہ آپ نے فرمایا کہ کسی مسلمان عورت کے لئے تین دن سے زیادہ سوگ منانا جائز نہیں۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ تین دن سے زائد سوگ منانا جائز نہیں بعض لوگ سیدنا حضرت حسین رضی اللہ عنہ کا سوگ مناتے ہیں محرم میں اچھے کپڑے نہیں پہنتے بیوی کے قریب نہیں جاتے چارپائیوں کو الٹا کر دیتے ہیں وغیرہ وغیرہ حالانکہ حضرت حسینؓ کی شہادت کو تقریباً چودہ سو سال ہو چکے ہیں یہ سب ناواقفیت کی باتیں ہیں اللہ تعالیٰ ہم سب کو ہدایت پر رکھیں۔

محرم میں ایصال ثواب کے لئے کھانا پکانا

محرم کے مہینے میں بالخصوص نویں، دسویں اور گیارہویں تاریخ میں کھانا پکا کر حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روح کو ایصال ثواب کرتے ہیں ایصال ثواب کا سب سے افضل طریقہ یہ ہے کہ اپنی وسعت کے مطابق نقد رقم کسی کار خیر میں لگا دے یا کسی مسکین کو دے دے یہ طریقہ اس لئے افضل ہے کہ اس سے مسکین اپنی ہر حاجت پوری کر سکے گا اور اگر آج اسے کوئی ضرورت نہیں تو کل کی ضرورت کے لئے رکھ سکتا ہے نیز یہ صورت دکھلاوے سے پاک ہے۔ حدیث میں مخفی صدقہ دینے والے کی یہ فضیلت وارد ہوئی ہے کہ ایسے شخص کو اللہ تعالیٰ بروز قیامت عرش کے سایہ میں جگہ عنایت فرمائیں گے جبکہ اور کوئی سایہ نہیں ہوگا اور گرمی کے سبب لوگ پسینوں میں غرق ہو رہے ہوں گے۔ فضیلت کے لحاظ سے دوسرے درجے پر یہ صورت ہے کہ مسکین کی حاجت کے مطابق اسے صدقہ دیا جائے یعنی اس کی ضرورت کو دیکھ کر اسے پورا کیا جائے یہ ایصال ثواب کی صحیح صورتیں ہیں۔

عاشوراء کے کچھ مسائل

حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت

جب وہ شہید ہوئے غم اس وقت تھا تمام عمر غم کرنا کسی کے واسطے شرع میں حلال نہیں۔غم کی مجلس خواہ حضرت حسینؓ کی ہو یا کسی اور کی جائز نہیں کیونکہ شریعت میں صبر کا حکم ہے اور اس کے خلاف غم پیدا کرنا خود معصیت اور گناہ ہوگا۔مجمع کر کے شہادت حسینؓ کا بیان روافض کے ساتھ مشابہت ہے جو حرام ہے۔(فتاویٰ رشیدیہ)

محرم بہت مبارک ماہ ہے اس کو منحوس سمجھنا نری جہالت ہے۔ماتم کی مجلس اور تعزیے کے جلوس میں شامل ہونا گناہ ہے اسی طرح بچوں کو شامل ہونے کی اجازت دینا گناہ ہے حدیث شریف میں ہے:

من تشبه بقوم فهو منهم یعنی جو کسی قوم کے ساتھ مشابہت کرے وہ ان میں سے ہے۔

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

ہمارا تو سارا خاندان شہیدوں کا ہے ایک حضرت ابوبکر صدیقؓ کو چھوڑ کر سارے ہمارے بڑے شہید ہی ہیں اب اگر اس وقت سے آج تک کے ہمارے سارے بزرگوں کے صرف شہیدوں کا ہی ذکر ہو تو ۳۶۵ سے کہیں زیادہ شہید نظر آئیں گے حضرت فاروق اعظمؓ نماز میں مصلّٰی پر شہید ہوئے لیکن آپؓ کے گرنے کے بعد فوراً دوسرے صحابی امامت کے فرائض انجام دینے کے لئے آ گئے۔پہلے نماز ہوئی بعد کو خلیفہ کی خبر لی آپ بے ہوش تھے ساری تدابیر ہوش میں لانے کی کی گئی ہوش نہ آیا کسی نے کہا کان میں کہو "الصلوۃ الصلوۃ" یہ سن کر فوراً آنکھیں کھل گئیں اور فرمایا کہ بیشک جس نے نماز چھوڑ دی اس کا اسلام میں کوئی حصہ نہیں۔

ستر تو شہید ہیں غزوہ احد میں بارہ کے قریب بدر میں پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم بعد کتنی جنگیں ہوئیں کتنے شہید ہوئے حضرت عثمانؓ حضرت علیؓ حضرت حسن رضی اللہ عنہم کس کس کا ماتم کرو گے حقیقت تو یہ ہے کہ فی گھنٹہ ایک شہید کا بھی پورے سال میں ایک دفعہ ذکر کرو تو شہداء کے نام پورے نہ ہوں گے۔اسلام کے لئے جن شہداء نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر جانیں دیں کیا ان کا ماتم کرنا باعث گناہ ہوگا؟ یہ تو

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کو یہ فخر عطا ہوا ہے کہ جو شہید ہوا۔ اس نے درجات حاصل کیے کامیابی ملی خوش ہونے کی چیز ہے جان دی اللہ کی راہ میں اور حیات جاودانی پائی یہ بہادروں کا شیوہ ہے انہوں نے زندگی کا حق ادا کیا پھر کیسے کیسے قراء' حفاظ' علماء' خلفاء ہر درجہ کے لوگوں کو جام شہادت نصیب ہوا' رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا کیا' صحابہ کرامؓ نے کیا کیا بس۔ یہ دیکھ لو یہی دین ہے۔ (مجالس مفتی اعظم)

دسویں محرم کی چھٹی

کئی لوگ دس محرم کو چھٹی کرنا ضروری سمجھتے ہیں اور اس کو حضرت حسینؓ کی شہادت کا سوگ سمجھتے ہیں حالانکہ تین دن کے بعد سوگ منانا جائز نہیں ہے اور شریعت مطہرہ نے کسی دن بھی کام کاج کرنے سے منع نہیں کیا نماز جمعہ اور نماز عید کے بعد اپنا کاروبار کر سکتا ہے۔

قبروں کی لیپا پوتی

قبروں کی لیپا پوتی جائز ہے لیکن اس کام کے لئے صرف ماہ محرم کو مقرر کرنا درست نہیں۔ جب بھی موقع ہو لیپا پوتی کرا سکتا ہے۔ قبروں کی زیارت ثواب ہے کیونکہ ان کے دیکھنے سے موت یاد آتی ہے مگر اس کام کے لئے لوگ دس محرم کو مقرر کرتے ہیں سال میں صرف اسی دن قبرستان میں جاتے ہیں آگے پیچھے کبھی بھول کر بھی نہیں جاتے یہ صحیح نہیں۔

کچھ لوگ عاشوراء کے دن قبروں پر سبز چھڑیاں رکھتے ہیں اور یہ سمجھتے ہیں کہ اس سے مردے کا عذاب ٹل جاتا ہے اس عمل کے التزام میں بہت خرابیاں ہیں مثلاً غیر لازم کو لازم سمجھا جاتا ہے بعض لوگ عذاب ٹل جانے کو لازمی خیال کرتے ہیں اور یہ صحیح نہیں۔

قبروں کی زیارت کا طریقہ

قبر کی زیارت کا طریقہ یہ ہے کہ قبر کی طرف میت کے پاؤں کی طرف سے آئے سر کی طرف سے آنا مناسب نہیں اور میت کو کہے **السلام علیکم دار قوم مومنین وانا ان شاء اللہ بکم لاحقون** ہو سکے تو سورۃ یٰسین شریف پڑھ لے یا گیارہ دفعہ سورۃ اخلاص پڑھ کر فوت شدہ شخص کو ایصال ثواب کرے اس کو فوت شدہ اشخاص کی تعداد کے برابر ثواب ملے گا پھر دل چاہے تو بغیر ہاتھ اٹھائے دعا مانگے۔ (از ماہنامہ محاسن اسلام)

دس محرم کی مجلس شہادت

(سوال) یوم عاشورہ کو یوم شہادت حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ گمان کرنا واحکام ماتم ونوحہ گریہ وزاری وبے قراری کی برپا کرنا اور گھر گھر مجالس شہادت منعقد کرنا اور واعظین کو بھی بالخصوص ان ایام میں شہادت نامہ یا وفات نامہ بیان کرنا خاص کر روایات خلاف وضیعفہ سے اور سامعین کو بھی ان امور میں ہر سال کوشش ہونی کہ اس کے مثل وعظ میں نہیں ہوتی ہرگز اور خاص ایام مذکورہ ہی میں ایصال ثواب اور صدقات کرنا اور تعیین آب وطعام بھی مثل شربت ہے یا کھچڑا ہے اور ہر غنی اور فقیر کو اس کا لینا اور تبرک جاننا اور جو غنی یا سید اس کو نہ لے تو مطعون کریں اور برا جانیں اور فی الجملہ ریا کو اس میں بہت دخل ہوتا ہے تو ایسی صورت میں امید ثواب ہوسکتی ہے یا نہیں اور یہ کل امور بدعات ومعصیت ہیں یا نہیں۔

(جواب) ذکر شہادت کا ایام عشرہ محرم میں کرنا بمشابہت روافض کے منع ہے اور ماتم نوحہ کرنا حرام ہے۔ في الحديث نهى عن المراثي الحديث (حدیث میں ہے کہ آپ نے مرثیوں سے منع فرمایا ہے۔) اور خلاف روایات بیان کرنا سب ابواب میں حرام ہیں۔ تقسیم صدقات یہ تخصیص ان ایام کرنا اگر یہ جانتا ہے تو بدعت ضلالہ ہے علی ہذا تخصیص کی طعام کی کسی یوم کرنا لغو ہے اور صدقہ کا طعام غنی کو مکروہ اور سید کو حرام ہے اس پر طعن کرنا فسق ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

ایام محرم میں کتب شہادت کا پڑھنا

(سوال) کتاب ترجمہ سر الشہادتین یا دیگر کتب شہادت خاص شہادت کی رات کو پڑھنا کیسا ہے۔ حسب خواہش نمازیان مسجد یا کسی کے مکان پر۔

(جواب) ایام محرم میں سر الشہادتین کا پڑھنا منع ہے حسب مشابہت مجالس روافض کے۔

محرم میں سبیل لگانا دودھ کا شربت پلانا

(سوال) محرم میں عشرہ وغیرہ کے روز شہادت کا بیان کرنا مع اشعار بروایت صحیحہ یا بعض ضعیفہ بھی ونیز سبیل لگانا اور چندہ دینا اور شربت دودھ بچوں کو پلانا درست ہے یا نہیں۔

(جواب) محرم میں ذکر شہادت حسین رضی اللہ عنہ کرنا اگرچہ بروایات صحیحہ ہو یا سبیل

لگانا شربت پلانا یا چندہ سبیل اور شربت میں دینا یا دودھ پلانا سب نادرست اور تشبہ روافض کی وجہ سے حرام ہیں۔ فقط۔ (فتاویٰ رشیدیہ)

محرم میں شادی

سوال: محرم الحرام میں شادی کرنا جائز ہے یا ناجائز ہے؟

جواب: ناجائز ہونے کی کوئی وجہ نہیں۔

سوال: کچھ لوگ کہتے ہیں کہ یکم الحرام سے دس محرم الحرام تک اپنی بیوی کے پاس جانا یعنی ہمبستری کرنا جائز نہیں۔

جواب: اس کی بھی شرعی دلیل نہیں۔

سوال: محرم وصفر وشعبان میں چونکہ شہادت حسین اور اس کے علاوہ بڑے سانحات ہوئے ان مہینوں کے اندر شادی کرنا نامناسب ہے اس لئے کہ شادی ایک خوشی کا سبب ہے اور ان سانحات کا غم تمام مسلمانوں کے دلوں میں ہوتا ہے اور مشاہدات سے ثابت ہے کہ ان مہینوں میں کی جانے والی شادیاں کسی نہ کسی سبب سے رنج وغم کا باعث بن جاتی ہیں اس میں کسی عقیدے کا کیا سوال؟

جواب: ان مہینوں میں شادی نہ کرنا اس عقیدے پر مبنی ہے کہ یہ مہینے منحوس ہیں۔ اسلام اس نظریے کا قائل نہیں۔ محرم میں حضرت امام حسینؓ کی شہادت ہوئی مگر اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ اس مہینے میں عقد نکاح ممنوع ہوگیا ورنہ ہر مہینے میں کسی نہ کسی شخصیت کا وصال ہوا جو حضرت حسینؓ سے بھی بزرگ تر تھے۔ اس سے یہ لازم آئے گا کہ سال کے بارہ مہینوں میں سے کسی میں بھی نکاح نہ کیا جائے پھر شہادت کے مہینے کو سوگ اور نحوست کا مہینہ سمجھنا بھی غلط ہے۔

۹ محرم الحرام کا مسئلہ

سوال: فیکٹری مالکان ۹ محرم الحرام کو کارخانہ چلانا بند کردیتے ہیں۔ آپ بتائیں کہ ۹ محرم الحرام کو کام کرنے کی حدیث کی رو سے اجازت ہے یا نہیں؟ کچھ مزدور کہتے ہیں کہ حضرت حسینؓ ۹ محرم کو شہید ہوئے تھے اس لئے کام نہیں کرنا چاہئے۔ براہ مہربانی جواب دیں۔

جواب: ۹ محرم الحرام کو کام کرنے کی اجازت ہے۔ سوگ تین دن کا ہوتا ہے۔ حضرت حسینؓ کو شہید ہوئے تو ساڑھے تیرہ سو سال گزر چکے ہیں۔ واللہ اعلم (آپکے مسائل کا فقہی حل)

منکراتِ مُحَرّم

محرم الحرام میں عبادت سمجھ کر کی جانیوالی
بدعات ومنکرات کی نشاندہی
سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کو امام کہنے کی تحقیق

فقیہ العصر
حضرت مولانا مفتی رشید احمد لدھیانوی رحمہ اللہ

منکرات محرم

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت

شہادت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا حادثہ اگرچہ انتہائی المناک ہے مگر شیعہ ذہنیت نے اسے حد سے زیادہ بڑھادیا ہے عام مسلمانوں کے اذہان میں یہ غلط بات جمادی گئی ہے کہ دنیا میں شہادت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ جیسا اور کوئی سانحہ فاجعہ واقع نہیں ہوا' حالانکہ اس سے بدرجہا زیادہ مظلومیت کے بے شمار اندوہناک واقعات ہیں۔ مثال کے طور پر حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت دیکھئے مدافعت پر پوری قدرت کے باوجود ظلم عظیم پر کس قدر صبرو استقامت کے ساتھ جان دے دیتے ہیں کیا اس کی نظیر کہیں دنیا میں ملتی ہے؟ مگر مسلمان اس خلیفہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اتنی بڑی مظلومیت سے اس قدر بے خبر ہے کہ گویا یہ فرش وعرش کو لرزا دینے والا سانحہ واقع ہی نہیں ہوا کیا آپ نے کبھی کسی زبان کو اس مظلومیت کی داستان بیان کرتے ہوئے کسی کان کا اس طرف التفات کسی قلم کو یہ جان فگار حادثہ لکھتے ہوئے اوراق تاریخ میں اس کی تفصیل دیکھنے کے لئے کسی نگاہ کی توجہ اس مظلومیت پر کسی دل میں احساس درد اور کسی آنکھ کو کبھی اشک بار دیکھا ہے اس سے بھی بڑھ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اقدام مبارکہ کا لہولہان ہونا' دانت مبارک کا شہید ہونا' چہرۂ انور کا زخمی ہونا اور اس سے نہ رکنے والا خون جاری ہونا' انگلی سے خون بہنا اور بہت سے انبیاء کرام علیہم السلام کا شہید ہونا ہے دنیا بھر کے اولیاء اللہ کا خون نبی کے ایک قطرۂ خون کے برابر نہیں مگر یہاں تو زبان' کان' قلم' نگاہ' دل اور آنکھ سب ایک ہی کرشمہ میں مست ہیں نہ کسی دوسرے صحابی کی شہادت کسی شمار میں نہ کسی نبی کی غور کیجئے کہ یہ شیعیت کا زہر نہیں تو اور کیا ہے؟

حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو امام کہنے کی کیا حیثیت ہے

''امام'' کا لفظ اہل حق کے ہاں بھی استعمال ہوتا ہے اور شیعہ کے ہاں بھی۔ اہل حق کے ہاں اس کے معنی پیشوا، رہبر اور مقتدا کے ہیں اور اہل تشیع کے ہاں امام عالم الغیب اور معصوم ہوتے ہیں۔ ان کے ہاں امام کا درجہ نبیوں سے بھی بڑا ہے ظاہر ہے کہ اس لفظ کے استعمال کرنے میں ہم تو وہی معنی ملحوظ رکھتے ہیں جو اہل حق کے ہاں ہیں۔ اس اعتبار سے تمام صحابہ تابعین، اولیاء اللہ اور علماء امام ہیں۔ اس لئے امام ابوبکرؓ امام عمرؓ امام عثمانؓ امام علیؓ امام ابوہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کہنا چاہیے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: النجوم امنة للسماء واصحابی امنة لامتی. میرے سب صحابہ ستاروں کی مانند ہیں سب کے سب امام ہیں جس کی چاہو اقتداء کرلو ہر ستارے میں روشنی ہے جس سے چاہو روشنی حاصل کرلو تمام صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو امام بتایا اس معنی سے سارے صحابہ اور سب تابعین اور تمام علماء کرام بھی امام ہیں۔

سوچنے کی بات ہے کہ لوگ امام ابوبکر نہیں کہتے امام عمر نہیں کہتے امام حسن اور امام حسین کہتے ہیں معلوم ہوا کہ یہ اثر مسلمانوں میں کہیں غیر سے آیا ہے یہ تشیع کا اثر مسلمانوں میں سرایت کر گیا ہے اگر اہل حق علماء میں سے کسی نے ان حضرات کو امام کہہ دیا ہے تو انہوں نے اس کے صحیح معنی میں امام کہا ہے مگر اس سے مغالطہ ضرور ہوتا ہے اس لئے اس سے احتراز ضروری ہے۔ حضرت مہدی کو امام مہدی علیہ السلام کہنا بھی تشیع کا اثر ہے۔

علیہ السلام کا اطلاق

ایسے ہی سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کے لئے علیہ السلام بھی وہی لوگ کہتے ہیں جو انہیں انبیاء علیہم السلام کا درجہ دیتے ہیں اس سے بھی احتراز لازم ہے۔ جس طرح دوسرے صحابہ کرام کے ساتھ عزت واحترام کا معاملہ کیا جاتا ہے وہی معاملہ ان حضرات کے ساتھ بھی رکھنا چاہیے جس طرح حضرت ابوبکرؓ حضرت عمر و دیگر صحابہ کے ناموں کے ساتھ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دعائیہ کلمات لکھے اور کہے جاتے ہیں ایسے ہی دعائیہ کلمات حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ بھی لکھے اور کہے جائیں۔

مسلمانوں کے ناموں میں اہل تشیع کا اثر

مسلمانوں کے ناموں میں بھی اہل تشیع کا اثر پایا جاتا ہے مثلاً اصل نام کے ساتھ جس طرح محض تبرک کے لئے محمد اور احمد ملانے کا دستور ہے اسی طرح علی، حسن، حسین ملایا جاتا ہے۔ صدیق، فاروق، عثمان اور کسی صحابی کا نام بطور تبرک اصل نام کے ساتھ ملانے کا دستور نہیں۔ نسبت غلامی بھی علی، حسن، حسین کی طرف تو کی جاتی ہے مگر اور کسی صحابی کو گوارا نہیں کیا جاتا۔ عورتوں میں کنیز فاطمہ کا نام تو پایا جاتا ہے مگر خدیجہ، عائشہ و دیگر ازواج مطہرات اور صاحبزادیوں رضی اللہ تعالیٰ عنھن کی کنیز کہیں سنائی نہیں دیتی۔ اس سے بھی بڑھ کر الطاف حسین، فضل حسین اور فیض الحسن جیسے شرکیہ نام بھی مسلمانوں میں بکثرت پائے جاتے ہیں۔

شہادت کے قصے سننا اور سنانا

اس مہینے میں دیگر خرافات کے ساتھ ایک یہ بھی ہے کہ اس مہینے میں مجلسیں اور جلسے کئے جاتے ہیں جن میں شہادت کے قصے سنے اور سنائے جاتے ہیں۔ اس میں ایک گناہ تو یہ ہے کہ اہل باطل کے ساتھ مشابہت ہوتی ہے جو شرعاً منع ہے۔ چنانچہ جب دس محرم کے روزے کے بارے میں بارگاہ رسالت میں یہ عرض کیا گیا کہ اس میں یہود روزہ رکھتے ہیں تو فرمایا کہ ایک روزہ اور ملالو نویں یا گیارہویں، عبادت میں بھی مشابہت کی اجازت نہ دی۔

ان مجالس میں دوسری قباحت یہ بھی ہے کہ شہادت کے قصے سن کر صدمہ اور بزدلی پیدا ہوتی ہے اور مسلمانوں میں بزدلی کا پیدا ہونا اسلام کے تقاضوں کے خلاف ہے، اسلام تو یہ چاہتا ہے کہ مسلمانوں میں بلند ہمتی پیدا ہو، یہی وجہ ہے کہ قربانی میں یہ حکم ہے کہ جانور کو اپنے ہاتھ سے ذبح کریں ورنہ ذبح کے وقت موجود رہیں اس میں بھی یہی حکمت ہے کہ مسلمانوں میں عالی ہمتی اور قوت قلب پیدا ہو۔ ظاہر ہے کہ جو شخص اپنی آنکھ سے بکرے کو ذبح ہوتا نہ دیکھ سکے وہ دشمن کو کب قتل کر سکے گا؟

اسلامی سال کی ابتداء کہاں سے ہو؟ سب کا اتفاق اس پر ہوا کہ ہجرت سے اسلامی سال کی ابتداء کی جائے۔ اس میں بھی یہی حکمت تھی کہ ہجرت کو سن کر مسلمانوں میں بلند ہمتی پیدا ہوگی اور دین کی خاطر محنت و مشقت برداشت کرنے کا جذبہ پیدا ہوگا اس کے برعکس میلاد سے ابتداء کرنے میں لہو و لعب میں اشتغال اور غفلت کا خطرہ تھا اور وفات سے شروع

کرنے میں غم، صدمہ اور بزدلی پیدا ہوتی جنگ بدر میں کفار کے ستر رئیس مارے گئے مگر مکہ میں جا کر دوسرے سرداروں نے اعلان کیا کہ خبردار! کوئی نہ روئے اور ماتم نہ کرے چنانچہ اس پر عمل کیا گیا یہ حکم اسی لئے دیا گیا تھا کہ بزدلی نہ پیدا ہو۔

نیز یہ رونے رلانے کے قصے جو ان مہینوں میں سنائے جاتے ہیں اکثر غلط ہیں اس لئے ان کا سننا تو ویسے بھی ناجائز ہے۔ تاریخ پر اہل تشیع کا تسلط، ان تقیہ باز منافقین کا مسلمانوں میں گھس کر من گھڑت روایات کی اشاعت کرنا اور مسلمانوں کا آل رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے غیر معمولی محبت وعقیدت کی وجہ سے مظلومیت کی ہر داستان کو صحیح باور کر لینا یہ ایسے امور ہیں کہ ان کی وجہ سے قصہ شہادت کی صحیح حقیقت کا انکشاف ناممکن ہے۔ حتیٰ کہ بظاہر معتبر و مستند کتابوں میں مندرجہ تفاصیل بھی قابل اعتماد نہیں اکثر روایات آپس میں تضاد اور عقل واصول شرع کے خلاف ہونے کی وجہ سے یقیناً غلط ہیں بلکہ نفس شہادت کے سوا اس کی تفصیل کا شاید ہی کوئی جزیہ ایسا ہو جس کی صحت پر پورا اعتماد کیا جا سکے جگر گوشۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو شہید کرنے والوں نے اپنی اس شقاوت پر پردہ ڈالنے اور حقیقت کو مسخ کرنے کی غرض سے جھوٹی روایات وضع کرنے میں اپنی مخصوص مہارت سے پورا کام لیا ہے۔

تعزیہ کا جلوس اور ماتم کی مجلس دیکھنا

ان دنوں میں مسلمانوں کی کثیر تعداد ماتم کی مجلس اور تعزیہ کے جلوس کا نظارہ کرنے کے لئے جمع ہو جاتی ہے اس میں کئی گناہ ہیں پہلا گناہ یہ کہ اس میں دشمنان صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور دشمنان قرآن کے ساتھ تشبہ ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے "من تشبہ بقوم فھو منھم" جس نے کسی قوم سے مشابہت کی وہ اسی میں شمار ہوگا۔

ہولی کے دنوں میں ایک بزرگ جا رہے تھے انہوں نے مزاح کے طور پر ایک گدھے پر پان کی پیک ڈال کر فرمایا کہ تجھ پر کوئی رنگ نہیں پھینک رہا۔ لو تجھے میں رنگ دیتا ہوں مرنے کے بعد اس پر گرفت ہوئی کہ تم ہولی کھیلتے تھے اور عذاب میں گرفتار ہوئے۔

دوسرا گناہ یہ ہے کہ اس سے ان دشمنان اسلام کی رونق بڑھتی ہے۔ دشمنوں کی رونق بڑھانا بہت بڑا گناہ ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "من کثر سواد قوم فھو

منهم" جس نے کسی قوم کی رونق کو بڑھایا وہ انہی میں سے ہے۔

تیسرا گناہ یہ ہے کہ جس طرح کسی عبادت کو دیکھنا عبادت ہے اسی طرح گناہ کو دیکھنا بھی گناہ ہے۔ ایک بار کچھ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم جہاد کی مشق کر رہے تھے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے ان کی عبادت کو دیکھنے کی خواہش ظاہر کی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا اتنا اہتمام فرمایا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پردے کی غرض سے خود کھڑے ہو گئے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے پردے میں کھڑے ہو کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے کندھے پر سے دیکھتی رہیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اس عبادت کے نظارے سے سیر ہو کر جب خود ہٹیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہٹے۔ غرضیکہ عبادت کو دیکھنا بھی عبادت اور گناہ کو دیکھنا بھی گناہ۔

چوتھا گناہ یہ ہے کہ اس مقام پر اللہ تعالیٰ کا غضب نازل ہو رہا ہوتا ہے ایسی غضب والی جگہ جانا بہت بڑا گناہ ہے۔ ایک بار رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا گزر ایسی بستیوں کے کھنڈرات پر ہوا جن پر عذاب آیا تھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے سر مبارک پر چادر ڈال لی اور سواری کو بہت تیز چلا کر اس مقام سے جلدی سے گزر گئے۔ جب سید الاولین والاخرین، رحمۃ للعالمین، حبیب رب العالمین صلی اللہ علیہ وسلم غضب والی جگہ سے بچنے کا اتنا اہتمام فرماتے تھے تو عوام کا کیا حشر ہوگا۔ سوچنا چاہئے کہ اگر اللہ کے دشمنوں کے کرتوتوں سے اس وقت کوئی عذاب آ گیا تو کیا صرف نظارہ کے لئے جمع ہونے والے مسلمان اس عذاب سے بچ جائیں گے؟ ہرگز نہیں۔ بلکہ عذاب آخرت میں بھی یہ لوگ ان کے ساتھ ہوں گے اللہ تعالیٰ مستحق عذاب بنانے والی بداعمالیوں سے بچنے کی توفیق عطاء فرمائیں۔

یہ بھی خیال رہے کہ جس طرح مبارک دنوں میں عبادت کا زیادہ ثواب ہے اسی طرح معصیت پر زیادہ عذاب ہے۔ اللہ تعالیٰ سب کو دین کا صحیح فہم اور کامل اتباع کی نعمت عطا فرمائیں۔

وصل اللهم و بارک وسلم علی عبدک و رسولک محمد
و علی اله وصحبه اجمعین والحمد لله رب العالمین.

(تلخیص از منکرات محرم)

زندگی کا گوشوارہ

نئے اسلامی سال کے آغاز پر زندگی کا محاسبہ
فکرِ آخرت
اُخروی تجارت کا گوشوارہ بنانے کی ضرورت
گذشتہ سال کا محاسبہ
اور آئندہ کیلئے ضروری ہدایات

فقیہ العصر
حضرت مولانا مفتی رشید احمد لدھیانوی رحمہ اللہ

مقصد زندگی

نیا اسلامی سال شروع ہو چکا ہے اپنی عمر کے قیمتی لحات کے بارے میں کچھ غور وفکر
کریں، انسان کو اپنی زندگی کے بارے میں سوچنا چاہئے کہ یہ کدھر جا رہی ہے؟ یہ قدم جنت
کی طرف اٹھ رہے ہیں یا جہنم کی طرف؟ جن کے دل میں کچھ فکر ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے
انسان کو کس مقصد کے لئے بھیجا ہے؟ وہ اپنے مقصد زندگی کو نہیں بھولتے۔ سوچتے ہیں کہ
مالک کی رضا کس میں ہے؟ کیا کرنا چاہئے؟ اور آخرت جو صحیح معنوں میں وطن ہے وہ بگڑ
رہی ہے یا سنور رہی ہے؟ یہ فکر ہر انسان کو ہونی چاہئے اپنی زندگی کا کچھ تو حساب وکتاب کیا
جائے کہ گزرے ہوئے سال میں کیا کمایا کیا گنوایا؟ ایک سال کی مدت بہت طویل ہوتی
ہے سارے تغیرات اور موسم سب کچھ ایک سال میں گزر جاتا ہے کوئی چیز باقی نہیں رہتی
سال میں چاند اور ستاروں کے علاوہ آفتاب بھی اپنی گردش پوری کر لیتا ہے بہرحال ایک
سال میں ہر قسم کی گردش مکمل ہو جاتی ہے مختلف سمتوں سے مختلف قسم کی ہواؤں کا دور ہر قسم کی
نباتات کی پیدائش، تمام کائنات میں مزاجوں کے تغیرات اور ہر جان دار مخلوق کے انقلابات
کا دور ایک سال میں پورا ہو جاتا ہے اسی لئے جب بچہ پیدا ہوتا ہے تو ایک سال کے بعد اس
کی سالگرہ مناتے ہیں پھر دوسرے سال پھر سال گرہ اسی طرح ہر سال سالگرہ مناتے رہتے
ہیں سالگرہ منانا ہے تو بہت بری بات مگر اس سے کچھ سبق تو حاصل کیا کریں کہ سالگرہ
منانے والوں کا نظریہ کیا ہے؟ وہ کیوں مناتے ہیں؟ اس لئے کہ سال کی مدت بہت طویل
مدت ہے۔ بچہ ایک سال گزرنے کے بعد ابھی تک موجود ہے مرا نہیں اس پر خوشی مناؤ
حالانکہ جس نے نعمتیں عطاء فرمائیں اس کو خوش کرنے کی کوشش کرنی چاہئے مگر کرتے ہیں
الٹا کام کہ اس کو ناراض کرتے ہیں بس جہاں محرم کا مہینہ شروع ہوا تو سمجھ لیں کہ نیا سال
شروع ہو گیا سوچیں غور وفکر کریں کہ گذشتہ محرم سے لے کر اس محرم تک پورا ایک سال گزر گیا
مگر آخرت کے لحاظ سے گذشتہ محرم میں جہاں تھے اب بھی وہیں ہیں یا ایک آدھ قدم آگے

بھی بڑھے ہیں؟ اگر سارا سال گزر گیا مگر حالت میں ذرہ برابر بھی انقلاب نہیں آیا تو کتنے بڑے خسارہ کی بات ہے کوئی شخص کمانے کے لئے بیرون ملک گیا۔ جتنی پونجی لے گیا تھا سال گزرنے کے بعد وہیں کا وہیں رہا کچھ بھی نہیں کمایا تو کتنی محرومی اور بدنصیبی کی بات ہے سوچیں کہ گذشتہ سال میں کتنے لوگ زندہ تھے اور اب کتنے لوگ اس دنیا سے رخصت ہو گئے اسی طرح سب کو ایک دن اس دنیا سے جانا ہے ایک ایک لمحہ بہت قیمتی ہے اس سال جب محرم کا چاند نکلا اس وقت تو اس کی طرف زیادہ توجہ نہیں ہوئی لیکن جب کسی تحریر پر ۱۴۰۵ ہجری لکھتا ہوں تو بہت شدت سے احساس ہوتا ہے کہ کل تک تو لکھتا رہا ۱۴۰۴ ہجری اور آج ہو گئی ۱۴۰۵ ہجری' یہ دیکھ کر دل دہل جاتا ہے جسم پر سکتہ طاری ہو جاتا ہے اور تھوڑی دیر کیلئے قلم ہاتھ سے چھوٹ جاتا ہے تین چار روز تک یہی حالت رہی کہ سال گزر گیا اور ہماری حالت کا کیا کچھ بنایا نہیں بنا؟ پھر الحمدللہ! یہ سوچ یہیں تک محدود نہیں' خیال ہوا کہ ۱۴۰۵ ہجری سے پہلے ۱۴۰۵ ہجری میں کیا ہوا؟ اور ۱۲۰۵ ہجری میں کیا ایک سال کیا یہاں تو صدیاں گزر گئیں زمانہ کس تیز رفتاری سے گزرتا چلا جا رہا ہے۔ مگر غفلت کی آنکھیں بیدار نہیں ہوتیں سوچیں اپنے ابا' دادا' پردادا کو کہ ان کی پیدائش کے وقت ان کے والدین اور رشتہ دار خوشیاں منا رہے تھے اور سالوں پر گرہیں لگاتے تھے مگر ساری گرہیں ٹوٹ گئیں۔ کوئی رہی نہیں اور سب اس دنیا سے چلے گئے آپ بھی ہزاروں سالگرہیں منالیں کوئی رہے گی نہیں۔ سب ٹوٹ جائیں گی۔ اسی طرح شادیوں کا نتیجہ آخر میں کیا ہے؟ اگر آخرت کو نہیں بنایا تو یہ دنیا کی سب شادیاں مہنگی پڑیں اور برباد ہو گئیں کہاں گئیں شادیاں یہاں کی؟ جب اولاد کی شادی ہو تو سوچنا چاہئے کہ کسی روز ہماری بھی شادی ہوئی تھی' میں تو اپنی شادی تک ہی نہیں حضرت آدم علیہ السلام کی شادی تک سوچتا ہوں کہ کسی روز ان کی بھی شادی ہوئی تھی:

''گزر گئی گزران کیا جھونپڑی کیا میدان''

کچھ باقی نہیں رہا' اگر کچھ باقی رہے گا تو وہ اعمال صالحہ جو آخرت کی شادی میں کام آئینگے۔

ان سب باتوں کو سوچا کریں سوچنا تو روزانہ چاہئے مگر کم سے کم ہر سال کی ابتداء میں تو یہ سبق حاصل کر لیں کہ ایک سال گزر گیا لیکن اب بھی وہیں کھڑے ہیں جہاں گذشتہ سال تھے یا کچھ آگے بھی بڑھے؟ آگے بڑھنے کا یہ مطلب ہے کہ سال بھر میں اگر ایک گناہ بھی

چھوٹ گیا تو جب بھی کچھ تو آگے بڑھے اور اگر یہ حالت ہے کہ گذشتہ محرم کی ابتداء میں جتنے گناہ تھے آج بھی اتنے ہی ہیں۔ ایک گناہ بھی نہیں چھوٹا تو بڑے خسارہ کی زندگی گزری۔ کچھ فکر کرنی چاہئے کہ آخر ایک روز مرنا ہے کب تک زندہ رہنا ہے۔

تجارت آخرت کا گوشوارہ

دنیوی تجارتوں میں جہاں سال ختم ہونے کو آتا ہے نفع وخسارہ کا حساب لگایا جاتا ہے گوشوارے تیار کئے جاتے ہیں تاجر لوگ نفع اور خسارہ کا حساب کیسے لگاتے ہیں؟ وہ اس طریقہ سے کہ سال کے اندر اگر ایک کروڑ کے نفع کی امید تھی اور نفع ہوا ۷۵ لاکھ تو یوں کہتے ہیں کہ ۲۵ لاکھ کا نقصان ہوا یہ ناشکرا بندہ یہ نہیں کہتا کہ ۷۵ لاکھ کا فائدہ ہوا۔ نفع کو بھی خسارہ ہی بتاتا ہے حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ان کے پاس ایک تاجر ہر سال نقصان ہی بتاتا تھا ایک بار انہوں نے پوچھا کہ اگر ہر سال ہزاروں کا نقصان ہوتا رہتا ہے تو اب تک تو آپ کا کباڑا ہی ہوجاتا۔ آپ کی ساری تجارت ہی ختم ہوجاتی لیکن یہ تو روز بروز ترقی پر ہے یہ کیسا نقصان ہے؟ انہوں نے کہا کہ آپ تاجروں کی اصطلاح نہیں سمجھتے۔ یہ شروع سال میں تخمینہ لگاتے ہیں کہ آئندہ سال میں اتنا نفع ہونا چاہئے اس تخمینہ سے جو کم ملا اسے یہ لوگ خسارہ کہتے ہیں ناشکرا انسان دنیوی نفع کو بھی نقصان شمار کرتا ہے اور آخرت کے نقصان کو تو شمار ہی میں نہیں لاتا کبھی اس کا گوشوارہ ہی تیار نہیں کرتا۔

دعا کر لیجئے کہ اللہ تعالیٰ آخرت کے حساب وکتاب کے گوشوارے بنانے کی توفیق عطاء فرمادیں گوشوارہ پر ایک بات یاد آگئی ''گوش'' کے معنی ہیں ''کان'' یہ دین کی باتیں جو آپ کے کانوں میں پڑ رہی ہیں وہ آپ لوگوں کے گوشوارے بن رہے ہیں یا اللہ! کانوں میں پڑنے والی اپنی باتیں دلوں میں اتار دے۔

دو مبارک دعائیں

یہ مبارک دعائیں یاد کرلیں' اللہ تعالیٰ سے مانگا کریں' ان کا دائمی معمول بنائیں۔

پہلی دعاء

اَللّٰھُمَّ افْتَحْ مَسَامِعَ قَلْبِیْ لِذِکْرِکَ

''یااللہ! میرے دل کے کان اپنے ذکر کے لئے کھول دے۔''

جب تیرا ذکر ہو خواہ میں ذکر کروں یا کوئی دوسرا کرے تو میرے دل کے کان کھل جائیں اور ذکر کانوں سے گزر کر دل میں اتر جائے۔

یہ دعاء یاد کرلیں اگر عربی الفاظ یاد نہ رہیں تو مفہوم ہی یاد رکھیں اس دعاء کا مطلب یہ ہے کہ یااللہ! تیرے اذکار سر کے کانوں سے ہوتے ہوئے دل کے کانوں میں اتر جائیں۔

دوسری دعاء

اَللّٰھُمَّ افْتَحْ اَقْفَالَ قَلْبِیْ بِذِکْرِکَ

''یااللہ! اپنے ذکر کی چابی سے میرے دل کے تالے کھول دے۔''

جب انسان ذکر اللہ سے غافل ہوتا ہے تو دل پر تالے پڑ جاتے ہیں یااللہ! اپنے ذکر کی توفیق عطاء فرما اور دل پر جو غفلت کے تالے پڑے ہیں انہیں ذکر کی برکت سے کھول دے۔

تریاق منکرات

ہر شخص کو اپنے بارے میں روزانہ سوچنا چاہئے کہ اس نے اپنی آخرت کا گوشوارہ کتنا بنایا؟ یہ ہر قسم کی نافرمانیوں سے بچنے کے لئے تریاق ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰہَ وَلْتَنْظُرْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ لِغَدٍ ۚ وَاتَّقُوا اللّٰہَ ؕ اِنَّ اللّٰہَ خَبِیْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ○ (۵۹-۱۸)

اس آیت میں تقویٰ کے حکم کے ساتھ اس کو حاصل کرنے کا نسخہ بھی ارشاد فرمادیا کہ آخرت کے بارے میں سوچا کریں۔

یااللہ! تو اپنی رحمت کے صدقہ میں سب کو اپنی آخرت کے گوشوارہ کے بارے میں سوچنے کی توفیق عطا فرما۔ کچھ تو سوچنا چاہئے کہ یہ زندگی آخرت کے اعتبار سے کیسی گزر رہی

ہے؟ اس لئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جیسے جیسے زمانہ دور ہوتا چلا جا رہا ہے۔ برکت اٹھتی چلی جارہی ہے پچھلے محرم سے اس محرم تک ایک سال گزر گیا تو ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ سے ایک سال اور دور ہو گئے۔

طلب رحمت کا طریقہ

اس لئے یہ دعا کر لینی چاہئے کہ یا اللہ! تیری رحمت کمزوروں کی طرف زیادہ متوجہ ہوتی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دوری کی وجہ سے ہم تیری رحمت کے زیادہ مستحق ہیں تو ہماری مدد فرما سب کو اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہو جانا چاہئے مجھے ایک بار نماز میں خیال آیا کہ یا اللہ! میں سب سے زیادہ عاجز و ناقص ہوں اس لئے رحمت کا سب سے زیادہ تو میں ہی مستحق ہوں اس کو اس مثال سے سمجھیں کہ ماں کے سامنے تین چار بچے ہوں ایک ان میں سے نجاست سے بھرا ہوا ہے عاجز ہے کمزور ہے اور دوسرے بہتر حالت میں ہیں تو ماں کی شفقت اسی کی طرف متوجہ ہو گی جو کمزور ہے اور دوسرے بہتر حالت میں ہیں تو ماں کی شفقت اسی کی طرف متوجہ ہو گی جو کمزور اور گندہ ہے جب انسان کا یہ حال ہے تو یا اللہ! تیری رحمت کو مجھ پر کیسے جوش نہ آئے گا؟ یا اللہ! اس دوری کا صدقہ اس عاجزی، کمزوری اور ضعف کا صدقہ تیری رحمت کے ہم زیادہ مستحق ہیں تو رحم فرما، دستگیری فرما، نفس، شیطان، برے معاشرہ اور ماحول کے مقابلے میں ہماری مدد فرما، یا اللہ! تیرے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم سے دور ہیں مگر تجھ سے دور نہیں تو ہمارے ضعف اور عاجزی کے مطابق ہمارے ساتھ رحم کا معاملہ فرما۔

ایک اور عجیب دعا

ایک اور دعاء یاد آ گئی یہ ہمارے حالات کے عین مطابق ہے۔

اَللّٰهُمَّ عَامِلْنَا بِمَا اَنْتَ اَهْلُهٗ وَلَا تُعَامِلْنَا بِمَا نَحْنُ اَهْلُهٗ

''اے اللہ! ہمارے ساتھ وہ معاملہ فرما جو تیری شان کے لائق ہے ہمارے ساتھ وہ معاملہ نہ فرما جس کے ہم مستحق ہیں''۔

ہماری نالائقی سے درگزر فرما اور ہم پر رحم و کرم فرما۔ اپنی عاجزی کو اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش کر

کے ان کی رحمت طلب کرنی چاہیے اور دینی کام جتنا مشکل نظر آتا ہو اتنی ہی ہمت بلند کرنی چاہیے۔

سالگرہ یا سال گرا

لوگ کہتے ہیں کہ بچہ ایک سال کا ہوگیا اس کی سالگرہ ہوگی سال گرہ نہیں ''سال گرا'' کہنا چاہیے۔ اس لئے کہ اگر بچہ اپنی عمر ۶۰ سال لے کر آیا ہے تو اس میں سے ایک سال گر گیا۔ عمر ۵۹ رہ گئی۔ لوگ خوشیاں مناتے ہیں ہمارا بیٹا ایک سال کا ہوگیا دو سال کا ہوگیا ادھر ملک الموت دیکھ رہا ہے کہ اصلی روح قبض کرنے میں ۶۰ کی بجائے ۵۸ سال رہ گئے۔ آپ اپنے گھر سے لاہور کی طرف چلے ایک میل طے ہوا دو میل طے ہوئے تو آپ کا سفر بڑھ رہا ہے یا کم ہو رہا ہے؟ اللہ تعالیٰ نے ہم سب کو مسافر خانہ یعنی دنیا میں سفر پر بھیج دیا ہے اور سفر کے دن مقرر کر دیئے ہیں کسی کے لمحے ہیں کسی کے سیکنڈ ہیں کسی کے منٹ کسی کے دن کسی کے ہفتے کسی کے مہینے اور کسی کے سال ہیں۔ اب ان میں سے ایک ایک لمحہ جو گزر رہا ہے اس سے سفر کی مدت بڑھ نہیں رہی بلکہ گھٹ رہی ہے مگر لوگ کہتے ہیں کہ بچے کی عمر بڑھ رہی ہے در حقیقت وہ اپنی قبر کی طرف جا رہا ہے۔

قدم سوئے مرقد نظر سوئے دنیا کہاں جا رہا ہے کدھر دیکھتا ہے؟

عاقبت اندیشی

جب انسان جا رہا ہو ایک طرف اور دیکھے دوسری طرف تو لازماً خطرہ میں پڑ جائے گا تباہ و برباد ہو کر رہے گا کسی چیز سے ٹکرائے گا۔ کسی کھڈے میں گرے گا جا رہے ہیں عاقبت کی طرف اور نظر ہے دنیا کی طرف۔ عمر کی مدت سال بسال بلکہ دم بدم گزرتی جا رہی ہے۔ سوچنا چاہیے کہ ایک سال کی مدت میں' کیا کیا؟ اپنی عاقبت کو بنایا یا بگاڑا؟ موت کو یاد کر کے عبرت حاصل کیجئے۔

کل ہوس اس طرح سے ترغیب دیتی تھی مجھے خوب ملک روس اور کیا سرزمین طوس ہے
گر میسر ہو تو کیا عشرت سے کیجئے زندگی اس طرف آواز طبل ادھر صدائے کوس ہے
صبح سے تا شام چلتا ہو مئے گل گوں کا دور شب ہوئی تو ماہرویوں سے کنار و بوس ہے
سنتے ہی عبرت یہ بولی اک تماشا ہیں تجھے چل دکھاؤں تو جو قید آز کا محبوس ہے
لے گئی یکبارگی گور غریباں کی طرف جس جگہ جان تمنا ہر طرح مایوس ہے
مرقدیں دو تین دکھلا کر لگی کہنے مجھے یہ سکندر ہے یہ دارا ہے یہ کیکاؤس ہے
پوچھ تو ان سے کہ جاہ و حشمت دنیا سے آج کچھ بھی ان کے پاس غیر از حسرت و افسوس ہے

بروز قیامت سوال ہوگا

اس زندگی کے بارے میں بروز قیامت سوال ہونے والا ہے:

اَوَلَمْ نُعَمِّرْكُمْ مَّا يَتَذَكَّرُ فِيْهِ مَنْ تَذَكَّرَ وَجَآءَكُمُ النَّذِيْرُ (۳۵-۳۷)

''کیا ہم نے تمہیں اتنی عمر نہ دی تھی کہ اس میں نصیحت حاصل کرنے والا نصیحت حاصل کرلیتا (اور مزید یہ کہ) تمہارے پاس ڈرانے والا بھی آیا تھا''

یہ ڈرانے والا کون تھا؟ اور اس لمبی عمر سے کیا مراد ہے؟ اس کی مختلف تفسیریں کی گئی ہیں۔

''نذیر'' کی پانچ تفسیریں

پہلی تفسیر: نذیر (ڈرانے والا) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور عمر وہ مراد ہے جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دعوائے رسالت کا علم ہو جائے۔

دوسری تفسیر: ڈرانے والا قرآن ہے اور عمر یہ کہ قرآن کا کلام اللہ ہونے کا دعویٰ معلوم ہو جائے۔

تیسری تفسیر: عمر سے مراد ہے ۶۰ سال کی عمر اور ڈرانے والا کیا؟ بال سفید ہو جانا' آج کے مسلمانوں نے کیا کیا کہ ڈاڑھی تو ویسے ہی منڈوا دو تا کہ سفیدی نظر ہی نہ آئے اور سر کے بالوں پر خضاب لگا لو' ارے سفیدی چھپانے کے لئے ڈاڑھی منڈانے کی کیا ضرورت ہے؟ جیسے سر پر خضاب لگاتے ہیں ڈاڑھی پر بھی رنگ کرلیں مگر سر یا ڈاڑھی بالکل سیاہ نہ کریں بالکل سیاہ کرنا حرام ہے۔ ڈرانے والا آ چکا' بالوں میں سفیدی آ گئی۔

بالوں کی سفیدی باعث رحمت ہے نہ کہ زحمت

بالوں کی سفیدی باعث رحمت ہے سفیدی سے ڈرنے والو سن لو! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:۔ ''اللہ تعالیٰ سفید بالوں والے مسلمان سے حیاء کرتے ہیں۔''

رحمت حق بہانہ می جوید   رحمت حق بہا نمی جوید

ان کی رحمت کو بہانہ چاہئے کم سے کم اللہ والوں کی نقل ہی بنالیں ہو سکتا ہے اللہ تعالیٰ اس نقل کو اصل بنادیں۔

ترے محبوب کی یارب شباہت لے کے آیا ہوں
حقیقت اس کو تو کر دے میں صورت لے کے آیا ہوں

نہ جانے کس چیز پر رحمت متوجہ ہو جائے

کالی سے مطلب نہ گوری سے مطلب پیا جس کو چاہئے سہاگن وہی ہے

جس کی عمر ۶۰ سال ہوگئی اس سے یہ پوچھا جائے گا کہ کیا تیرے پاس ڈرانے والا نہیں آیا تھا؟ یعنی تیرے بال سفید نہیں ہوگئے تھے؟ یہ جھنڈی ہے موت کی کہ بس موت آیا ہی چاہتی ہے۔

چوتھی تفسیر: ''نذیر'' سے اولاد کی اولاد مراد ہے۔

اولاد کی اولاد موت کی جھنڈی ہے

سفید بال آئیں یا نہ آئیں اولاد کی اولاد ہو جائے تو یہ اشارہ ہے کہ اب پلیٹ فارم خالی کریں اس پلیٹ فارم پر کب تک بیٹھے رہیں گے؟ اب مسافروں کی دوسری کھیپ آ گئی ہے۔ للہ! اب جاؤ اولاد کی اولاد' پوتے' نواسے' یہ ''نذیر'' ہیں۔ موت کا پیغام ہیں۔ خوش ہو جانا چاہئے کہ وطن پہنچنے کا سامان بن رہا ہے اور اس مسافر خانہ سے جانے کے اسباب پیدا ہو رہے ہیں۔ سبحان اللہ! کیا کہنا ہے' یا اللہ! سب کو شوق وطن عطا فرما کسی شاعر نے خوب کہا ہے۔

اذ الرجال ولدت اولادها

وجعلت اسقامها تعتادها

تلک زروع قد دنا حصادها

''جب اولاد کی اولاد پیدا ہو جائے اور امراض ایک دوسرے کے پیچھے بار بار آنے لگیں تو سمجھ لو کہ کھیتی پک چکی ہے' درانتی پڑنے کی دیر ہے۔''

یہ تو بوڑھوں کی کیفیت ہے ذرا نوجوان سوچیں کہ ان سے کم عمر والے کتنے پہنچ گئے قبروں میں اور ایسے بچوں کی کمی نہیں جو مرتے پہلے ہیں اور پیدا بعد میں ہوتے ہیں' ماں کے پیٹ ہی میں مر گئے اور پیدا بعد میں ہوتے ہیں۔ آپ کو ہزاروں ایسے ملیں گے کہ دادا پوتے یا پڑپوتے کو قبر میں اتار رہا ہے اس لئے نوجوانوں کو بڑھاپے کی موت پر نظر نہیں رکھنی چاہئے وہ یہ سوچیں کہ ان کے ہم عمر اور کم عمر والے کتنے قبروں میں جا رہے ہیں۔

پانچویں تفسیر: عمر سے مراد ہے بالغ ہونے کی عمر' اور ڈرانے والے سے عقل مراد ہے۔

حقیقی بالغ کون ہے؟

درحقیقت بالغ تو وہ ہوتا ہے جس کو اپنے مالک کو پہچاننے کی عقل آ جائے۔ بلوغ تو عقل سے ہوتا ہے نہ کہ عمر سے جس کی عقل نے مسافر خانہ اور وطن کا فرق معلوم کرلیا وہ بالغ ہے جس کی عقل نے حال اور مستقبل کی نوعیت کو جان لیا کہ جس زمانہ میں گزر رہے ہیں وہ حال ہے۔ مستقبل آگے ہے آگے کی زندگی یعنی آخرت کا ذخیرہ کیا ہے؟ اسے جس کی عقل نے پہچان لیا وہ ہے بالغ، لڑکی بالغ ہو جاتی ہے۔ ۱۱، ۱۲ سال میں اور لڑکا ۱۳، ۱۴ سال میں، اب دنیا کا بلوغ تو تیتر بٹیروں کی طرح جلدی جلدی ہو رہا ہے۔ اصل بلوغ ہے آخرت کا بلوغ، یا اللہ! تو سب کو آخرت کے بالغ بنا دے۔ آخرت کے بالغ کون ہوتے ہیں؟ پوچھئے اللہ تعالیٰ سے وہ فرماتے ہیں۔

رِجَالٌ لَّا تُلْهِيهِمْ تِجَارَةٌ وَّلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ (۲۴-۳۷)

''رجال (بالغ مرد) وہ ہیں کہ دنیا کی بڑی سے بڑی تجارت اور منافع ان کو مالک سے غافل نہیں کرتے۔''

یہ ہیں آخرت کے بالغ۔ اس تفسیر کے مطابق اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد میں: ''کیا ہم نے اتنی عمر نہیں دی تھی جو نصیحت حاصل کرنے کے لئے کافی ہو جاتی''۔ کونسی عمر مراد ہے؟ بالغ ہو جانے کی عمر وہ جو بھی ہو بہرحال جب بالغ ہو گیا تو اتنی عمر دیدی کہ اس میں نصیحت حاصل کرسکتا تھا اور فرمایا: ''تمہارے پاس ڈرانے والا بھی بھیجا'' ڈرانے والا کون؟ عقل، ہم نے عقل بھی عطا کی تھی جس کے ذریعہ پہچان سکتے تھے کہ کوئی مالک حقیقی ہے محسن ہے یہ دنیا گزرگاہ ہے مسافر خانہ ہے منزل آگے ہے آگے جانا ہے وطن پہنچنا ہے اتنی عقل دیدی تھی مگر پھر بھی تمہیں سمجھ نہ آئی کچھ حاصل نہ کیا، کیوں؟ یہ سوال ہوگا آخرت میں۔

اللہ تعالیٰ سب کے قلوب میں اس کی فکر پیدا فرمائیں اور سب کو یہ وقت آنے سے پہلے سب گناہوں سے توبہ کرنے کی توفیق عطا فرمائیں اور پوری زندگی اپنی مرضی کے مطابق بنالیں۔

خلاصہ کلام

اس بیان کا خلاصہ یہ ہے کہ اپنے اندر فکر آخرت پیدا کریں روز حساب آنے سے

پہلے پہلے اللہ تعالیٰ کی رحمت سے وطن کی تیاری کی توفیق طلب کریں اور ایمان اور اعمال صالحہ کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کی کوشش کریں۔

ایک بہت بڑی غلطی کا ازالہ

یہاں ایک بات اچھی طرح سمجھ لیں کہ اعمال صالحہ کے معنی کیا ہیں؟ اس سلسلہ میں عام لوگوں میں بہت بڑی غلط فہمی پائی جاتی ہے اس لئے مجھے ہر بار تنبیہ کرنی پڑتی ہے اعمال صالحہ سے یہ مراد نہیں ہے کہ نفل عبادت زیادہ کریں بلکہ مطلب یہ کہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی چھوڑ دیں ظاہر بات ہے کہ آپ اس مالک کی تمام نافرمانیوں سے توبہ کر کے ہی اسے راضی کر سکتے ہیں۔ وہ مالک تسبیحات اور نفل عبادات سے راضی نہیں ہوتا' نفل نماز' نفل روزہ' نفل صدقات وخیرات یا اوراد ووظائف سے راضی نہیں ہوتا وہ مالک راضی ہوتا ہے تو صرف نافرمانیوں کو چھوڑنے کے بعد۔ حقوق اللہ وحقوق العباد ادا کرنے اور فرائض کی بجا آوری کے ساتھ ساتھ گناہوں کو بھی یکسر چھوڑ دیں اگر کوئی نوافل اور تسبیحات پر مداومت کرتا ہے لیکن فرائض ادا کرنے میں غفلت برتتا ہے یا ہر سال حج کرتا ہے مساکین اور یتامی کی اعانت وخبر گیری مساجد ومدارس کی تعمیر اور ترقی پر بے انتہا دولت خرچ کرتا ہے لیکن ساتھ ہی ساتھ رشوت بھی لیتا ہے کم تولتا یا ملاوٹ کرتا ہے یا کسی اور طریقہ سے بندوں کے حقوق غصب کرتا ہے اور یقین کئے بیٹھا ہے اس نے ایمان کے ساتھ عمل صالح کی شرط پوری کر دی تو وہ دھوکہ اور فریب نفس میں مبتلا ہے ایسے ہی لوگوں کے بارے میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

اَلَّذِيْنَ ضَلَّ سَعْيُهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَهُمْ يَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ يُحْسِنُوْنَ صُنْعًا۝ (۱۸-۱۰۴)

''یہ وہ لوگ ہیں جن کی دنیا میں کی کرائی محنت سب گئی گزری ہوئی اور وہ بوجہ جہل کے اس خیال میں ہیں کہ وہ اچھا کام کر رہے ہیں۔''

صوفیہ نے تجلی بالفضائل سے پہلے تخلی عن الرذائل پر بہت زور دیا ہے۔ گناہوں کو ترک کرنا اور فرائض کو اداء کرنا اعمال صالحہ کی بنیاد ہے' جو اس پر کاربند ہو گیا اسے اللہ تعالیٰ کا

ایسا تعلق نصیب ہوگا کہ نوافل اوراذکار کی توفیق اسے ازخود ہوجائے گی ذکر محبوب کے بغیر وہ رہ ہی نہیں سکتا محبت الٰہیہ اس کے دل میں جاگزین ہوجائے گی گناہوں سے تائب ہونے کے بعد بقول حضرت مجذوب رحمہ اللہ تعالیٰ یہ حالت ہوجائے گی۔

ہر تمنا دل سے رخصت ہو گئی اب تو آ جا اب تو خلوت ہو گئی

نفس اور شیطان نے یہ دھوکہ دے رکھا ہے کہ نفل عبادت کرتے چلے جاؤ گناہ چھوڑنے کی ضرورت نہیں مشائخ اور واعظین بھی یہی بتاتے ہیں کہ فلاں تسبیح اور اتنے نوافل پڑھ لیجئے بس اعمال صالحہ پیدا ہوگئے حرام اور سیئات سے بچنے کی حاجت نہیں، سب کچھ کئے جاؤ۔

رند کے رند رہے ہاتھ سے جنت نہ گئی

اسی جہالت کی بنیاد پر بزعم خود نیک اور صالح لوگ غلط قسم کی رسوم اور طرح طرح کے گناہوں میں مبتلا ہیں بدعات تک کے ارتکاب سے نہیں چوکتے' افسوس یہ ہے کہ بتانے والے ہی نہ رہے' للہ! اپنی جانوں پر رحم کھایئے' اس دن سے ڈریئے جس کے بارے میں ارشاد ہے:

یقول یلیتنی قدمت لحیاتی (۸۹-۲۴)

"انسان کہے گا کاش میں اس (اخروی) زندگی کے لئے کوئی عمل (نیک) آگے بھیج دیتا۔"

اس چند روزہ زندگی کے ہر لمحہ کو غنیمت سمجھ کر وطن آخرت کی فکر کیجئے۔

رنگا لے ری چنریا گندھا لے ری سی نہ جانے بلا لے ری پیا کس گھڑی
تو کیا کیا کرے گھڑی کی گھڑی تو رہ جائے گی ری کھڑی کی کھڑی

یا اللہ! ہمارے قلوب کی کیفیت بدل دے' ہمیں عزم و ہمت عطا فرما ہماری سیئات سے درگزر فرما۔ اپنی اور اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت و اطاعت عطاء فرما۔

ولاحول ولاقوة الا بک

وصل اللھم و بارک و سلم علی عبدک ورسولک محمد
وعلی الہ وصحبہ اجمعین والحمد للہ رب العلمین

(تلخیص از زندگی کا گوشوارہ)

تفاسیر کی روشنی میں

مناقب اہل بیت

مع

معترضین کے شبہات کا ازالہ

تفسیر عثمانی... تفسیر مظہری... معارف القران مفتی اعظم

معارف القرآن حضرت کاندھلوی... روح المعانی

تفسیر البغوی... تفسیر ابن کثیر وغیرہ سے

اہل بیت کے فضائل (از گلدستہ تفاسیر)

مناقب اہل بیت
تفاسیر کی روشنی میں

وَمَنْ يَّقْنُتْ مِنْكُنَّ لِلّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَتَعْمَلْ صَالِحًا نُّؤْتِهَآ اَجْرَهَا مَرَّتَيْنِ ۙ وَاَعْتَدْنَا لَهَا رِزْقًا كَرِيْمًا

ترجمہ: اور جو کوئی تم میں اطاعت کرے اللہ کی اور اُس کے رسول کی اور عمل کرے اچھے دیویں ہم اُس کو اُس کا ثواب دوبار اور رکھی ہے ہم نے اُس کے واسطے روزی عزت کی

عظیم مرتبہ کے لوازمات:

یعنی نیکی اور اطاعت پر جتنا اجر دوسروں کو ملے اُس سے دوگنا ملے گا۔ اور مزید برآں ایک خاص روزی عزت کی عطا ہوگی۔ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں ''یہ بڑے درجہ کا لازمہ ہے کہ نیکی کا ثواب دونا اور بُرائی کا عذاب دونا'' خود پیغمبر علیہ السلام کو فرمایا اِذًا لَّاَذَقْنٰكَ ضِعْفَ الْحَيٰوةِ وَضِعْفَ الْمَمَاتِ (بنی اسرائیل۔ رکوع ۸) (تفسیر عثمانی)

عمدہ روزی اور حسنِ معاشرت:

وَاذْكُرْنَ مَا يُتْلٰى فِيْ بُيُوْتِكُنَّ اور تم میں سے جو کوئی اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرے گی اور نیک کام کرے گی۔ ہم (دوسری عورتوں کے مقابلہ میں) اس کو دوبارہ (یعنی دوگنا) اجر دیں گے اور اس کے لئے ہم نے بہت عمدہ روزی تیار کر رکھی ہے۔ دوہرا ثواب دیا جائے گا ایک تو اللہ اور رسول کی اطاعت کا دوسرا اس بات کا کہ قناعت اور حسنِ معاشرت کے ساتھ وہ اللہ کے رسول کی مرضی کی طلبگار رہوئیں۔ مقاتل نے کہا ہر نیکی کا ثواب دس نیکیوں کے برابر ہوگا۔

رزق کریم عالی قدر روزی یعنی جنت جو اصل ثواب کے بعد مزید عطا کی جائے گی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ رسول اللہ کی متابعت میں ان کو وہ ملے گا جو رسول اللہ کو عطا کیا جائے گا۔ (تفسیر مظہری)

امہات المومنین کا عمل دو گنا ہے:

اگر وہ کوئی گناہ کا کام کریں گی تو ان کو دوسری عورتوں کی نسبت سے دو گنا عذاب دیا جائے گا یعنی ان کا ایک گناہ دو کے قائم مقام قرار دیا جائے گا، اسی طرح اگر وہ نیک عمل کریں گی تو دوسری عورتوں کی نسبت ان کو ثواب بھی دوہرا دیا جائے گا، ان کا ایک نیک عمل دو کے قائم مقام ہوگا۔

یہ آیت ایک حیثیت سے ازواج مطہرات کے لئے ان کے اس عمل کی جزاء ہے جو انہوں نے آیتِ تخییر نازل ہونے پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجیت پر دنیا کی فراخی کو قربان کر دیا، اس کے صلے میں اللہ تعالیٰ نے ان کے ایک عمل کو دو کا درجہ دے دیا، اور گناہ کی صورت میں دوہرا عذاب بھی ان کی خصوصی فضیلت اور امتیازی شرافت کی وجہ سے ہوا، کیونکہ یہ بات عقلی بھی ہے اور نقلی بھی، کہ جتنا کسی کا اعزاز و احترام ہوتا ہے اُتنا ہی اس کی طرف سے غفلت و سرکشی کی سزا بھی بڑھ جاتی ہے۔

امہات المومنین پر انعامات:

ازواج مطہرات پر حق تعالیٰ کے انعامات بڑے ہیں کہ ان کو اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجیت کے لئے انتخاب فرما لیا، اُن کے گھروں میں وحیِ الٰہی نازل ہوتی رہی تو ان کی ادنیٰ غلطی کوتاہی بھی بڑی ہوگی، اگر دوسروں سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایذاء پہنچے تو اس سے کہیں زیادہ اشد ہوگا کہ ان سے کوئی بات ایذاء و تکلیف کی سرزد ہو، قرآن کریم کے ان الفاظ میں خود اس سبب کی طرف اشارہ ہے وَاذْكُرْنَ مَا يُتْلٰى فِىْ بُيُوْتِكُنَّ ۔

فائدہ: ازواجِ مطہرات کی یہ خصوصیت کہ ان کے عمل کا دوہرا ثواب ملے عام اُمت کے اعتبار سے اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ امت میں کسی فرد یا جماعت کو کسی خصوصیت سے ایسا انعام نہ بخشا جائے کہ اس کو دوہرا ثواب ملے۔ (معارف مفتی اعظم)

يٰنِسَآءَ النَّبِىِّ لَسْتُنَّ كَاَحَدٍ مِّنَ النِّسَآءِ

ترجمہ: اے نبی کی عورتو تم نہیں ہو جیسے ہر کوئی عورتیں

مقامِ عظمت کا تقاضا:

یعنی تمہاری حیثیت اور مرتبہ عام عورتوں کی طرح نہیں۔ آخر اللہ تعالیٰ نے تم کو سید

المرسلین کی زوجیت کے لئے انتخاب فرمایا اور اُمہات المومنین بنایا، لہذا اگر تقویٰ وطہارت کا بہترین نمونہ پیش کروگی جیسا کہ تم سے متوقع ہے۔اس کا وزن اللہ کے ہاں بہت زیادہ ہوگا۔اور بالفرض کوئی بُری حرکت سرزد ہوتو اسی نسبت سے وہ بھی بہت زیادہ بھاری اور قبیح سمجھی جائے گی۔ غرض بھلائی کی جانب ہو یا بُرائی کی عام مؤمنات سے تمہاری پوزیشن ممتاز رہے گی۔(تفسیر عثمانی)

یٰنِسَآءَ النَّبِیِّ لَسْتُنَّ كَاَحَدٍ مِّنَ النِّسَآءِ اے نبی کی عورتو! تم کسی دوسری عورت کی طرح نہیں ہو۔

یعنی نہ تم میں سے کوئی ایک کسی غیر عورت کی طرح ہے اور نہ تمہاری جماعت دوسری عورتوں کی جماعت کی طرح ہے۔یعنی فضیلت میں کوئی دوسری عورت تمہاری طرح نہیں ہے۔

حضرت ابن عباس نے یہ مطلب بیان کیا کہ دوسری نیک مومن عورتوں کے برابر میرے نزدیک تمہارا مرتبہ نہیں ہے بلکہ میرے نزدیک تمہاری عزت اور تمہارا ثواب بہت زیادہ ہے۔

فضیلت والی خواتین:

آیت مذکورہ دلالت کر رہی ہے کہ امہات المومنین کو تمام دوسری عورتوں پر فضیلت حاصل ہے لیکن ایک اور آیت میں حضرت مریمؑ کو سارے جہان کی عورتوں پر فضیلت عطا فرمانے کا ذکر کیا گیا۔فرمایا ہے اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰىكِ وَطَهَّرَكِ وَاصْطَفٰىكِ عَلٰى نِسَآءِ الْعٰلَمِیْنَ اے مریم اللہ نے تجھے چن لیا اور پاک کر دیا اور دنیا کی عورتوں پر تجھے برتری عطا کی۔

چار فضیلت والی خواتین:

حضرت انس راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سارے جہان کی عورتوں سے تمہارے لئے کافی ہیں (یعنی سب پر برتری رکھتی ہیں) مریم بنت عمران خدیجہ بنت خویلد فاطمہ بنت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور آسیہ فرعون کی بی بی۔آیت کا مناسب مطلب یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجیت کا شرف تم کو حاصل ہے اس شرف میں اور کوئی عورت تمہاری شریک اور مساوی نہیں ہے۔

تمام خواتین سے افضل:

جمہور کا بالاتفاق طے شدہ مسئلہ ہے کہ تمام عورتوں سے افضل حضرت فاطمہ بنت

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ازواج مطہرات میں سب سے بہتر حضرت خدیجہ بنت خویلد نیز حضرت مریم بنت عمران اور حضرت آسیہ زوجۂ فرعون اور حضرت عائشہ بنت صدیق اکبر تھیں۔ رضی اللہ عنہن

شیخین نے صحیحین میں اور احمد و ترمذی و ابن ماجہ نے حضرت ابو موسیٰ اشعری کی روایت سے بیان کیا ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ مردوں میں تو بہت لوگ کامل ہوئے مگر عورتوں میں سواء آسیہ زوجہ فرعون اور مریم بنت عمران کے اور کوئی عورت کامل نہیں ہوئی۔ اور عائشہ کی فضیلت عورتوں پر ایسی ہے جیسے دوسرے کھانوں پر ثرید کی فضیلت۔ صحیحین میں آیا ہے کہ حضرت علی نے فرمایا میں نے خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ عورت مریم بنت عمران اور خدیجہ بنت خویلد تھیں۔ کریب کی روایت میں ہے کہ وکیع نے یہ حدیث بیان کرتے وقت آسمان اور زمین کی طرف اشارہ کیا یعنی آسمان و زمین کی برترین عورتیں صحیحین میں حضرت عائشہ کی روایت سے آیا ہے کہ حضرت فاطمہ نے بیان کیا (مجھ سے) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا تم اس پر خوش نہیں ہو کہ اہل جنت (یا فرمایا مومنوں) کی عورتوں کی تم سردار ہو۔

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ فرشتہ (آیا ہے جو) اس رات سے پہلے کبھی زمین پر نہیں اترا اس نے اپنے رب سے اجازت مانگی کہ مجھے (آکر) سلام کرے اور مجھے اس بات کی بشارت دی کہ فاطمہ اہل جنت کی سردار ہے اور حسن و حسین جوانانِ اہلِ جنت کے سردار ہیں (اجازت طلب کرنے کا مطلب یہ ہے کہ اس کو اجازت مل گئی اور اس نے آکر یہ پیام سنا دیا) رواہ الترمذی ترمذی نے اس کو حدیث غریب کہا ہے۔ (تفسیر مظہری)

ان تمام آیات سے ازواج مطہرات کی فضیلت اور بزرگی کو بیان کرنا مقصود ہے اور یہ بتلانا ہے کہ ان سے کبھی کوئی معصیت قبیحہ سرزد نہیں ہوگی اور یہ عورتیں محسنات اور مخلصات ہیں اور امہات المومنین ہیں اور نبی کی وفات کے بعد ان سے کوئی نکاح نہیں کر سکتا۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی فضیلت:

ازواج مطہرات باجماع صحابہ وتابعین دنیا اور آخرت میں آپ کی زوجہ مطہرہ ہیں۔ خصوصاً حضرت علی اور حضرت عمار اور ابوموسیٰ اشعری وغیرھم نے صحابہ وتابعین کے ہزاروں اور لاکھوں کے مجمع میں بآواز بلند یہ اعلان کیا کہ ام المومنین عائشہ صدیقہ دنیا اور آخرت میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ مطہرہ ہیں لہذا کسی اور گمراہ فرقہ کا یہ کہنا کہ ازواج مطہرات کا زوجہ رسول ہونا فقط دنیا تک محدود ہے صریح گمراہی ہے اور کسی رافضی کا یہ کہنا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد حضرت علی نے حضرت عائشہ صدیقہ کو طلاق دے دی تھی یہ کفر بھی ہے اور صریح جھوٹ بھی ہے۔ لعنة الله على الكاذبين

تمام ازواج مطہرات متقیہ تھیں:

واقعات اور حالات سے اور کتاب وسنت کی شہادات سے یہ امر قطعی طور پر ثابت ہے کہ الحمدللہ ازواج مطہرات از اول تا آخر تمام زندگی تقویٰ اور پرہیزگاری پر قائم رہیں حضور پرنور کی حیات میں بھی اور آپ کی وفات کے بعد بھی اور اسی وجہ سے یہ حکم نازل ہوا وَلَا أَنْ تَنْكِحُوا أَزْوَاجَهُ مِنْ بَعْدِهِ أَبَدًا ازواج مطہرات دنیا اور آخرت دونوں ہی میں آپ کی زوجہ ہیں۔ مخالفین اسلام نے بڑی کوشش کی مگر کوئی خفیف سے خفیف واقعہ بھی ایسا نہ بتا سکے جس سے ان باتوں کی مخالفت ثابت ہوتی جو ان آیات میں مذکور ہیں۔ (معارف کاندھلوی)

إِنِ اتَّقَيْتُنَّ فَلَا تَخْضَعْنَ بِالْقَوْلِ فَيَطْمَعَ
الَّذِي فِي قَلْبِهِ مَرَضٌ وَقُلْنَ قَوْلًا مَعْرُوفًا

ترجمہ: اگر تم ڈر رکھو سو دب کر بات نہ کرو پھر لالچ کرے کوئی جس کے دل میں روگ ہے اور کہو بات معقول۔

غیر مرد سے بات کرنے کا طریقہ:

یعنی اگر تقویٰ اور خدا کا ڈر دل میں رکھتی ہو تو غیر مردوں کے ساتھ بات چیت کرتے

ہوئے (جس کی ضرورت خصوصاً امہات المومنین کو پیش آتی رہتی ہے) نرم اور دلکش لہجہ میں کلام نہ کرو۔ بلاشبہ عورت کی آواز میں قدرت نے طبعی طور پر ایک نرمی اور نزاکت رکھی ہے لیکن پاکباز عورتوں کی شان یہ ہونی چاہیے کہ حتیٰ المقدور غیر مردوں سے بات کرنے میں بہ تکلف ایسا لب ولہجہ اختیار کریں جس میں قدرے خشونت اور روکھا پن ہو اور کسی بد باطن کے قلبی میلان کو اپنی طرف جذب نہ کرے اُمہات المومنین کو اس بارہ میں اپنے مقام بلند کے لحاظ سے اور بھی زیادہ احتیاط لازم ہے۔ تاکہ کوئی بیمار اور روگی دل کا آدمی بالکل اپنی عاقبت تباہ نہ کر بیٹھے۔ حضرت شاہ صاحب ؒ لکھتے ہیں کہ یہ ایک ادب سکھایا کہ کسی مرد سے بات کہو تو اُس طرح کہو جیسے ماں کہے بیٹے کو۔ اور بات بھی بھلی اور معقول ہو۔ (تفسیر عثمانی)

فَلَا تَخْضَعْنَ بِالْقَوْلِ سو تم چبا کر بات نہ کیا کرو۔ مطلب یہ کہ جب بشرط تقوی تمہاری فضیلت دوسری عورتوں پر ثابت ہے تو تقویٰ کے خلاف تم سے کوئی حرکت سرزد نہ ہونی چاہیے۔ (دوسرے) مردوں سے چبا چبا کر بات نہ کیا کرو (یہ تقویٰ کے خلاف ہے) یعنی اگر عورت کسی غیر مرد سے چبا چبا کر باتیں کرے گی تو اس کے دل میں لالچ پیدا ہوگا لہذا تم ایسا نہ کرو۔

جزری نے نہایہ میں لکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مرد کو غیر عورت سے اس طرح نرم نرم باتیں کرنے کی ممانعت فرمائی ہے کہ عورت اس کی طرف کچھ رجھنے لگے۔ خضوع کا معنی ہے اطاعت۔

اجنبی خاتون سے نرم گفتگو کرنے والے کی سزا:

جزری نے یہ بھی نہایہ میں لکھا ہے کہ حضرت عمر کے دورِ خلافت میں ایک شخص کسی مرد و عورت کی طرف سے گزرا جو باہم نرم نرم باتیں کر رہے تھے اس شخص نے اس مرد کے سر پر ایسی ضرب لگائی کہ اس کا سر پھٹ گیا۔ حضرت عمر نے اس کو کچھ بدلہ نہ دلوایا (ضرب کو بلاقصاص قرار دیا)

بغیر شوہر اجنبی سے بات منع ہے:

طبرانی نے اچھی سند سے حضرت عمرو بن عاص کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں کو بغیر شوہروں کی اجازت کے (غیر مردوں سے) کلام کرنے کی ممانعت فرمادی ہے۔

غیر عورت کے سامنے انگڑائی ممنوع:

دار قطنی نے افراد میں حضرت ابو ہریرہ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ممانعت فرمادی ہے کہ کوئی مرد نماز میں یا اپنی بیوی اور باندیوں کے علاوہ دوسری عورتوں کے سامنے انگڑائی لے۔

منافقت کی بیماری:

فَيَطْمَعَ الَّذِي فِي قَلْبِهِ مَرَضٌ (کہیں) اس شخص کو جس کے دل میں بیماری ہے کچھ لالچ ہونے لگے۔

مرض سے مراد ہے نفاق کا شائبہ۔ مومن کامل کا دل تو ایمان پر مطمئن ہوتا ہے اس کو تو اپنے رب کی شان ہر وقت نظر آتی ہے وہ تو کبھی بھی حرام بات کی طرف مائل ہی نہیں ہو سکتا۔ ہاں جس کے ایمان میں ضعف ہوتا ہے اس کے دل میں نفاق کا شائبہ ہوتا ہے وہ ممنوعات خداوندی کی طرف مائل ہو جاتا ہے۔

مسئلہ: اجنبی مردوں سے کلام کرنے کے وقت عورت کو حکم ہے کہ لہجہ میں درشتی اختیار کرے تاکہ میلان و لالچ کا احتمال ہی نہ پیدا ہونے پائے۔

وَقُلْنَ قَوْلًا مَّعْرُوفًا اور قاعدہ (عفت) کے مطابق بات کرو۔ یعنی اس طرح بات کرو کہ شک نہ پیدا ہو۔ (تفسیر مظہری)

وَقَرْنَ فِي بُيُوتِكُنَّ وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْأُولَىٰ

ترجمہ: اور قرار پکڑو اپنے گھروں میں اور دکھاتی نہ پھرو جیسا کہ دکھانا دستور تھا پہلے جہالت کے وقت میں۔

عورتوں کیلئے گھروں سے باہر زینت کی نمائش ممنوع ہے:

یعنی اسلام سے پہلے زمانۂ جاہلیت میں عورتیں بے پردہ پھرتی اور اپنے بدن اور لباس کی زیبائش کا علانیہ مظاہرہ کرتی تھیں۔ اس بداخلاقی اور بے حیائی کی روش کو مقدس اسلام کب برداشت کر سکتا ہے اُس نے عورتوں کو حکم دیا کہ گھروں میں ٹھہریں اور زمانۂ جاہلیت کی

طرح باہر نکل کر حسن و جمال کی نمائش کرتی نہ پھریں)۔ اُمہات المومنین کا فرض اس معاملہ میں بھی اوروں سے زیادہ مؤکد ہوگا جیسا کہ لَسْتُنَّ كَاَحَدٍ مِّنَ النِّسَآءِ کے تحت میں گزر چکا۔

ضرورت کے تحت نکلنا:

باقی کسی شرعی یا طبعی ضرورت کی بنا پر بدوں زیب وزینت کے مبتذل اور ناقابل اعتناء لباس میں مستتر ہو کر احیاناً باہر نکلنا بشرطیکہ ماحول کے اعتبار سے فتنہ کا مظنہ نہ ہو، بلاشبہ اس کی اجازت نصوص سے نکلتی ہے اور خاص ازواج مطہرات کے حق میں بھی اس کی ممانعت ثابت نہیں ہوتی۔ بلکہ متعدد واقعات سے اس طرح نکلنے کا ثبوت ملتا ہے لیکن شارع کے ارشادات سے یہ بداہۃً ظاہر ہوتا ہے کہ وہ پسند اسی کو کرتے ہیں کہ ایک مسلمان عورت بہر حال اپنے گھر کی زینت بنے اور باہر نکل کر شیطان کو تاک جھانک کا موقع نہ دے۔ اس کی تفصیل ہمارے رسالہ حجاب شرعی میں ہے۔ رہا ستر کا مضمون یعنی عورت کے لئے کن اعضاء کو کن مردوں کے سامنے کھلا رکھنا جائز ہے۔ اس کا بیان سورۂ نور میں گزر چکا۔ (تنبیہ) جو احکام ان آیات میں بیان کئے گئے تمام عورتوں کے لئے ہیں۔ ازواج مُطہرات کے حق میں چونکہ اُن کا تاکد واہتمام زائد تھا اس لئے لفظوں میں خصوصیت کے ساتھ مخاطب اُن کو بنایا گیا۔ میرے نزدیک يٰنِسَآءَ النَّبِيِّ مَنْ يَّاْتِ مِنْكُنَّ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ سے لَسْتُنَّ كَاَحَدٍ مِّنَ النِّسَآءِ تک ان احکام کی تمہید تھی۔ تمہید میں دو شقیں ذکر کی تھیں۔ ایک بے حیائی کی بات کا ارتکاب۔ اُس کی روک تھام فَلَا تَخْضَعْنَ بِالْقَوْلِ سے تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْاُوْلٰى تک کی گئی۔ دوسری اللہ ورسول کی اطاعت اور عمل صالح، آگے وَاَقِمْنَ الصَّلٰوةَ سے اَجْرًا عَظِيْمًا تک بھلائی بُرائی وزن میں دوگنی قرار دی گئی۔ اس تقریر کے موافق ''فاحشہ مبینہ'' کی تفسیر بھی بے تکلف سمجھ میں آ گئی ہوگی۔ (تفسیر عثمانی)

وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْاُوْلٰى اور قدیم زمانۂ جاہلیت کے موافق مت پھرو۔

امہات المومنین کے گھروں سے باہر نکلنے کی ممانعت عمومی نہیں کہ نماز یا حج یا ضرورتِ انسانی کے لئے بھی باہر نہ نکلیں۔

شیعوں کی غلط فہمی:

وہ لوگ جن کے دلوں میں نفاق کی بیماری ہے یعنی شیعہ، آیت میں عمومی ممانعت سمجھ

بیٹھے ہیں اس لئے حضرت صدیقہ الکبری بنت صدیق اکبر حبیبۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر طعن کرتے ہیں کہ وہ اپنے گھر سے نکل کر مکہ کو پہنچیں پھر مکہ سے بصرہ پہنچیں جہاں جنگِ جمل کا واقعہ ہوا یہ سارا سفر ممانعتِ آیت کے خلاف ہوا کیا ان لوگوں کو نہیں معلوم کہ اس زمانہ میں مدینہ کی فضا پر امن نہیں رہی تھی۔ اُم المومنین کے مدینہ سے نکلتے ہی حضرت عثمان کو شہید کر دیا گیا اور مصر والوں نے مدینہ میں ایسا فساد مچایا کہ حضرت طلحہ اور حضرت زبیر بھی خروج پر مجبور ہو گئے اور مدینہ کو چھوڑ کر مکہ کو پہنچے اور انہیں دونوں بزرگوں نے حضرت عائشہ کو مشورہ دیا کہ مسلمانوں کی خانہ جنگی دور کرنے کے لئے بصرہ کو تشریف لے جائیں جب حضرت عائشہ نے انکار کیا تو آیت لَاخَيْرَ فِيْ كَثِيْرٍ مِّنْ نَّجْوَاهُمْ اِلَّا مَنْ اَمَرَ بِصَدَقَةٍ اَوْمَعْرُوْفٍ اَوْ اِصْلَاحٍۢ بَيْنَ النَّاسِ سے استدلال کرتے ہوئے خروج کو ضروری قرار دیا۔ اس مشورہ کے بعد حضرت عائشہ بصرہ کو تشریف لے گئیں اور اس خروج ہی کے سبب حضرت عائشہ کے ساتھیوں میں اور حضرت علی کے رفقاء میں صلح ہو گئی لیکن عبداللہ بن سبا یہودی منافق نے جو اپنے کو شیعان علی میں سے کہتا تھا صلح قائم نہ رہنے دی اور دونوں جماعتوں میں فتنہ کی آگ ایسی بھڑکائی کہ جنگِ جمل کا واقعہ ظہور پذیر ہو گیا اور مسلمانوں میں باہم بڑا کشت وخون ہوا۔ ہم نے اس واقعہ کا تذکرہ اپنی کتاب سیفِ مسلول میں مفصل طور پر کر دیا ہے۔

''تبرّج'' کا معنیٰ:

تبرج کا لفظ بروج سے نکلا ہے۔ بروج کا معنی ہے ظہور۔ اس جگہ تبرج سے مراد ہے اظہارِ زینت اور مردوں کے سامنے بناؤ سنگھار کر کے نکلنا۔ ابن نجیح نے کہا تبرج کا معنی ہے۔ اٹھلا کر چلنا۔ اس لئے لاتبرجن کا تفسیری ترجمہ کیا ہے اٹھلا کر نہ چلو۔

دَورِ جاہلیت:

جاہلیت اولی سے مراد ہے دور اسلامی سے پہلے کا زمانۂ جاہلیت اور جاہلیت دوئم ہے۔ اسلام کے بعد گناہ کبیرہ کا ارتکاب۔ شعبی نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اوپر حضرت عیسیٰؑ کے زمانہ تک جاہلیت اولیٰ کا دور تھا۔ ابوالعالیہ نے کہا حضرت داؤد علیہ السلام اور حضرت

سلیمان علیہ السلام کا زمانہ جاہلیت اولیٰ کا زمانہ تھا۔ عورتیں ایسی قمیصیں پہن کر نکلتی تھیں جو دونوں طرف سے بغیر سلے ہوئے ہوتے تھے اور ان کا بدن دونوں طرف سے برہنہ دکھتا تھا۔

عکرمہ نے حضرت ابن عباس کا بیان نقل کیا ہے کہ جاہلیت اُولیٰ کا وہ زمانہ تھا جو حضرت نوح اور حضرت ادریس علیہ السلام کے درمیان تھا۔

دور جاہلیت میں بدفعلی کی ابتداء:

حضرت آدم کی نسل سے دو قبیلے ہوئے ایک پہاڑ پر رہتا تھا دوسرا میدانی علاقہ میں پہاڑی مردوں کے چہرے شگفتہ اور گورے تھے مگر عورتیں بدصورت تھیں اور میدانی باشندوں کی عورتیں حسین تھیں اور مرد بدصورت۔

ایک بار ابلیس انسانی شکل میں ایک میدانی باشندے کے پاس آیا اور اس کے پاس نوکر ہو گیا اور خدمت کرنے لگا پھر اس نے چرواہوں کی بانسری جیسی ایک چیز بنائی اور ایسی آواز سے بجانے لگا جو لوگوں نے کبھی نہیں سنی تھی۔ آس پاس کے لوگوں کو آواز پہنچی تو وہ سننے کے لئے جمع ہو گئے اور اس کو ایک تیوہار بنا لیا جہاں مقرر وقت پر جمع ہونے لگے اس طرح بن سنور کو عورتیں مردوں کے سامنے آنے لگیں اور مرد عورتوں کے سامنے۔ ایک روز کوئی پہاڑی اس تیوہار میں پہنچ گیا اور اس نے مردوں عورتوں کو یکجا دیکھا اور عورتوں کا حسن اس کی نظر کے سامنے آیا اس نے جا کر پہاڑی باشندوں سے اس کا تذکرہ کیا اس کے بعد پہاڑی باشندے بھی اپنے مسکن چھوڑ کر میدانی لوگوں کے ساتھ ہی آ بسے اور آپس میں بدکاریاں ہونے لگیں۔ آیت میں تبرج جاہلیت اولی سے یہی مراد ہے۔ لیکن اولیٰ کہنے کا یہ مطلب نہیں کہ جاہلیت دوئم بھی کوئی گزری ہے کبھی اولی کا لفظ بغیر اُخریٰ کے بھی استعمال کیا جاتا ہے جیسے آیت اَهْلَكَ عَادَ اِۨالْاُوْلٰی میں اولیٰ کا لفظ ہے (عاد اُخریٰ کوئی قوم نہیں ہوئی پھر بھی قوم عاد کو عَادَ اِۨالْاُولیٰ فرمایا)

یا جاہلیت سے مراد قبل از اسلام کا دور ہے۔ (جس کی کوئی حد بندی نہیں) (تفسیر مظہری)

حضرت عثمان غنیؓ کی شہادت اور حالات کا انتشار:

صدیقہ عائشہؓ اور ان کے ساتھ حضرت ام سلمہ اور صفیہ رضی اللہ عنہما یہ سب حج کے لئے

تشریف لے گئیں تھیں، وہاں حضرت عثمان غنیؓ کی شہادت اور بغاوت کے واقعات سنے تو سخت غمگین ہوئیں، اور مسلمانوں کے باہمی افتراق سے نظامِ مسلمین میں خلل اور فتنہ کا اندیشہ پریشان کیے ہوئے تھا، اسی حالت میں حضرت طلحہ اور زبیر اور نعمان بن بشیر اور کعب بن عجرہ اور چند دوسرے صحابہ کرام مدینہ سے بھاگ کر مکہ معظمہ پہنچے، کیونکہ قاتلانِ عثمانؓ ان کے بھی قتل کے درپے تھے اس لئے یہ لوگ جان بچا کر مکہ معظمہ پہنچ گئے، اور ام المومنین حضرت عائشہؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے، اور مشورہ طلب کیا، حضرت صدیقہؓ نے ان کو یہ مشورہ دیا کہ آپ لوگ اس وقت تک مدینہ طیبہ نہ جائیں جب تک کہ باغی لوگ حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ کے گرد جمع ہیں، اور وہ ان سے قصاص لینے سے مزید فتنہ کے اندیشہ کی وجہ سے رُکے ہوئے ہیں تو آپ لوگ کچھ روز ایسی جگہ جا کر رہیں جہاں اپنے آپ کو مأمون سمجھیں، جب تک یہ امیر المومنین انتظام پر قابو نہ پالیں، اور تم لوگ جو کچھ کوشش کر سکتے ہو، اس کی کرو کہ یہ لوگ امیر المومنینؓ کے گرد سے متفرق ہو جائیں، اور امیر المومنین ان سے قصاص یا انتقام لینے پر قابو پالیں۔

یہ حضرات اس پر راضی ہو گئے، اور ارادہ بصرہ چلے جانے کا کیا، کیونکہ اس وقت وہاں مسلمانوں کے لشکر جمع تھے، ان حضرات نے وہاں جانے کا قصد کر لیا تو اُم المومنینؓ سے بھی درخواست کی کہ انتظامِ حکومت برقرار ہونے تک آپ بھی ہمارے ساتھ بصرہ میں قیام فرمائیں۔

اور اس وقت قاتلانِ عثمانؓ اور مفسدین کی قوت وشوکت اور حضرت علیؓ کا اُن پر حدِ شرعی جاری کرنے سے بے قابو ہونا خود نہج البلاغہ کی روایت سے واضح ہے، یاد رہے کہ نہج البلاغہ کو شیعہ حضرات مستند مانتے ہیں، نہج البلاغہ میں ہے کہ حضرت امیر سے ان کے بعض اصحاب ورفقاء نے خود کہا کہ اگر آپ ان لوگوں کو سزا دے دیں جنہوں نے عثمان غنی پر حملہ کیا تو بہتر ہوگا، اس پر حضرت امیرؓ نے فرمایا کہ میرے بھائی! میں اس بات سے بے خبر نہیں جو تم کہتے ہو، مگر یہ کام کیسے ہو جبکہ مدینہ پر یہی لوگ چھائے ہوئے ہیں اور تمہارے غلام اور آس پاس کے اعراب بھی ان کے ساتھ لگ گئے ہیں ایسی حالت میں ان کی سزا کے احکام جاری کر دوں تو نافذ کس طرح ہوں گے۔

حضرت عائشہ صدیقہؓ کا سفر بصرہ اور اس کے مقاصد:

حضرت صدیقہؓ کو ایک طرف حضرت علیؓ کی مجبوری کا اندازہ تھا دوسری طرف یہ بھی

معلوم تھا کہ حضرت عثمانؓ کی شہادت سے مسلمانوں کے قلوب زخمی ہیں، اوران کے قاتلوں سے انتقام لینے میں تاخیر جو امیر المؤمنین علیؓ کی طرف سے مجبوری دیکھی جارہی تھی اور مزید یہ کہ قاتلانِ عثمانؓ امیر المؤمنینؓ کی مجالس میں بھی شریک ہوئے تھے جو لوگ حضرت امیر المومنینؓ کی مجبوری سے واقف نہ تھے ان کو اس معاملہ میں ان سے بھی شکایت پیدا ہورہی تھی، ممکن تھا کہ یہ شکوہ وشکایت کسی دوسرے فتنے کا آغاز نہ بن جائے اس لئے لوگوں کو فہمائش کر کے صبر کرنے اور امیر المومنین کو قوت پہنچا کر نظمِ مملکت کو مستحکم کرنے اور باہمی شکوہ وشکایت کو رفع کرکے اصلاح بین الناس کے قصد سے بصرہ کا سفر اختیار کرلیا، جس میں ان کے محرم بھانجے حضرت عبداللہ بن زبیرؓ وغیرہ ان کے ساتھ تھے، اپنے اس سفر کا مقصد خود ام المومنینؓ نے حضرت قعقاع ؓ کے سامنے بیان فرمایا تھا، جیسا کہ آگے آئے گا، اور ایسے شدید فتنہ کے وقت اصلاح بین المومنین کا کام جس قدر اہم دینی خدمت تھی وہ بھی ظاہر ہے۔

شیعوں کا طوفان:

اس کے لئے اگر ام المومنین نے بصرہ کا سفر محارم کے ساتھ اور پردہ کے آہنی ہودج میں اختیار فرمالیا تو اس کو جو شیعہ اور روافض نے ایک طوفان بنا کر پیش کیا ہے کہ ام المومنینؓ نے احکامِ قرآن کی خلاف ورزی کی اس کا کیا جواز ہوسکتا ہے،

فتنہ بازوں کی کارروائی:

آگے منافقین اور مفسدین کی شرارت نے جو صورت جنگ باہمی کی پیدا کردی اس کا خیال بھی صدیقہؓ کے وہم وگمان میں بھی نہیں تھا، اس آیت کی تفسیر کے لئے اتنا ہی کافی ہے آگے واقعہ جنگِ جمل کی تفصیل کا یہ موقع نہیں، مگر اختصار کے ساتھ حقیقت واضح کرنے کے لئے چند سطور لکھی جاتی ہیں۔

باہمی فتنوں اور جھگڑوں کے وقت جو صورتیں دنیا میں پیش آیا کرتی ہیں ان سے کوئی اہلِ بصیرت وتجربہ غافل نہیں ہوسکتا، یہاں بھی صورت یہ پیش آئی کہ مدینہ سے آئے ہوئے صحابۂ کرام کی معیت میں حضرت صدیقہؓ کے سفرِ بصرہ کو منافقین اور مفسدین نے حضرت امیر

المومنین علی مرتضیؓ کے سامنے صورت بگاڑ کر اس طرح پیش کیا کہ یہ سب اس لئے بصرہ جارہے ہیں کہ وہاں سے لشکر ساتھ لے کر آپ کا مقابلہ کریں، اگر آپ امیر وقت ہیں تو آپ کا فرض ہے کہ اس فتنہ کو آگے بڑھنے سے پہلے وہیں جا کر روکیں، حضرت حسن وحسین وعبداللہ بن جعفر عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہم جیسے صحابہ کرام نے اس رائے سے اختلاف بھی کیا اور مشورہ یہ دیا کہ آپ ان کے مقابلہ پر لشکر کشی اس وقت تک نہ کریں جب تک صحیح حال معلوم نہ ہو جائے مگر کثرت دوسری طرف رائے دینے والوں کی تھی، حضرت علی کرم اللہ وجہہ بھی اسی طرف مائل ہو کر لشکر کے ساتھ نکل آئے، اور یہ شریر اہل فتنہ و بغاوت بھی آپ کے ساتھ نکلے جب یہ حضرات بصرہ کے قریب پہنچے تو حضرت قعقاعؓ کو ام المومنین کے پاس دریافت حال کے لئے بھیجا، انہوں نے عرض کیا کہ اے ام المومنین آپ کے یہاں تشریف لانے کا کیا سبب ہوا، تو صدیقہؓ نے فرمایا اَیْ بُنَیَّ اَلْاِصْلَاحُ بَیْنَ النَّاس، یعنی میرے پیارے بیٹے میں اصلاح بین الناس کے ارادہ سے یہاں آئی ہوں پھر حضرت طلحہؓ اور زبیرؓ کو بھی قعقاعؓ کی مجلس میں بلا لیا، قعقاعؓ نے ان سے پوچھا کہ آپ کیا چاہتے ہیں انہوں نے عرض کیا کہ قاتلانِ عثمانؓ پر حدِ شرعی جاری کرنے کے سوا ہم کچھ نہیں چاہتے، حضرت قعقاعؓ نے سمجھایا کہ یہ کام تو اس وقت تک نہیں ہو سکتا جب تک مسلمانوں کی جماعت منظم اور مستحکم نہ ہو جائے، اس لئے آپ حضرات پر لازم ہے کہ اس وقت آپ مصالحت کی صورت اختیار کرلیں۔

ان بزرگوں نے اس کو تسلیم کیا، حضرت قعقاعؓ نے جا کر امیر المومنینؓ کو اس کی اطلاع دے دی وہ بھی بہت مسرور ہوئے اور مطمئن ہو گئے اور سب لوگوں نے واپسی کا قصد کرلیا، اور تین روز اس میدان میں قیام اس حال پر رہا کہ کسی کو اس میں شک نہیں تھا کہ اب دونوں فریقوں میں مصالحت کا اعلان ہو جائے گا، اور چوتھے دن صبح کو یہ اعلان ہونے والا تھا اور حضرت امیر المومنین کی ملاقات حضرت طلحہؓ وزبیرؓ کے ساتھ ہونے والی تھی جس میں یہ قاتلانِ عثمان غنی شریک نہیں تھے، یہ چیز ان لوگوں پر سخت گراں گزری، اور انہوں نے یہ منصوبہ بنایا کہ تم اول حضرت عائشہ کی جماعت میں پہنچ کر قتل و غارتگری شروع کردو، تا کہ وہ اور ان کے ساتھی یہ سمجھیں کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی طرف سے عہد شکنی ہوئی، اور یہ لوگ

اس غلط فہمی کا شکار ہو کر حضرت علیؓ کے لشکر پر ٹوٹ پڑیں، ان کی یہ شیطانی چال چل گئی، اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے لشکر میں شامل ہونے والے مفسدین کی طرف سے جب حضرت صدیقہؓ کی جماعت پر حملہ ہو گیا تو وہ یہ سمجھنے میں معذور تھے کہ یہ حملہ امیر المومنین کے لشکر کی طرف سے ہوا ہے، اس کی جوابی کارروائی شروع ہو گئی، حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے یہ ماجرا دیکھا تو قتال کے سوا چارہ نہ رہا، اور جو حادثہ باہمی قتل و قتال کا پیش آنا تھا آ گیا، انا للہ وانا الیہ راجعون، یہ واقعہ ٹھیک اسی طرح طبری اور دوسرے ثقات مؤرخین نے حضرت حسن اور حضرت عبداللہ بن جعفر اور عبداللہ بن عباس وغیرہ رضی اللہ عنہم کی روایت سے نقل کیا ہے (روح المعانی)

واقعہ جمل پر حضرت عائشہؓ اور حضرت علیؓ کا افسوس:

غرض مفسدین و مجرمین کی شرارت اور فتنہ انگیزی کے نتیجہ میں ان دونوں مقدس گروہوں میں غیر شعوری طور پر قتال کا واقعہ پیش آ گیا، اور جب فتنہ فرد ہوا تو دونوں ہی حضرات اس پر سخت غمگین ہوئے، حضرت صدیقہ عائشہؓ کو یہ واقعہ یاد آ جاتا تو اتنا روتی تھیں کہ ان کا دوپٹہ آنسوؤں سے تر ہو جاتا تھا، اسی طرح حضرت امیر المومنین علی مرتضیٰ کو بھی اس واقعہ پر سخت صدمہ پیش آیا، فتنہ فرد ہونے کے بعد مقتولین کی لاشوں کو دیکھنے کے لئے تشریف لے گئے تو اپنی رانوں پر ہاتھ مار کر یہ فرماتے تھے کہ کاش میں اس واقعہ سے پہلے مر کر نسیاً منسیا ہو گیا ہوتا۔ اور بعض روایات میں ہے کہ حضرت ام المومنین جب قرآن میں یہ آیت پڑھتیں وَقَرْنَ فِیْ بُیُوْتِکُنَّ تو رونے لگتیں، یہاں تک کہ ان کا دوپٹہ آنسوؤں سے تر ہو جاتا، (رواہ عبداللہ بن احمد فی زوائد الزہد وابن المنذر وابن شیبۃ عن مسروق، روح)

آیت مذکورہ پڑھنے پر رونا اس لئے نہ تھا کہ قرار فی البیوت کی خلاف ورزی ان کے نزدیک گناہ تھی یا سفر ممنوع تھا بلکہ گھر سے نکلنے پر جو واقعہ ناگوار اور حادثہ شدیدہ پیش آ گیا اس پر طبعی رنج و غم اس کا سبب تھا۔ (یہ سب روایات اور پورا مضمون تفسیر روح المعانی سے لیا گیا ہے) (معارف مفتی اعظم)

تحفظِ عصمت کیلئے شرعی قوانین:

ایک حکم تو یہ دیا ہے کہ عورتیں بلا شدید ضرورت اپنے گھروں سے باہر نہ نکلیں۔

دوسرا حکم یہ دیا کہ مرد عورت کو نہ دیکھے اور عورت مرد کو نہ دیکھے۔

آیت وَقُلْ لِّلْمُؤْمِنٰتِ یَغْضُضْنَ مِنْ اَبْصَارِھِنَّ میں عورتوں کو حکم دیا گیا کہ نگاہیں نیچی رکھیں غرض یہ کہ ان دونوں آیتوں میں مردوں اور عورتوں کو علیحدہ علیحدہ حکم دیا گیا کہ ایک اجنبی مرد یا عورت دوسرے اجنبی مرد یا عورت کو نہ دیکھے اس لئے کہ یہ دیکھنا ہی فتنہ کا سبب ہے بلا تفریق تمام مسلمان مردوں اور عورتوں کو یہ حکم دیا گیا کہ نگاہیں نیچی رکھیں اور ایک دوسرے کو نہ دیکھیں اصل محل فتنہ یہ چہرہ ہی ہے جس کے دیکھنے سے دل میں شیطانی وسوسے پیدا ہونے لگتے ہیں اور مرد اور عورت کی عفت اور عصمت خطرہ میں پڑ جاتی ہے۔عورت کو اپنی یہ زینت ظاہرہ (چہرہ اور دونوں ہاتھ) صرف اپنے محارم کے سامنے کھلا رکھنے کی اجازت ہے نامحرموں کے سامنے کھولنے کی اجازت نہیں عورت کو اس بات کی ہرگز ہرگز اجازت نہیں کہ وہ سر بازار چہرہ کھول کر اپنا حسن و جمال دکھلاتی پھرے حسن و جمال کا تمام دارو مدار چہرہ پر ہے اور اصل فریفتگی چہرہ ہی پر ختم ہے اس لئے شریعت مطہرہ نے زناء کا دروازہ بند کرنے کے لئے نامحرم کے سامنے چہرہ کو کھولنا حرام قرار دیا البتہ اپنے گھر میں اپنے باپ اور بھائی اور محارم کے سامنے اپنا چہرہ کھولنے کی اجازت دی ہے اور یہ اجازت بھی ضرورت اور مجبوری کی بنا پر ہے۔

شریعت نے اگر عورت کو کسی ضرورت اور کسی خاص حالت میں منہ کھولنے کی اجازت دی ہے تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ شہوت پرستوں کو بھی عورت کی طرف دیکھنا جائز ہو جائے بلکہ شوہر کے علاوہ شریعت نے جن محارم کے سامنے آنے کی عورت کو اجازت دی ہے اس میں یہ شرط ہے کہ فتنہ کا اندیشہ نہ ہو خدانخواستہ اگر کسی عورت کا کوئی محرم رشتہ دار بھتیجا یا بھانجا بدچلن ہو تو اس کے سامنے آنا بھی جائز نہیں فتنہ کے خوف سے محرم سے بھی پردہ واجب ہو جاتا ہے اس لئے کہ زناء سے حفاظت کا بہترین ذریعہ یہی پردہ ہے۔

چوتھا حکم شریعت نے یہ دیا کہ اگر کسی غیر مرد سے بات کرنے کی ضرورت پیش آجائے تو پردہ کے پیچھے سے اس سے بات کرسکتی ہے۔

پانچواں حکم شریعت نے یہ دیا کہ عورت اگر ضرورت کی بنا پر گھر سے باہر نکلے تو موٹے کپڑے کا برقعہ اوڑھ کر یا موٹی چادر میں لپٹ کر نکلے۔

عمدہ کپڑوں میں نہ نکلے اور عطر اور خوشبو لگا کر نہ نکلے اور تیسری شرط یہ لگائی کہ شوہر کی بغیر اجازت کے نہ نکلے اور چوتھی شرط یہ لگائی کہ عورت سڑک کے کنارے چلے عورت کو درمیان سڑک چلنے کا نہ حق ہے اور نہ اجازت۔ یہ طبرانی کی ایک حدیث کا مضمون ہے جو عبداللہ بن عمرؓ سے مروی ہے۔

حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ مجھے رسول اللہ ﷺ سے یہ بات پہنچی ہے کہ آپ نے فرمایا کہ خدا کی لعنت ہو اجنبی عورتوں کے یا اجنبی مردوں کے دیکھنے والے اور دیکھنے والی پر اور جس کی طرف دیکھا گیا خواہ وہ مرد ہو یا عورت ہو۔

پردہ عورت کے حسب نسب کا محافظ ہے بے پردہ عورت اور اس کی اولاد مشکوک ہے پردہ والی عورت کے خاوند کو اپنے بچہ کے نسب میں شک کرنے کا کوئی موقع نہیں ملتا۔

انگلستانی خاتون کا بے پردگی کا ماتم:

انگلستان کی ایک شریف عورت نے بصد حسرت وندامت اپنے ملک کی عورتوں کے متعلق ایک مقالہ لکھا جس کا ترجمہ مصر کے ماہنامہ المنار میں شائع ہوا جس میں یہ تھا کہ انگلستان کی عورتیں اپنی تمام عفت اور عصمت کھو چکی ہیں اور ان میں بہت کم ایسی ملیں گی جنہوں نے اپنے دامنِ عصمت کو حرام کاری کے دھبہ سے آلودہ نہ کیا ہو۔ ان میں شرم اور حیاء نام کو بھی نہیں اور ایسی آزادانہ زندگی بسر کرتی ہیں کہ اس ناجائز آزادی نے ان کو اس قابل نہیں رہنے دیا کہ ان کو انسانوں کے زمرہ میں شامل کیا جائے ہمیں سرزمین مشرق کی مسلمان خواتین پر رشک آتا ہے جو نہایت دیانت اور تقویٰ کے ساتھ اپنے شوہروں کے زیر فرمان رہتی ہیں اور ان کی عصمت کا لباس گناہ کے داغ سے ناپاک نہیں ہوتا وہ جس قدر فخر کریں بجا ہے اور اب وہ وقت آرہا ہے کہ اسلامی احکام شریعت کی ترویج سے انگلستان کی عورتوں کی عفت کو محفوظ رکھا جائے (انگلستان کی عورت کے کلام کا ترجمہ ختم ہوا)

خلاصہ:

۱- یہ کہ بے پردگی سے بے غیرتی اور بے حمیتی پیدا ہوتی ہے۔

۲- زناء کادروازہ کھلتا ہے۔

۳- اولاد حرام ہوتی ہے۔

۴- حسب اورنسب ضائع ہو جاتا ہے۔

۵- شوہر کو اپنی بیوی پر اطمینان نہیں رہتا تو دل سے کیسے محبت رہے۔

۶- بے پردہ بیوی سے جو اولاد پیدا ہوتی ہے شوہر کو اس پر یقین نہیں ہوتا کہ یہ میرا ہی بچہ ہے اور ظاہر ہے کہ جو عورت بے پردہ پھرتی ہو اور غیروں سے میل جول رکھتی ہو۔ اس کی اولاد پر کیسے یقین ہو سکتا ہے۔

۷- اور جب اس بچہ کا اسکی اولاد ہونا یقینی نہ رہا تو پھر اس کے مرنے کے بعد اس بچہ کا وارث ہونا بھی یقینی نہ رہا۔ حلال اولاد میراث کی مستحق ہوتی ہے حرام کا بچہ میراث کا مستحق نہیں ہوتا۔

۸- بے پردہ عورت شوہر کی راحت اور سکون اور اطمینان کا باعث نہیں بنتی۔ شوہر جب گھر آتا ہے تو بیوی کو غائب پاتا ہے اور پریشان ہوتا ہے کہ نہ معلوم کہاں ہوگی۔

۹- بے پردہ عورت نہ شوہر کی خدمت کر سکتی ہے اور نہ اس کی اطاعت کر سکتی ہے۔

۱۰- بے پردہ عورت اولاد کی تربیت اور نگرانی بھی نہیں کر سکتی۔

۱۱- بے پردگی باہمی خصومیت اور نزاع کا سبب ہے جو بدچلنی کا لازمی نتیجہ ہے۔

۱۲- بے پردگی اپنی آوارگی کی پردہ پوشی کے لئے عورت کو جھوٹ اور مکر اور فریب پر آمادہ کرتی ہے گھر سے باہر جانے کے عجیب عجیب بہانے بناتی ہے۔

۱۳- جس کا اثر اولاد پر پڑتا ہے۔ اولاد بھی وہی کرے گی جو ماں کو کرتے دیکھے گی۔

۱۴- جس قدر بے پردگی بڑھتی جائے گی اسی قدر بے حیائی اور بے غیرتی بڑھتی جائے گی جس کا لازمی نتیجہ نحوست ہے اور خاندان اور محلہ میں بدنامی اور بے عزتی ہے۔

۱۵- حتیٰ کہ اس گھرانہ سے حیاء اور شرم اور عصمت اور غیرت کا خاتمہ ہو جاتا ہے۔ اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ ۔

فوجی بھرتی کے لئے مرد لئے جاتے ہیں عورت نہیں لی جاتی آج تک دنیا میں کسی بادشاہ نے عورتوں کی فوج بنا کر دشمن کے مقابلہ کے لئے کبھی بھی عورتوں کی فوج نہیں بھیجی۔

پردہ عورتوں کے لئے قید نہیں بلکہ ان کی عصمت اور عفت کی حفاظت کا ایک قلعہ ہے۔

بے پردگی سے کوئی دنیاوی اور مادی ترقی حاصل نہیں ہو سکتی بلکہ اخلاقی تنزل اس

درجہ تک پہنچ جاتا ہے کہ اس میں اور حیوان میں کوئی فرق نہیں رہتا آج کل متمدن اقوام کا حال یہ ہے کہ چپہ چپہ پر ناچ گھر قائم ہو گئے ہیں جن میں نوجوان مرد اور عورتیں جمع ہو کر اپنی نفسانی خواہشیں پوری کرتے ہیں اور ایک شخص کسی اجنبی عورت سے چمٹ جاتا ہے اور اس کا شوہر دیوث بھی وہاں موجود ہوتا ہے اور سب کچھ اپنی آنکھوں سے دیکھتا ہے اور اس کو غیرت نہیں آتی مغربی ممالک میں دن بدن حرامزادوں کی تعداد بڑھ رہی ہے اور اب یہ بھی سننے میں آیا ہے کہ بعض مغربی ممالک میں لب سڑک لوگوں کو زنا کرتے دیکھا جاتا ہے گویا کہ مرد اور عورت بہائم کی طرح ہو گئے ہیں جس طرح ایک جانور کو کسی مادہ سے جفتی کرنے کے لئے کسی بند کمرہ کی ضرورت نہیں۔ (معارف کاندھلوی)

وَاَقِمْنَ الصَّلٰوةَ وَاٰتِيْنَ الزَّكٰوةَ وَاَطِعْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ

ترجمہ: اور قائم رکھو نماز اور دیتی رہو زکوٰۃ اور اطاعت میں رہو اللہ کی اور اس کے رسول کی

ارکانِ اسلام کی پابندی:

یعنی اوروں سے بڑھ کر ان چیزوں کا اہتمام رکھو۔ کیونکہ تم نبی سے اقرب اور اُمت کے لئے نمونہ ہو۔ (تفسیر عثمانی)

اور نماز قائم کرو اور زکوٰۃ ادا کرو اور اللہ اور اس کے رسول کی فرماں برداری کرو۔ یعنی تمام اوامر ونواہی کی پابندی کرو یہی تقویٰ ہے جو تمہاری فضیلت یاب ہونے کی ضروری شرط ہے۔ (تفسیر مظہری)

اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيْرًا

ترجمہ: اللہ یہی چاہتا ہے کہ دور کرے تم سے گندی باتیں اے نبی کے گھر والو اور ستھرا کر دے تم کو ایک ستھرائی سے

ازواجِ مطہرات کیلئے اعلیٰ اخلاقی مرتبہ:

یعنی اللہ کا ارادہ ہے کہ نبی کے گھر والوں کو ان احکام پر عمل کرا کر خوب پاک وصاف کر

دے اور اُن کے رُتبہ کے موافق ایسی قلبی صفائی اور اخلاقی ستھرائی عطا فرمائے جو دوسروں سے ممتاز و فائق ہو جس کی طرف یُطَهِّرَكُمْ کے بعد تَطْهِيرًا بڑھا کر اشارہ فرمایا ہے یہ تطہیر واذہاب اُس قسم کی نہیں جو آیت وضوء میں وَلٰكِنْ يُّرِيْدُ لِيُطَهِّرَكُمْ وَلِيُتِمَّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكُمْ (فائدہ۔ رکوع ۲) سے یا بدر کے قصہ میں لِّيُطَهِّرَكُمْ بِهٖ وَيُذْهِبَ عَنْكُمْ رِجْزَ الشَّيْطٰنِ (انفال۔ رکوع ۲) سے مراد ہے بلکہ یہاں تطہیر سے مراد تہذیب نفس، تصفیہ قلب اور تزکیہ باطن کا وہ اعلیٰ مرتبہ ہے جو کمل اولیاء اللہ کو حاصل ہوتا ہے اور جس کے حُصول کے بعد وہ انبیاء کی طرح معصوم تو نہیں بن جاتے ہاں محفوظ کہلاتے ہیں چنانچہ لفظ يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ الخ فرمانا اور اَرَادَ اللّٰهُ نہ فرمانا خود اس کی دلیل ہے کہ اہل بیت کے لئے عصمت ثابت نہیں۔

اہل بیت میں ازواج یقیناً داخل ہیں:

(تنبیہ) نظم قرآن میں تدبر کرنے والے کو ایک لمحہ کے لئے اس میں شک وشبہ نہیں ہوسکتا کہ یہاں اہل بیت کے مدلول میں ازواج مطہرات یقیناً داخل ہیں۔ کیونکہ آیت ہذا سے پہلے اور پیچھے پورے رکوع میں تمام تر خطابات اُن ہی سے ہوئے ہیں اور بیوت کی نسبت بھی پہلے میں اور آگے وَقَرْنَ فِيْ بُيُوْتِكُنَّ میں اور آگے وَاذْكُرْنَ مَا يُتْلٰى فِيْ بُيُوْتِكُنَّ میں ان کی طرف کی گئی ہے اس کے علاوہ قرآن میں یہ لفظ عموماً اسی سیاق میں مستعمل ہوا ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بیوی سارہ کو خطاب کرتے ہوئے ملائکہ علیہ السلام نے فرمایا اَتَعْجَبِيْنَ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ رَحْمَتُ اللّٰهِ وَبَرَكٰتُهٗ عَلَيْكُمْ اَهْلَ الْبَيْتِ (ھود۔ رکوع ۷) مطلقہ عورت باوجود یہ کہ نکاح سے نکل چکی مگر عدت منقضی ہونے سے پہلے بیوت کی نسبت اُسی کی طرف کی گئی چنانچہ فرمایا ''لَا تُخْرِجُوْهُنَّ مِنْ بُيُوْتِهِنَّ'' (طلاق۔ رکوع ۱) حضرت یوسف کے قصہ میں بیت کو زلیخا کی طرف منسوب کیا۔ وَرَاوَدَتْهُ الَّتِيْ هُوَ فِيْ بَيْتِهَا'' (یوسف۔ رکوع ۳) بہر حال اہل بیت میں اس جگہ ازواج مطہرات کا داخل ہونا یقینی ہے بلکہ آیت کا خطاب اُولاً اُن ہی سے ہے لیکن چونکہ اولاد و داماد بھی بجائے خود اہلِ بیت گھر والوں میں شامل ہیں بلکہ بعض حیثیات سے وہ اس لفظ کے زیادہ مستحق ہیں۔ جیسا کہ مُسند احمد کی ایک روایت میں احق کے لفظ سے ظاہر ہوتا ہے۔ اس لئے آپ کا حضرت فاطمہ علی، حسن

حسین رضی اللہ عنہم کو ایک چادر میں لے کر اَللّٰھُمَّ ھٰؤُلَاءِ اَھْلُ بَیْتِیْ وغیرہ فرمانا یا حضرت فاطمہ کے مکان کے قریب گزرتے ہوئے یُرِیْدُ اللّٰہُ لِیُذْھِبَ عَنْکُمُ الرِّجْسَ سے خطاب کرنا اس حقیقت کو ظاہر کرنے کے لئے تھا کہ گو آیت کا نزول بظاہر ازواج کے حق میں ہوا اور اُن ہی سے تخاطب ہو رہا ہے مگر یہ حضرات بھی بطریق اولیٰ اس لقب کے مستحق اور فضیلت تطہیر کے اہل ہیں باقی ازواج مطہرات چونکہ خطاب قرآنی کی اولین مخاطب تھیں اس لئے اُن کی نسبت اس قسم کے اظہار اور تصریح کی ضرورت نہیں سمجھی گئی۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔ (تفسیر عثمانی)

اِنَّمَا یُرِیْدُ اللّٰہُ لِیُذْھِبَ عَنْکُمُ الرِّجْسَ اَھْلَ الْبَیْتِ وَ یُطَھِّرَکُمْ تَطْھِیْرًا

اے اہلِ بیتِ (نبی) اللہ تم سے گندگی کو دور کرنا اور کامل طور پر تم کو پاک کرنا چاہتا ہے۔

یہ کلام استینافی ہے (پہلے کلام سے وابستہ نہیں ہے) اس کلام کا حکم امہات المومنین کو بھی شامل ہے اور اولادِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی۔ اسی لئے مذکر کا خطابی صیغہ استعمال کیا گیا ہے۔

سابقہ احکام کا مقصد:

یہ کلام سابق کلام کی علت کے طور پر ذکر کیا گیا ہے گویا یوں فرمایا کہ تم کو جو اوامر نواہی کی پابندی کرنے اور تقویٰ اختیار کرنے کا حکم دیا گیا وہ تم سے اور تمہارے علاوہ دوسرے اہلِ بیت سے رجس یعنی عمل شیطانی کو دور کرنے کے لئے دیا گیا ہے۔

رِجس سے مراد ہے عمل شیطانی یعنی گناہ اور ہر وہ حرکت جس میں کوئی شرعی یا ایسی طبعی برائی ہو جو اللہ کو ناپسندیدہ ہو۔ (تفسیر مظہری)

اہل سنت و جماعت یہ کہتے ہیں کہ یہ آیت باجماع صحابہ کرام ازواج مطہرات کے حق میں نازل ہوئی اور اس آیت میں اہلِ بیت نبی سے آپ کی بیبیاں مراد ہیں اور تطہیر سے تزکیہ نفس اور تہذیب باطن اور تصفیہ ٔ قلب مراد ہے جو تزکیہ ٔ باطن کا وہ اعلیٰ ترین مقام مراد ہے جو کامل اولیاء اللہ کو حاصل ہوتا ہے کہ حضور پُرنور صلی اللہ علیہ وسلم دعا مانگا کرتے تھے۔ اللّٰھم اجعل رزق ال محمد قوتا، اے اللہ آل محمد کا رزق بقدر قوت لایموت کر دے اور قدر قوت وہ رزق ہے جس سے بقدر کفایت گزر ہو جائے اور فاضل کچھ نہ بچ سکے اور اس میں شک نہیں کہ آل محمد میں ازواج مطہرات بھی داخل ہیں اور یہ دعا ذریت کی طرح ازواج مطہرات کو بھی شامل ہے۔

حدیث نساء ایک شبہ اور اس کا ازالہ

حضرت حکیم الامت تھانوی رحمہ اللہ اپنے ایک وعظ میں فرماتے ہیں یہاں بعض لوگوں کو ایک حدیث سے شبہ ہو گیا ہے وہ یہ کہ حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دفعہ حضرت علی اور حضرت فاطمہ اور حسین کو اپنی عباء میں داخل کر کے فرمایا۔

اللّٰھم ھولاء اھل بیتی (اے اللہ یہ میرے اہل بیت ہیں)

اس سے بعض عقلمندوں نے یہ سمجھا کہ ازواج مطہرات اہل بیت میں داخل نہیں حالانکہ حدیث کا مطلب یہ ہے کہ اے اللہ یہ بھی میرے اہل بیت ہیں ان کو بھی اِنَّمَا یُرِیْدُ اللّٰہُ لِیُذْھِبَ عَنْکُمُ الرِّجْسَ اَھْلَ الْبَیْتِ وَیُطَھِّرَکُمْ تَطْھِیْرًا کی فضیلت میں داخل اور شامل فرمانا اور ان کو بھی اس کرامت میں شریک فرما۔ آپکا مقصود حصر نہ تھا کہ بس یہی اہل بیت ہیں اور ازواج مطہرات اہل بیت نہیں اور اس حدیث کے بعضے طرق میں آیا ہے کہ حضور پرنور نے جب ان حضرات مذکورین کو عباء میں داخل کر کے دعا فرمائی تو ام المومنین ام سلمہ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ مجھے بھی انکے ساتھ شامل فرما لیجئے۔ تو آپ نے فرمایا کہ تم اپنی جگہ ہو۔ اسکا مطلب یہ تھا کہ تم کو عباء میں داخل کرنیکی ضرورت نہیں تم تو پہلے ہی سے اہلِ بیت میں داخل ہو کذا فی النسو ان فی رمضان ص ۴۹ وعظ چہارم از سلسلہ البلاغ۔

حضور پُرنور نے حضرت علی اور حضرت فاطمہ اور حسن اور حسین رضی اللہ عنہم کو ایک چادر میں لے کر یہ دعا کی **اللّٰھم ھؤلا اھل بیتی الخ** تا کہ اس دعا کے ذریعہ یہ حضرات بھی ازواج مطہرات کے ساتھ اس وعدہ نعمت و کرامت میں شریک ہو جائیں جو اللہ نے نبی کے گھرانہ کے لئے ارادہ فرمایا ہے۔

جس طرح احادیث میں حضرت علی اور ان کی اولاد کو عباء میں داخل کر کے دعا کرنے کا ذکر آیا ہے اسی طرح بعض روایات میں حضرت عباس اور ان کی اولاد کے متعلق بھی آیا ہے کہ ایک مرتبہ حضرت عباس کو اور ان کی اولاد کو اپنی کساء (کمبل) میں داخل کر کے دعا فرمائی۔

ان مختلف دعاؤں سے آپ کا مقصد یہ تھا کہ ازواج مطہراتؓ کے ساتھ دوسرے اعزاء و اقارب بھی اس نعمت اور کرامت میں داخل ہو جائیں۔

خلاصہ کلام یہ کہ اہل سنت و جماعت کے نزدیک اہل بیت کے مفہوم عام میں حضور پُرنور کی ازواج مطہرات اور ذریت اور اولاد اور بنی الاعمام سب داخل ہیں اور سب اسی

بشارت اور کرامت میں شریک اور داخل ہیں کیونکہ قاعدہ مسلمہ ہے۔ العبرۃ لعموم اللفظ لا لخصوص السبب یعنی اعتبار عموم لفظ کا ہوتا ہے نہ کہ خصوص سبب کا آیت کا نزول اصالۃً اگرچہ ازواج مطہرات کے بارہ میں ہوا ہے مگر عموم لفظ کی وجہ سے اور حضور پُرنور کی دعا کی وجہ سے تمام اہلِ بیت کو شامل کیا گیا ہے۔ (معارف کاندھلوی)

اھلِ البیت، رسول اللہ کے گھر کے لوگ۔ عکرمہ اور مقاتل کے نزدیک امہات المومنین مراد ہیں۔ حضرت ابنِ عباس کا قول سعید بن جبیر کی روایت سے بھی یہی آیا ہے۔ حضرت ابن عباس نے (اہل البیت کے مفہوم کے تعیین کیلئے) آیت وَاذْكُرْنَ مَا يُتْلَىٰ فِي بُيُوتِكُنَّ مِنْ آيَاتِ اللَّهِ وَالْحِكْمَةِ تلاوت فرمائی رواہ ابن ابی حاتم وروی ابن جریر عن عکرمۃ نحوہ۔ ان حضرات نے آیت کے سیاق و سباق سے بھی اسی پر استدلال کیا ہے۔ لیکن عورتوں کے ساتھ حکم کی تخصیص کیسے ہوسکتی ہے جب کہ کُم ضمیر مذکر مخاطب کی استعمال کی گئی ہے (اس سے معلوم ہوا کہ آیت کا حکم مردوں کو بھی شامل ہے اور بطور تغلیب مذکر کی ضمیر ذکر کی گئی ہے۔ مترجم)

حضرت علی و فاطمہ و حسنین رضی اللہ عنہم بھی اہل بیت میں داخل ہیں

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ اور تابعین کی ایک جماعت کا قول ہے جن میں مجاہد اور قتادہ بھی شامل ہیں کہ اہل بیت ہیں۔ حضرت علی، حضرت فاطمہ، حضرت حسن اور حضرت حسین۔ کیوں کہ حضرت عائشہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سیاہ بالوں کی اونی چادر اوڑھے باہر تشریف لے گئے۔ چادر پر کجاوے کے نقوش تھے اتنے میں حسن بن علی آئے حضور نے ان کو چادر میں لے لیا پھر حسین بن علی آئے حضور نے ان کو بھی چادر میں لے لیا۔ پھر (سیدہ) فاطمہ آئیں حضور نے ان کو بھی چادر میں داخل کر لیا۔ پھر علی آئے آپ نے ان کو بھی داخل کر لیا پھر فرمایا إِنَّمَا يُرِيدُ اللَّهُ لِيُذْهِبَ عَنكُمُ الرِّجْسَ أَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيرًا۔

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ جب آیت نَدْعُ أَبْنَاءَنَا وَأَبْنَاءَكُمْ وَنِسَاءَنَا وَنِسَاءَكُمْ وَأَنفُسَنَا وَأَنفُسَكُمْ نازل ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے علی، فاطمہ، حسن اور حسین کو طلب فرمایا، اور فرمایا، اے اللہ! یہ میرے اہلِ بیت ہیں۔ (رواہ مسلم)

حضرت واثلہ بن اسقع راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے آیت إِنَّمَا يُرِيدُ اللَّهُ لِيُذْهِبَ عَنكُمُ الرِّجْسَ الخ تلاوت فرمائی اور حضرت علی، حضرت فاطمہ اور دونوں صاحبزادوں کے متعلق فرمایا:

اے اللہ یہ میرے گھر والے اور میرے خاص لوگ ہیں ان سے گندگی کو دور فرما دے اور ان کو کامل طور پر پاک کر دے۔

حضرت ام سلمہ کی روایت ہے کہ جب آیت اِنَّمَا یُرِیْدُ اللّٰہُ لِیُذْھِبَ عَنْکُمُ الرِّجْسَ اَھْلَ الْبَیْتِ الخ نازل ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے علی اور فاطمہ اور حسن اور حسین کو طلب کیا اور کمبلی میں داخل کر لیا۔ پھر فرمایا اے اللہ یہ میرے اہلِ بیت ہیں ان سے گندگی کو دور کر دے اور ان کو کامل طور پر پاک کر دے۔

ازواج واولاد سب اہل بیت ہیں:

مذکورہ احادیث اور ان جیسی دوسری اخبار سے آیت تطہیر کی حضرات اربعہ (حضرت علی، حضرت سیدہ، حضرت حسن، حضرت حسین کے ساتھ تخصیص ثابت نہیں ہوتی۔ ماقبل اور مابعد کا کلام بھی اس تخصیص سے انکار کر رہا ہے اور عرف ولغت کی شہادت بھی اس کے خلاف ہے۔ اصل میں اہل بیت کے لفظ کا اطلاق صرف بیویوں پر ہوتا ہے۔ اولاد اور دوسرے گھر والے ذیلی طور پر اس میں آ جاتے ہیں۔ بیویوں کے ہی رہنے کے مکان (یا کمرے) عام طور پر الگ الگ ہوتے ہیں۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بیوی سارہ کو خطاب کر کے ملائکہ نے کہا تھا اَتَعْجَبِیْنَ مِنْ اَمْرِ اللّٰہِ رَحْمَتُ اللّٰہِ وَبَرَکٰتُہٗ عَلَیْکُمْ اَھْلَ الْبَیْتِ کیا تجھے اللہ کے حکم پر تعجب ہو رہا ہے۔ اے گھر والو تم پر اللہ کی رحمت ہے۔

حق بات یہ ہے کہ رفتارِ کلام اگر چہ امہات المومنین پر دلالت کر رہی ہے لیکن آیتِ تطہیر سب کو شامل ہے حضرتِ ام سلمہؓ نے فرمایا تھا میرے گھر میں آیت اِنَّمَا یُرِیْدُ اللّٰہُ لِیُذْھِبَ عَنْکُمُ الرِّجْسَ اَھْلَ الْبَیْتِ نازل ہوئی۔ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فاطمہ اور علی اور حسن اور حسین کو بلوایا پھر فرمایا یہ لوگ میرے اہلِ بیت ہیں۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ میں بھی اہل بیت میں سے ہوں فرمایا کیوں نہیں۔ انشاء اللہ۔

رواہ البغوی وغیرہ۔ یہ حدیث دلالت کر رہی ہے کہ اہل بیت میں سب داخل ہیں اور انشاء اللہ کا لفظ (امید مستقبل کے لئے نہیں بلکہ تحقیق اور) تبرک کے لئے استعمال ہوا ہے۔

حضرت زید بن ارقم نے فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اہل بیت وہ سب لوگ

تھے جن پر صدقہ کا مال (لینا) حرام کر دیا گیا تھا یعنی اولاد علی اولاد جعفر، اولاد عقیل، اولاد عباس اور اولاد حارث بن عبدالمطلب۔

گناہ گندگی ہے:

تطہیر سے مراد ہے دنیا میں گناہوں کی نجاست سے پاک کرنا اور آخرت میں مغفرت فرمانا۔

اللہ نے آیات مذکورہ میں امہات المومنین کو بعض چیزوں سے منع فرمایا بعض باتوں کے کرنے کا حکم دیا تاکہ رسول اللہ کا گھر والا کسی گناہ کا ارتکاب نہ کرے اور سب کے سب متقی ہو جائیں۔ بطور استعارہ گناہوں کو گندگی اور تقویٰ کو طہارت فرمایا کیونکہ گناہ کرنے والے کی گناہوں سے اسی طرح آلودگی ہو جاتی ہے جس طرح جسم نجاست سے آلودہ ہوتا ہے اور متقی ایسا ہی پاک صاف ہوتا ہے جس طرح کپڑا پاک صاف ہوتا ہے۔

مستعمل پانی:

چونکہ گناہ اور گندگی میں بہت گہری مناسبت ہے اسی لئے امام ابوحنیفہ نے فرمایا کہ پانی کا استعمال خواہ رفع حدث کے لئے کیا گیا ہو یا بطور ثواب (وقربت) بہرحال مستعمل پانی نجس ہو جاتا ہے۔ حضرت عثمان کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو اچھی طرح خوب وضو کرتا ہے اس کے گناہ اس کے بدن سے نکل جاتے ہیں یہاں تک کہ ناخنوں کے نیچے سے بھی خارج ہو جاتے ہیں (اور پانی کے ساتھ بہہ جاتے ہیں) متفق علیہ۔

حضرت ابو ہریرہؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو مسلم بندہ (یا فرمایا مومن بندہ) وضو کرتا ہے اور منہ دھوتا ہے تو اس کے چہرے سے پانی کے ساتھ آنکھ کے گناہ نکل جاتے ہیں۔ الحدیث۔ رواہ مسلم۔

شیعوں کا غلط استدلال:

شیعہ کہتے ہیں کہ یہ آیت ثابت کر رہی ہے کہ علیؓ اور فاطمہؓ اور حسنؓ اور حسینؓ معصوم تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلفاء یہی تھے دوسرا کوئی خلیفہ نہیں ہو سکتا۔ اور انہیں حضراتِ اربعہ کا اور ان کے بعد (ان کی نسل کے) دوسرے اماموں کا ہی اجماع معتبر ہے۔ شیعہ کہتے ہیں اللہ کا ارادہ مراد سے منفک

نہیں ہوتا (یعنی اللہ جس چیز کا ارادہ کرتا ہے اس کا پورا ہونا لازم ہے) اور حسبِ صراحت آیت اللہ اہل بیت کو طاہر بنانا چاہتا تھا اس لئے اہلِ بیت کا معصوم ہونا ضروری ہے۔ گناہگار پاک نہیں ہوتا اور عصمت امامت (یعنی خلافت) کی شرط ہے اور چونکہ ابو بکر اور عمر اور عثمان بالا جماع معصوم نہ تھے اس لئے خلافت کا استحقاق صرف اہل بیت کو تھا۔ شیعہ فرقہ کا استدلال غلط ہے۔

آیت کا نزول امہات المومنین کے لئے ہوا۔ ہاں یہ چاروں بزرگ ہستیاں حکم آیت میں داخل ہیں۔

آیت عصمت پر دلالت نہیں کرتی (ارادہ تطہیر کا معنی عطاء عصمت نہیں) دیکھو آیت وضو میں تمام امت کو خطاب کر کے فرمایا ہے مَا یُرِیْدُ اللّٰہُ لِیَجْعَلَ عَلَیْکُمْ مِّنْ حَرَجٍ وَّلٰکِنْ یُّرِیْدُ لِیُطَھِّرَکُمْ الخ اللہ تم پر کوئی تنگی ڈالنا نہیں چاہتا بلکہ تم کو پاک کرنا چاہتا ہے (تو کیا ساری امت اسلامیہ کو اس آیت کی روشنی میں معصوم قرار دیا جا سکتا ہے۔

اگر شبہ کیا جائے کہ آیتِ تطہیر کا تقاضا تو گناہوں سے پاک کرنے کا ارادہ الٰہیہ ہے (یعنی اللہ گناہوں سے تم کو پاک کرنا چاہتا ہے) اور آیت وضوء کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تم کو نجاست اور غلاظتِ بدنیہ سے پاک صاف کرنا چاہتا ہے اگر تم وضو کرو گے (تو بدنی نجاست دور ہو جائے گی) دونوں آیتوں میں ایک قسم کی تطہیر نہیں ہے مگر یہ شبہہ بے اصل ہے دونوں آیتوں میں اللہ کا ارادہ تطہیر مشروط ہے آیت وضو میں مشروط باوضوء ہے اور آیت تطہیر میں مشروط باتقویٰ۔ یعنی اگر وضو کرو گے تو نجاست بدنی سے پاک ہو جاؤ گے اسی طرح اے اہلِ بیت تم تقویٰ اختیار کرو گے تو گناہوں سے پاک ہو جاؤ گے یہی وجہ ہے کہ جس طرح طہارت بدنی حاصل کرنے کے لئے اللہ نے پانی کے استعمال کا طریقہ بتا دیا اسی طرح گناہوں سے طہارت حاصل کرنے اور باطن کو پاک رکھنے کے لئے اس نے تقویٰ کا طریقہ بتا دیا اور فرما دیا فَلَا تَخْضَعْنَ پس جس طرح طہارتِ بدن پانی کے استعمال سے وابستہ ہے اسی طرح طہارتِ باطن تقویٰ پر موقوف ہے۔

امامت (یعنی خلافتِ ارضی) کے لئے عصمت شرط نہیں ہے۔ معصوم کی موجودگی میں غیر معصوم خلیفہ ہو سکتا ہے۔ دیکھو حضرت اشموئیل اور حضرت داؤد کے موجود ہونے کے باوجود طالوت کو خلیفہ (بادشاہ) بنا دیا گیا تھا۔ آیت میں آیا ہے وَقَالَ لَھُمْ نَبِیُّھُمْ اِنَّ اللّٰہَ قَدْ بَعَثَ لَکُمْ طَالُوْتَ مَلِکًا۔ (تفسیر مظہری)

عورتوں کیلئے جہاد کا ثواب

ایک روایت میں ہے کہ ان کے لئے ان کے گھر بہتر ہیں۔ بزار میں ہے کہ عورتوں نے حاضر ہو کر رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ جہاد وغیرہ کی کل فضیلتیں مرد ہی لے گئے، اب آپ ہمیں کوئی ایسا عمل بتائیں جس سے ہم مجاہدین کی فضیلت کو پاسکیں۔ آپ نے فرمایا تم میں سے جو اپنے گھر میں پردے اور عصمت کے ساتھ بیٹھی رہے وہ جہاد کی فضیلت پالے گی۔

عورت کیلئے قربِ الٰہی:

ترمذی وغیرہ میں ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں، عورت سرتاپا پردے کی چیز ہے، یہ جب گھر سے باہر قدم نکالتی ہے تو شیطان جھانکنے لگتا ہے۔ یہ سب سے زیادہ خدا سے قریب اُس وقت ہوتی ہے جب کہ یہ اپنے گھر کے اندرونی حُجرے میں ہو۔

عورت کی افضل نماز:

ابوداؤد وغیرہ میں ہے عورت کی اپنے گھر کی اندرونی کوٹھری کی نماز، گھر کی نماز سے افضل ہے اور گھر کی نماز صحن کی نماز سے بہتر ہے۔

دَورِ جاہلیت کے کرتوت:

جاہلیت میں عورتیں بے پردہ پھرا کرتی تھیں۔ اب اسلام بے پردگی کو حرام قرار دیتا ہے۔ ناز سے اٹھلا کر چلنا ممنوع ہے۔ دوپٹیا گلے میں ڈال لی لیکن اُسے لپیٹا نہیں، جس سے گردن اور کانوں کے زیورات دوسروں کی نظر میں آئیں، یہ جاہلیت کا بناؤ تھا جس سے اس آیت میں روکا گیا ہے۔

حضرات حسنین کی فضیلت:

ابن ابی حاتم میں ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد حضرت حسن رضی اللہ عنہ کو خلیفہ بنایا گیا۔ آپ ایک مرتبہ نماز پڑھا رہے تھے کہ بنو اسد کا ایک شخص کود کر آیا اور سجدے کی حالت میں آپ کے جسم میں خنجر گھونپ دیا۔ جو آپ کے نرم گوشت میں لگا جس سے آپ کئی مہینے

بیمار رہے جب اچھے ہو گئے تو مسجد میں آئے۔ منبر پر بیٹھ کر خطبہ پڑھا جس میں فرمایا اے عراقیو! ہمارے بارے میں خوفِ خدا کرو۔ ہم تمہارے حاکم ہیں، تمہارے مہمان ہیں، ہم اہلِ بیت ہیں جن کے بارے میں آیت اِنَّمَا یُرِیْدُ اللّٰہُ لِیُذْهِبَ عَنْکُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَیْتِ وَیُطَهِّرَکُمْ تَطْهِیْرًا اُتری ہے' اس پر آپ نے خوب زور دیا اور اس مضمون کو بار بار ادا کیا جس سے مسجد والے رونے لگے ایک مرتبہ علیؓ بن حسین نے ایک شامی سے فرمایا تھا' کیا تو نے سورۂ احزاب کی آیت تطہیر نہیں پڑھی؟ اس نے کہا ہاں۔ کیا اس سے مراد تم ہو؟ فرمایا ہاں۔

ازواج کو خصوصی خطاب کی حکمت:

اِنَّمَا یُرِیْدُ اللّٰہُ لِیُذْهِبَ عَنْکُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَیْتِ وَیُطَهِّرَکُمْ تَطْهِیْرًا آیت سابقہ میں جو ہدایات ازواج مطہرات کو مخاطب کر کے دی گئی ہیں، وہ اگر چہ ان کی ذات کے ساتھ مخصوص نہ تھیں بلکہ پوری اُمت ان احکام کی مکلف ہے، مگر ازواج مطہرات کو خصوصی خطاب اس لئے کیا گیا کہ وہ اپنی شان اور بیتِ نبوت کے مناسب ان اعمال کا زیادہ اہتمام کریں، اس آیت میں اس خصوصی خطاب کی حکمت مذکور ہے کہ اصلاح اعمال کی خاص ہدایت سے اللہ تعالیٰ کے نزدیک مطلوب یہ ہے کہ اہلِ بیتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو رجس (گندگی) سے پاک کر دے۔

رِجس کا معنی:

لفظ رِجس قرآن میں متعدد معانی کے لئے استعمال ہوا ہے، ایک جگہ رِجس بتوں کے معنی میں آیا ہے اور کبھی رِجس مطلق گناہ کے معنی میں، کبھی عذاب کے معنی میں کبھی نجاست، اور گندگی کے معنی میں استعمال ہوتا ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ ہر وہ چیز جو شرعاً یا طبعاً قابلِ نفرت سمجھی جاتی ہو وہ رجس ہے، اس آیت میں یہی عام معنی مراد ہیں۔ (بحر محیط)

حضرت عکرمہؒ کا چیلنج:

حضرت عکرمہ تو بازار میں منادی کرتے تھے، کہ آیت میں اہلِ بیت سے مراد ازواج مطہرات ہیں، کیونکہ یہ آیت انہی کی شان میں نازل ہوئی ہے، اور فرماتے تھے کہ میں اس پر مباہلہ کرنے کے لئے تیار ہوں۔

مختلف اقوال میں تطبیق:

ابن کثیر نے اس مضمون کی متعدد احادیث معتبرہ نقل کرنے کے بعد فرمایا کہ درحقیقت ان دونوں اقوال میں جو ائمہ تفسیر سے منقول ہیں کوئی تضاد نہیں جن لوگوں نے یہ کہا ہے کہ یہ آیت ازواج مطہرات کی شان میں نازل ہوئی اور اہلِ بیت سے وہ مراد ہیں یہ اس کے منافی نہیں کہ دوسرے حضرات بھی اہلِ بیت میں شامل ہوں، اس لئے صحیح یہی ہے کہ لفظ اہلِ بیت میں ازواج مطہرات بھی داخل ہیں، کیونکہ شانِ نزولِ اس آیت کا وہی ہیں اور شانِ نزول کا مصداق آیت میں داخل ہونا کسی شبہ کا متحمل نہیں، اور حضرت فاطمہ وعلی و حسن وحسین رضی اللہ عنہم بھی، ارشاد نبوی علیہ السلام کے مطابق اہل بیت میں شامل ہیں۔

اسلوبِ قرآن کی دلالت:

اور اس آیت سے پہلے اور بعد میں دونوں جگہ نساء النبی صلی اللہ علیہ وسلم عنوان سے خطاب اور ان کے لئے صیغے مؤنث کے استعمال فرمائے گئے ہیں، سابقہ آیات میں فَلَا تَخۡضَعۡنَ بِالۡقَوۡلِ کے آخر تک سب صیغے مؤنث کے استعمال ہوئے ہیں، اور آگے پھر وَاذۡكُرۡنَ مَا يُتۡلٰى میں بصیغہٗ تانیث خطاب ہوا ہے، اس درمیانی آیت کو سیاق وسباق سے کاٹ کر بصیغہٗ مذکر عَنۡكُمُ اور يُطَهِّرَكُمۡ فرمانا بھی اس پر شاہد قوی ہے کہ اس میں صرف ازواج ہی داخل نہیں کچھ رجال بھی ہیں۔

تطہیر کا مطلب

آیت مذکورہ میں جو یہ فرمایا ہے کہ لِيُذۡهِبَ عَنۡكُمُ الرِّجۡسَ اَهۡلَ الۡبَيۡتِ وَيُطَهِّرَكُمۡ تَطۡهِيۡرًا.

ظاہر ہے کہ اس سے مراد یہ ہے کہ ان ہدایات کے ذریعہ اغواء شیطانی اور معاصی اور قبائح سے حق تعالیٰ اہلِ بیت کو محفوظ رکھے گا، اور پاک کردے گا، خلاصہ یہ ہے کہ تطہیر تشریعی مراد ہے، تکوینی تطہیر جو خاصہٗ انبیاء ہے وہ مراد نہیں، اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ یہ سب معصوم ہوں اور ان سے انبیاء علیہم السلام کی طرح کوئی گناہ سرزد ہونا ممکن نہ ہو، تکوینی تطہیر کا جو خاصہ ہے، اہلِ تشیع نے اس آیت میں جمہور امت سے اختلاف کرکے اول تو لفظ اہلِ بیت کا صرف اولاد وعصباتِ رسول کے ساتھ مخصوص ہونے اور ازواج مطہرات کے ان

سے خارج ہونے کا دعویٰ کیا، دوسرے آیت مذکورہ میں تطہیر سے مراد ان کی عصمت قرار دے کر اہلِ بیت کو انبیاء کی طرح معصوم کیا، اس کا جواب اور مسئلہ کی مفصل بحث احقر نے احکام القرآن سورۂ احزاب میں لکھی ہے اس میں عصمت کی تعریف اور اس کا انبیاء اور ملائکہ کے ساتھ مخصوص ہونا اور ان کے علاوہ کسی کا معصوم نہ ہونا دلائلِ شرعیہ سے واضح کر دیا ہے، اہلِ علم اس کو دیکھ سکتے ہیں، عوام کو اس کی ضرورت نہیں۔ (معارف مفتی اعظم)

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی فضیلت اہل تشیع کی کتب میں:

شیعوں کی ایک حدیث میں یہ فضیلت صحابہ کے لئے بصیغۂ ماضی وارد ہوئی ہے وہ حدیث طویل ہے جو فروع کافی کلینی جلد اول مطبوعہ نول کشور کتاب الجہاد میں ص ۶۰۹ تک منقول ہے۔ یہ حدیث امام جعفر صادق سے مروی ہے جو مہاجرین صحابہ کے فضائل اور محامد پر مشتمل ہے جس میں صحابہ کے متعلق ایک جگہ یہ کہا گیا ہے۔ **الذین اخبر عنهم فی کتابه انه اذهب عنهم الرجس وطهرهم تطهیرا** یعنی ان لوگوں کے متعلق اللہ نے اپنی کتاب میں یہ بیان کیا ہے کہ اللہ نے ان سے ناپاکی کو دور کر دیا اور ان کو خوب پاک کر دیا بعد ازاں امام جعفر صادق نے مہاجرین کو آیہ **مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗٓ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ** الخ اور آیت **قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ** اور آیت **اَلتَّآئِبُوْنَ الْعٰبِدُوْنَ** اور آیت **يَوْمَ لَا يُخْزِى اللّٰهُ النَّبِىَّ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ** کا مصداق قرار دیا ہے جس سے صاف ظاہر ہے کہ مہاجرین اور خلفاء ثلاثہ معاذ اللہ ظالم و فاسق نہ تھے۔

شیعوں کی تاویل:

حضرات شیعہ کو اس صریح اور واضح حدیث میں جب تاویل کی کوئی گنجائش نہ ملی تو اس کو تقیہ پر محمول کیا لیکن سوال یہ ہے کہ تقیہ کے لئے بھی کوئی موقع اور محل چاہیئے کہ جو خوف اور ڈر کی بنا پر کیا جاتا ہے یہاں امام جعفر صادق کو کیا خوف لاحق تھا۔ (معارف کاندھلوی)

(بحوالہ: گلدستہ تفاسیر)

مکتوب گرامی

حضرت شیخ احمد مجدد الف ثانی رحمہ اللہ

خلفائے ثلاثہ کی خلافت کا برحق ہونا
اور مشاجرات صحابہ کے بارہ میں مسلک حق کی ترجمانی
مذہب اہل سنت والجماعت کا افراط و تفریط کے
درمیان توسط اور اعتدال
مناقب اہل بیت
اہل سنت والجماعت
اور مخالفین کے مذہب کی حقیقت
دو اہم اختلافی امور کے بارہ میں مسلک حق کی
وضاحت (از مکتوبات امام ربانی)

حضرت مجدد الف ثانی رحمہ اللہ کا مکتوب گرامی

یہ مکتوب گرامی جو امامت کی بحث اور مذہب اہل سنت و جماعت اور مخالفوں کے مذہب کی حقیقت اور اس بیان میں کہ اہل سنت والجماعت افراط وتفریط کے درمیان جن کو رافضیوں اور خارجیوں نے اختیار کیا ہے کے درمیان توسط اور اعتدال پر ہیں۔ اور اہل بیت کی تعریف پر مشتمل ہے۔ جو آپ نے خواجہ محمد تقی کی طرف تحریر فرمایا ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حمد وصلوٰۃ اور تبلیغ دعوات کے بعد واضح ہو کہ درویشوں کی محبت اور ان کے ساتھ الفت و ارتباط رکھنا اور اس طائفہ علیہ کی باتوں کو سننا اور ان کے اوضاع و اطوار کی خواہش رکھنا حق تعالیٰ کی اعلیٰ نعمت اور بڑی دولت ہے۔

شیخ ابوالحسن اشعری فرماتے ہیں کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور عمر رضی اللہ عنہ کی فضیلت باقی اُمت پر قطعی ہے۔ اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بھی تواتر کے ساتھ ثابت ہے کہ اپنی خلافت اور مملکت کے زمانہ میں جم غفیر یعنی بڑی بھاری جماعت کے سامنے فرمایا کرتے تھے کہ ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس امت میں سب سے بہتر ہیں۔ جیسے کہ امام ذہبی نے کہا ہے کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کی ہے کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا ہے کہ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بعد تمام لوگوں سے بہتر حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں۔ پھر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ پھر ایک اور آدمی' پس ان کے بیٹے محمد بن حنفیہ نے کہا کہ پھر آپ' فرمایا کہ میں تو ایک مسلمان آدمی ہوں۔

غرض شیخین کی فضیلت ثقہ اور معتبر راویوں کی کثرت کے باعث شہرت اور تواتر کی حد تک پہنچ چکی ہے۔ اس کا انکار کرنا سراسر جہالت ہے یا تعصب۔ عبدالرزاق نے جو اکابر شیعہ میں سے ہے۔ جب انکار کی مجال نہ دیکھی تو بے اختیار شیخین کی فضیلت کا قائل ہو گیا۔ اور کہنے لگا کہ جب حضرت علی رضی اللہ عنہ شیخین رضی اللہ عنہ کو اپنے اوپر فضیلت

دیتے ہیں تو میں بھی حضرت علی رضی اللہ عنہ کے فرمانے کے بموجب شیخین رضی اللہ عنہ کو حضرت علی رضی اللہ عنہ پر فضیلت دیتا ہوں۔ اگر وہ فضیلت نہ دیتے، تو میں بھی نہ دیتا۔ یہ بڑا گناہ ہے کہ میں حضرت علیؓ کی محبت کا دعویٰ کروں اور پھر ان کی مخالفت کروں، چونکہ حضرات ختنین رضی اللہ عنہ کی خلافت کے زمانہ میں لوگوں کے درمیان بہت فتنہ اور فساد برپا ہو گیا تھا اور لوگوں کے دلوں میں کدورت پیدا ہو گئی تھی اور مسلمانوں کے دلوں میں عداوت و کینہ غالب آ گیا تھا اس لئے ختنینؓ کی محبت کو بھی اہلسنت و جماعت کے شرائط میں سے شمار کیا گیا تاکہ کوئی جاہل اس سبب سے حضرت خیر البشر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اصحاب پر بدظنی نہ کرے اور پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے جانشینوں کے ساتھ بغض و عدات حاصل نہ کرے۔ پس حضرت علی رضی اللہ عنہ کی محبت اہل سنت و جماعت کی شرط ہے اور جو شخص یہ محبت نہیں رکھتا۔ اہلسنت سے خارج ہے اس کا نام خارجی ہے اور جس شخص نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی محبت میں افراط کی طرف کو اختیار کیا ہے اور جس قدر کہ محبت مناسب ہے اس سے زیادہ اس سے وقوع میں آتی ہے اور محبت میں غلو کرتا ہے اور حضرت خیر البشر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ اصحاب کو سب و لعن کرتا ہے اور صحابہ اور تابعین اور سلف صالحین رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے طریق کے برخلاف چلتا ہے وہ رافضی ہے۔

پس حضرت امیر المؤمنین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی محبت میں افراط و تفریط کے درمیان جن کو رافضیوں اور خارجیوں نے اختیار کیا ہے۔ اہل سنت و جماعت متوسط ہیں اور شک نہیں کہ حق وسط میں ہے اور افراط و تفریط دونوں مذموم ہیں۔ چنانچہ امام احمد ابن حنبل رحمہ اللہ نے حضرت امیر المؤمنین علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا کہ حضرت پیغمبر صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ تجھ میں حضرت عیسےٰ علیہ السلام کی مثال ہے۔ جس کو یہودیوں نے یہاں تک دشمن سمجھا کہ اس کی ماں پر بہتان لگایا اور نصاریٰ نے اس قدر دوست رکھا اور اس کو اس مرتبہ تک لے گئے جس کے وہ لائق نہیں تھا۔ یعنی ابن اللہ کہا۔

پس حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ دو شخص میرے حق میں ہلاک ہوں گے ایک وہ جو میری محبت میں افراط کرے گا اور جو کچھ مجھ میں نہیں میرے لئے ثابت کرے گا

اور دوسرا وہ شخص جو میرے ساتھ دشمنی کرے گا اور عداوت سے مجھ پر بہتان لگائے گا۔ پس خارجیوں کا حال یہودیوں کے حال کے موافق ہے۔ اور رافضیوں کا حال نصاریٰ کے حال کے موافق کہ دونوں حق وسط سے بر طرف جا پڑے ہیں۔ وہ شخص بہت ہی جاہل ہے جو اہل سنت و جماعت کو حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے محبوں سے نہیں جانتا اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی محبت کو رافضیوں کے ساتھ مخصوص کرتا ہے۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی محبت رفض نہیں ہے بلکہ خلفاء ثلاثہ سے تبرا ے اور بیزاری رفض ہے اور اصحاب کرام سے بیزار ہونا مذموم اور ملامت کے لائق ہے۔ امام شافعی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں۔ بیت:

لو کان رفضاً حب آل محمد　　　فلیشهد الثقلین انی رافض

ترجمہ بیت: اگر محبت آل محمدی سے رفض تو جن وانس گواہ ہیں کہ رافضی ہوں میں۔ یعنی آل محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت رفض نہیں ہے۔ جیسے کہ جاہل لوگ گمان کرتے ہیں۔ اگر اس محبت کو رفض کہتے تو پھر رفض مذموم نہیں۔ کیونکہ رفض کی مذمت دوسرے کے تبرے کے باعث ہوتی ہے نہ کہ ان کی محبت کے باعث۔

انصاف کرنا چاہیے کہ یہ کونسی محبت ہے کہ جس کا حاصل ہونا پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے جانشینوں کی بیزاری اور حضرت خیر البشر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اصحاب کے سب وطعن پر موقوف ہو۔ اہل سنت کا گناہ یہی ہے کہ اہل بیت کی محبت کے ساتھ آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام کے تمام اصحاب کی تعظیم وتوقیر کرتے ہیں اور باوجود لڑائی جھگڑوں کے جو ان کے درمیان واقع ہوئی۔ ان میں سے کسی کو برائی سے یاد نہیں کرتے۔ اور پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی صحبت کی تعظیم اور اس عزت و تکریم کے باعث جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اصحاب کی کیا کرتے تھے۔ سب کو ہوا و تعصب سے دور جانتے ہیں اور اس کے علاوہ اہل حق کو حق پر اور اہل باطل کو باطل پر کہتے ہیں لیکن اس کے بطلان کو ہوا و ہوس سے دور سمجھتے ہیں اور رائے واجتہاد کے حوالہ کرتے ہیں۔

رافضی اس وقت اہل سنت سے خوش ہوں گے جب کہ اہل سنت بھی ان کی طرح دوسرے اصحاب سے کرام سے تبری کریں اور ان دین کے بزرگواروں کے حق میں بدظن ہو جائیں جس طرح خارجیوں کی خوشنودی اہل بیت کی عداوت اور آل نبی صلی اللہ علیہ وسلم

کے بغض پر وابستہ ہے۔ رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا بَعْدَ اِذْ هَدَيْتَنَا وَ هَبْ لَنَا مِنْ لَّدُنْکَ رَحْمَةً اِنَّکَ اَنْتَ الْوَهَّابُ (یا اللہ تو ہدایت دے کر پھر ہمارے دلوں کو ٹیڑھا نہ کر اور اپنی جناب سے ہم پر رحمت نازل فرما۔ تو بڑا ہی بخشنے والا ہے)

اہل سنت کے بزرگواروں کے نزدیک پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اصحاب ایک دوسرے کی لڑائی جھگڑوں کے وقت تین گروہ تھے۔ ایک گروہ نے دلیل واجتہاد کے ساتھ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی جانب حقیت کو معلوم کرلیا تھا اور دوسرے گروہ نے بھی دلیل اجتہاد کے ساتھ دوسری طرف حقیت کو دریافت کرلیا تھا اور تیسرا گروہ متوقف رہا اور کسی طرف کو دلیل کے ساتھ ترجیح نہ دی۔ پس پہلے گروہ نے اپنے اجتہاد کے موافق حضرت علی رضی اللہ عنہ کی مدد کی اور دوسرے گروہ نے اپنے اجتہاد کے جانب مخالف کی امداد کی۔ اور تیسرا گروہ توقف میں رہا۔ اس نے ایک کو دوسرے پر ترجیح دینا خطا سمجھا۔ پس تینوں گروہوں نے اپنے اپنے اجتہاد کے موافق عمل کیا اور جو کچھ ان پر واجب ولازم تھا بجالائے پھر ملامت کی کیا گنجائش ہے اور طعن کی کیا مناسبت ہے۔

امام شافعی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں اور عمر ابن عبدالعزیز رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بھی منقول ہے **تلک دماء طهر الله عنها ايدينا فلنطهر عنها السنتنا**۔ یہ وہ خون ہیں جن سے ہمارے ہاتھوں کو اللہ تعالیٰ نے پاک رکھا۔ ہمیں چاہیے کہ اپنی زبانوں کو ان سے پاک رکھیں۔ اس عبارت سے مفہوم ہوتا ہے کہ ایک کو حق پر اور دوسرے کو خطا پر بھی نہ کہنا چاہیے۔ اور سب کو نیکی سے یاد کرنا چاہیے۔

اسی طرح حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں آیا ہے۔ **اذا ذکر اصحابی فامسکوا** کہ جب میرے اصحاب کا ذکر ہو اور ان کی لڑائی جھگڑوں کا تذکرہ آجائے تو تم اپنے آپ کو سنبھال رکھو اور ایک کو دوسرے پر اختیار نہ کرو۔ لیکن جمہور اہل سنت اس دلیل سے جو ان پر ظاہر ہوئی ہوگی اس بات پر ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ حق پر تھے اور ان کے مخالف خطا پر لیکن یہ خطا خطاء اجتہادی کی طرح طعن و ملامت سے دور اور تشنیع وتحقیر سے مبرا و پاک ہے۔

حضرت علی رضی اللہ سے منقول ہے کہ انہوں نے فرمایا ہے کہ ہمارے بھائی ہمارے باغی

ہو گئے۔ یہ لوگ نہ کافر ہیں نہ فاسق۔ کیونکہ ان کے پاس تاویل ہے جو کفر و فسق سے روکتی ہے۔
اہل سنت و رافضی دونوں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ لڑائی کرنے والوں کو خطاء پر سمجھتے ہیں اور دونوں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی حقیت کے قائل ہیں لیکن اہل سنت حضرت علی رضی اللہ عنہ کے محاربین کے حق میں لفظ خطا سے جو تاویل سے پیدا ہے۔ زیادہ اور کچھ اطلاق پسند نہیں کرتے اور زبان کو ان کی طعن و تشنیع سے نگاہ رکھتے ہیں اور حضرت خیر البشر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے حق صحبت کی محافظت کرتے ہیں۔ آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے **اللّٰہ اللّٰہ فی اصحابی لا تتخذوھم غرضاً** یعنی میرے اصحاب کے حق میں اللہ تعالیٰ سے ڈرو۔ تاکید کے واسطے اس کلمہ کو دوبارہ فرمایا ہے اور میرے اصحاب کو اپنی ملامت کے تیر کا نشان نہ بناؤ۔

ہندوستان کے ہندو بھی اپنے آپ کو ہندو کہلواتے ہیں اور لفظ کفر کے اطلاق سے کنارہ کرتے ہیں۔ اور اپنے آپ کو کافر نہیں جانتے بلکہ دار حرب کے رہنے والوں کو کافر سمجھتے ہیں۔ اور یہ نہیں جانتے کہ دونوں کافر ہیں۔ اور کفر کی حقیقت سے مستحق ہیں۔ ان لوگوں نے شاید پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اہل بیت کو اپنی طرح تصور کیا ہے اور ان کو بھی حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ و حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا دشمن خیال کیا ہے۔ ان لوگوں نے تقیہ کے باعث جو خود کیا کرتے ہیں۔ اہل بیت کے بزرگواروں کو منافق اور مکار خیال کیا ہے اور حکم کیا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ تقیہ کے طور پر خلفاء ثلاثہ کے ساتھ تیس سال تک منافقانہ صحبت رکھتے رہے اور ناحق ان کی تعظیم و تکریم کرتے رہے۔

عجب معاملہ ہے اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اہل بیت کی محبت رسول اللہ کی محبت کی باعث ہے تو چاہیے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دشمنوں کو بھی دشمن جانیں اور اہل بیت کے دشمنوں کی نسبت ان کو زیادہ سب طعن کریں۔ ابو جہل جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا دشمن ہے جس نے طرح طرح کی اذیتیں اور تکلیفیں رسول اللہ کو پہنچائی ہیں۔ کبھی نہیں سنا کہ اس گروہ میں سے کسی نے اس کو سب و طعن کیا ہو۔ یا اس کو برا کہا ہو۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک سب مردوں سے پیارے ہیں۔ اپنے خیال فاسدین میں اہل بیت کا دشمن تصور کر کے ان کی سب و لعن میں زبان دراز

کرتے ہیں اور نامناسب امور کو ان کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ یہ کونسی دیانت اور دینداری ہے۔ خدائے تعالیٰ نہ کرے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ وعمر رضی اللہ عنہ اور تمام صحابہ کرام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اہل بیت سے دشمنی کریں۔ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی آل کے ساتھ بغض وعداوت رکھیں۔ کیا اچھا ہوتا اگر یہ لوگ اہل بیت کے دشمنوں کو سبّ کرتے اور اصحاب کرام کے نام مقرر نہ کرتے۔ اور بزرگان دین پر بدظن نہ ہوتے۔ تاکہ ان کی مخالفت جو اہل سنت کے ساتھ ہے دور ہوجاتی' کیونکہ اہل سنت بھی اہل بیت کے دشمنوں کو دشمن جانتے ہیں اور ان کی طعن وتشنیع کے قائل ہیں۔ یہ اہل سنت کی خوبی ہے کہ شخص معین کو جو طرح طرح کے کفر میں مبتلا ہو۔ اسلام وتوبہ کے احتمال پر جہنمی نہیں کہتے اور لعن کا اطلاق اس پر پسند نہیں کرتے۔ عام طور پر کافروں پر لعنت کرتے ہیں لیکن کافر معین پر بھی لعنت پسند نہیں کرتے۔ جب تک اس کے خاتمہ کی برائی قطعی دلیل سے معلوم نہ ہو۔ لیکن رافضی بے تحاشا حضرت ابوبکر وعمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو لعنت اور اکابر صحابہ کو سبّ ولعن کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کو سیدھے راستہ کی ہدایت دے۔

اس بحث میں دو مقام ہیں جن میں اہل سنت اور مخالفوں کے درمیان بڑا اختلاف ہے۔

مقام اول: یہ کہ اہل سنت خلفاء اربعہ کی خلافت کی حقیت کے قائل ہیں اور چاروں کو برحق خلیفے جانتے ہیں کیونکہ حدیث صحیح میں جن میں مغیبات یعنی امور غائبانہ کی نسبت خبر دی گئی ہے۔ آیا ہے کہ **الخلافة من بعدی ثلثون سنة** خلافت میرے بعد تیس برس تک ہے اور یہ مدت حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی خلافت پر تمام ہوجاتی ہے۔ پس اس حدیث کے مصداق چاروں خلیفے ہیں اور خلافت کی ترتیب برحق ہے اور مخالف لوگ خلفاء ثلاثہ کی خلافت کی حقیت کا انکار کرتے ہیں اور ان کی خلافت کو تعصب اور تغلب کی طرف منسوب کرتے ہیں اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے سوا امام برحق کسی کو نہیں جانتے اور اس بیعت کو جو حضرت علی رضی اللہ عنہ سے خلفاء ثلاثہ کے ہاتھ پر واقع ہوئی تھی۔ تقیہ پر حمل کرتے ہیں اور اصحاب کرام کے درمیان منافقانہ صحبت خیال کرتے ہیں اور مدارات میں ایک دوسرے کو مکار تصور کرتے ہیں۔ کیونکہ ان کے زعم میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے موافق لوگ ان کے

مخالفوں کے ساتھ تقیہ کے طور پر منافقانہ صحبت رکھتے تھے۔ اور جو کچھ ان کے دلوں میں ہوتا تھا اس کے برخلاف اپنی زبان پر ظاہر کرتے تھے اور مخالف بھی چونکہ ان کے زعم میں حضرت علی رضی اللہ عنہ اوران کے دوستوں کے دشمن تھے اس لئے ان کے ساتھ منافقانہ محبت کرتے تھے۔ اور دشمنی کو دوستی کے لباس میں ظاہر کرتے تھے پس ان کے خیال میں پیغمبر علیہ الصلوٰۃ و السلام کے تمام اصحاب منافق اور مکار تھے اور جو ان کے باطن میں ہوتا تھا اس کے برخلاف ظاہر کرتے تھے۔ پس چاہیئے کہ ان کے نزدیک اس اُمت میں سے بدترین اصحاب کرام ہوں اور تمام صحبتوں میں سے بدتر صحبت حضرت خیر البشر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی صحبت ہو۔ جہاں سے یہ اخلاق ذمیمہ پیدا ہوئے ہیں اور تمام قرنوں میں سے برا اصحاب کرام کا قرن ہو۔ جو نفاق وعداوت وبغض وکینہ سے پُر تھا حالانکہ حق تعالیٰ اپنی کلام مجید میں ان کو **رحماء بینھم** فرماتا ہے **اعاذنا اللہ سبحانہ عن معتقداتھم السوء** (اللہ تعالیٰ ہم کو ان کے برے عقائد سے بچائے) یہ لوگ جب اس امت کے سابقین کو اس قسم کے اخلاق ذمیمہ سے موصوف کرتے ہیں۔ تو لواحقین میں کیا خیریت پائیں گے۔ ان لوگوں نے شاید ان آیات قرآنی اور احادیث نبوی کو جو حضرت خیر البشر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی صحبت کی فضیلت اور اصحاب کرام کی افضیلت اور اس امت کی خیریت کے بارہ میں وارد ہوئی ہیں۔ نہیں دیکھا یا دیکھا ہے۔ مگر ان کے ساتھ ایمان نہیں رکھتے۔ قرآن واحادیث اصحاب کرام کی تبلیغ سے ہم تک پہنچا ہے۔ جب اصحاب مطعون ہوں گے تو وہ دین جو ان کے ذریعے ہم تک پہنچا ہے۔ نیز مطعون ہوگا۔ **نعوذ باللہ من ذلک۔**

ان لوگوں کا مقصود دین کا ابطال اور شریعت عزا کا انکار ہے۔ ظاہر میں اہل بیت رسول اللہ علیہ السلام کی محبت کا اظہار کرتے ہیں۔ مگر حقیقت میں رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کی شریعت کا انکار کرتے ہیں۔ کاش کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اوران کے دوستوں کو مسلم رکھتے اور تقیہ کے ساتھ جو اہل مکہ اور نفاق کی صفت ہے۔ متصف نہ کرتے۔ وہ لوگ جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے دوست ہوں یا دشمن۔ جب تیس سال تک ایک دوسرے کے ساتھ نفاق ومکروفریب کے ساتھ زندگانی بسر کرتے رہے ہوں تو ان مین کیا خیریت ہوگی۔

اوروہ کس طرح اعتماد کے لائق ہوں گے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کو جو طعن کرتے ہیں۔نہیں جانتے کہ اس کی طعن میں نصف احکام شرعیہ پر طعن آتا ہے۔ کیونکہ علماء مجتہدین نے فرمایا ہے کہ احکام کی تین ہزار حدیث وارد ہوئی ہیں۔یعنی تین ہزار احکام شرعیہ ان احادیث سے ثابت ہوئے ہیں جن میں سے ایک ہزار پانچ سو حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت سے ثابت ہوئی ہیں۔پس اس کا طعن نصف احکام شرعیہ کا طعن ہے۔اور امام بخاریؒ کہتا ہے کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے راوی آٹھ سو صحابہ کرام اور تابعین سے زیادہ ہیں۔جن میں سے ایک ابن عباس رضی اللہ عنہ ہے اور ابن عمر رضی اللہ عنہ بھی اسی سے روایت کرتا ہے اور جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ اور انس بن مالک رضی اللہ عنہ بھی اسی کے راویوں میں سے ہیں۔اور وہ حدیث جو حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے طعن میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے نقل کرتے ہیں۔وہ جھوٹی حدیث ہے جیسے کہ علماء نے اس کی تحقیق کی ہے اور وہ حدیث کہ جس میں آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے حق میں فہم کے لئے دعا کی ہے۔علماء میں مشہور ومعروف ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں حاضر ہوا تو آپ نے فرمایا کہ تم میں سے کوئی اپنی چادر بچھائے تاکہ میں اس میں اپنی کلام گراؤں اور پھر وہ اس کو اپنے بدن سے لگائے۔تو اس کو کوئی چیز نہ بھولے گی۔پس میں نے اپنی چادر کو بچھا دیا۔اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی کلام اس میں گرائی اور میں نے چادر کو اٹھا کر اپنے سینے سے لگایا۔اس کے بعد مجھے کچھ نہ بھولا۔

پس صرف اپنے ظن ہی سے دین کے ایک بزرگ شخص کو حضرت علی رضی اللہ عنہ کا دشمن جاننا اور اس کے حق میں سب وطعن ولعن جائز رکھنا انصاف سے دور ہے۔ یہ سب افراط محبت کی باتیں ہیں جن سے ایمان کے دور ہو جانے کا اندیشہ ہے۔

اگر بالفرض حضرت علی رضی اللہ عنہ کے حق میں تقیہ جائز بھی سمجھا جائے۔تو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ان اقوال میں کیا کہیں گے جو بطریق تواتر شیخین رضی اللہ عنہ کی افضیلت

میں منقول ہیں اور ایسے ہی حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ان کلمات قدسیہ میں کیا جواب دیں گے۔ جو ان کی خلافت و مملکت کے وقت خلفاء ثلاثہ کی خلافت کے حق ہونے میں صادر ہوئے ہیں کیونکہ تقیہ اسی قدر ہے کہ اپنی خلافت کی حقیت کو چھپالے۔ اور خلفاء ثلاثہ کی خلافت کا باطل ہونا ظاہر نہ کرے۔ لیکن خلفاء ثلاثہ کی خلافت کے حق ہونے کا اظہار کرنا اور شیخین رضی اللہ عنہ کی افضیلت کا بیان کرنا اس تقیہ کے سوا ایک علیحدہ امر ہے جو صدق و ثواب کے سوا کوئی تاویل نہیں رکھتا۔ اور تقیہ کے ساتھ اس کا دور کرنا ناممکن ہے۔

نیز وہ صحیح حدیثیں حد شہرت کو پہنچ چکی ہیں۔ بلکہ متواتر المعنیٰ ہوگئی ہیں۔ جو حضرات خلفاء ثلاثہ کی فضیلت میں وارد ہوئی ہیں اور ان میں اکثر کو جنت کی بشارت دی گئی ہے ان حدیثوں کا جواب کیا کہیں گے کیونکہ تقیہ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے حق میں جائز نہیں اس لئے تبلیغ پیغمبروں پر لازم ہے۔

نیز وہ آیات قرآنی جو اس بارہ میں نازل ہوئی ہیں ان میں بھی تقیہ متصور نہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کو انصاف دے۔ دانا لوگ جانتے ہیں کہ تقیہ جبانت یعنی بزدلی اور نامردی کی صفت ہے۔ اسد اللہ کے ساتھ اس کو نسبت دینا نامناسب ہے۔ بشریت کے رو سے ایک ساعت یا دو ساعت یا ایک دو دن کے لئے مگر تقیہ جائز سمجھا جائے تو ہوسکتا ہے۔ اسد اللہ میں تیس سال تک اس بزرگی کی صفت کا ثابت کرنا اور تقیہ پر مصر سمجھنا بہت برا ہے۔ اور جب صغیرہ پر اصرار کرنا کبیرہ ہے تو پھر بھلا دشمنوں اور منافقوں کی صفات میں سے کسی صفت پر اصرار کرنا کیسا ہوگا۔ کاش کہ یہ لوگ اس امر کی برائی سمجھتے۔ شیخین رضی اللہ عنہما کی تقدیم و تعظیم سے اس لئے بھاگے ہیں کہ اس میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی اہانت ہے اور تقیہ اختیار کرلیا ہے' اگر تقیہ کی برائی جو ارباب نفاق کی صفت ہے سمجھتے تو ہرگز تقیہ کو جائز قرار نہ دیتے اور دو بلاؤں میں سے آسان کو اختیار کرتے' بلکہ ہم کہتے ہیں کہ شیخین رضی اللہ عنہ کی تقدیم و تعظیم میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی کچھ اہانت نہیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت کی حقیت بھی بجائے خود ہے۔ اور ان کی ولایت کا درجہ اور ہدایت وارشاد کا رتبہ بھی اپنے حال پر ہے۔ اور تقیہ کے ثابت کرنے میں نقص و توہین لازم ہے۔ کیونکہ یہ صفت ارباب نفاق

کے خاصوں اور مکاروں اور فریبیوں کے لوازم سے ہے۔

مقام دوم: یہ کہ اہل سنت والجماعت شکر اللہ تعالیٰ سعیہم حضرت خیر البشر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اصحاب کی لڑائی جھگڑوں کو نیک وجہ پر محمول کرتے ہیں اور ہوا و تعصب سے دور جانتے ہیں۔ کیونکہ ان کے نفوس حضرت خیر البشر صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت میں پاک ہو چکے تھے اور ان کے روشن سینے عداوت و کینہ سے صاف ہو گئے تھے۔ حاصل کلام یہ کہ جب ہر ایک صاحب رائے اور صاحب اجتہاد تھا اور ہر مجتہد کو اپنی رائے کے موافق عمل کرنا واجب ہے اس لئے بعض امور میں راؤں کے اختلاف کے باعث ایک دوسرے کے ساتھ مخالفت و منازعت واقع ہوئی اور ہر ایک کے لئے اپنی رائے کی تقلید بہتر تھی۔ پس ان کی مخالفت موافقت کی طرح حق کے لئے تھی نہ کہ نفس امارہ کی ہوا و ہوس کے لئے۔

اہل سنت کے مخالف لوگ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ لڑنے والوں کو کافر کہتے ہیں اور طرح طرح کے طعن و تشنیع ان کے حق میں جائز سمجھتے ہیں۔ جب اصحاب کرام بعض امور اجتہادیہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مخالفت کرلیا کرتے تھے۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رائے کے برخلاف حکم کیا کرتے تھے۔ اور ان کا یہ اختلاف مذموم اور قابل ملامت نہ ہوتا تھا اور باوجود نزول وحی کے ممنوع نہ سمجھا جاتا تھا۔ تو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ بعض امور اجتہادیہ میں مخالفت کرنا کیوں کفر ہو۔ اور ان کے مخالف کیوں اسلام اور مطعون ہوں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ لڑائی کرنے والے مسلمان ایک جم غفیر ہیں۔ جو سب کے سب اصحاب کبار ہیں۔ جن میں سے بعض کو جنت کی بشارت دی گئی ہے ان کو کافر اور برا کہنا آسان نہیں۔ کبرت کلمة تخرج من افواههم۔ (چھوٹا منہ بڑی بات) قریباً نصف دین اور شریعت کو انہی نے تبلیغ کیا ہے۔ اگر ان پر طعن آئی تو نصف دین سے اعتماد دور ہو جاتا ہے۔ یہ بزرگوار کس طرح قابل طعن ہو سکتے ہیں۔ جب کہ ان میں سے کسی کی روایت کو کسی امیر اور وزیر نے رد نہیں کیا۔ صحیح بخاری جو کتاب اللہ کے بعد تمام کتابوں سے صحیح ہے اور شیعہ بھی اس کو مانتے ہیں۔

(فقیر نے احمد تبتی کی نسبت جو اکابر شیعہ میں سے تھا سنا ہے کہ وہ کہا کرتا تھا کہ کتاب بخاری کتاب اللہ کے بعد اصح کتاب ہے) اس میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے دوستوں کی

بھی روایتیں ہیں۔اور مخالفوں کی بھی۔اور موافقت و مخالفت کے باعث کسی کو راجح و مرجوح نہیں جانا' جس طرح حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کرتا ہے۔اسی طرح حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے بھی۔اگر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور اس کی روایت میں کسی قسم کا طعن ہوتا تو ہرگز اس کی روایت اپنی کتاب میں درج نہ کرتا۔اسی طرح سلف میں جو حدیث کے نقاد اور صراف گذرے ہیں۔کسی نے اس وجہ سے حدیث کی روایت میں فرق نہیں کیا۔ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی مخالفت کو طعن کا باعث نہیں بنایا۔

جاننا چاہیے کہ یہ بات ضروری نہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ تمام امور خلافیہ میں حق پر ہوں اور ان کے مخالف خطا پر۔اگرچہ محاربہ میں حق بجانب امیر تھا۔کیونکہ اکثر ایسا ہوا ہے کہ صدر اول کے احکام خلافیہ میں علماء و تابعین اور ائمہ مجتہدین نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے غیر کا مذہب اختیار کیا ہے اور ان کے مذہب پر حکم نہیں کیا۔اگر حضرت علی رضی اللہ عنہ کی جانب ہی حق مقرر ہوتا تو ان کے برخلاف حکم نہ کرتے۔

قاضی شریح نے جو تابعین میں سے ہے اور صاحب اجتہاد ہوا ہے۔حضرت علی رضی اللہ عنہ کے مذہب پر حکم نہیں کیا اور حضرت امام حسن علیہ الرضوان کی شہادت کو نسبت نبوت یعنی فرزندی نسبت کے باعث منظور نہیں کیا۔اور مجتہدین نے قاضی شریح کے قول پر عمل کیا ہے اور باپ کے واسطے بیٹے کی شہادت جائز نہیں سمجھتے۔اس قسم کے اور بھی بہت سے مسائل ہیں جن میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے برخلاف اقوال جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کی رائے کے مخالف ہیں۔ اختیار کئے گئے ہیں جو منصف تابعدار پر مخفی نہیں ہیں۔ان کی تفصیل دراز ہے پس حضرت علی رضی اللہ عنہ کی مخالفت پر اعتراض کی کوئی گنجائش نہیں۔اور ان کے مخالف لعن و ملامت کے لائق نہیں ہیں۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا جو حبیب رب العلمین کی محبوبہ تھیں اور لب گور تک حضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام کی مقبولہ و منظورہ رہیں۔اور مرض موت کے ایام بھی انہی کے حجرے میں بسر کئے۔اور انہی کی گود میں جان دی۔اور انہی کے پاک حجرے میں مدفون ہوئے۔اس شرف و فضیلت کے علاوہ حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا مجتہدہ بھی تھیں۔پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے آدھا دین ان کے حوالہ کیا تھا اور اصحاب کرام مشکلات میں ان کی طرف رجوع کیا کرتے تھے اور ان سے مشکلات کا حل طلب کیا کرتے تھے۔اس قسم کی صدیقہ مجتہدہ

رضی اللہ عنہا کو حضرت علی رضی اللہ عنہ کی مخالفت کے باعث طعن اور ناشائستہ حرکات کو ان کی طرف منسوب کرنا بہت نامناسب اور پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام پر ایمان لانے سے دور ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ اگر پیغمبر علیہ السلام کے داماد اور چچا کے بیٹے ہیں ۔تو حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا حضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زوجہ مطہرہ اور محبوبہ مقبولہ ہیں۔

پس وہ آزار وایذا جو حضرت پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کو حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا کے سبب سے پہنچتی ہے وہ اس آزار وایذا سے زیادہ ہے۔ جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف سے پہنچتی ہے۔ منصف عقلمندوں پر یہ بات پوشیدہ نہیں ہے لیکن یہ بات اس صورت میں ہے جب کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی محبت اور تعظیم پیغمبر علیہ السلام کی محبت و تعظیم اور قرابت کے باعث ہو۔ اگر کوئی حضرت علی رضی اللہ عنہ کی محبت کو مستقل طور پر اختیار کرے اور حضرت پیغمبر علیہ السلام کی محبت کو اس میں دخل نہ دے تو ایسا شخص محبت سے خارج ہے۔ اور گفتگو کے لائق نہیں۔ اس کی غرض دین کا باطل کرنا اور شریعت کا گرانا ہے۔ ایسا شخص چاہتا ہے کہ حضرت پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے واسطہ کے بغیر کوئی اور راستہ اختیار کرے۔ اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو چھوڑ کر حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف آجائے۔ یہ سراسر کفر اور زندقہ ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ اس سے بیزار اور اس کے کردار سے آزار میں ہیں۔ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اصحاب اور اصہار (سسر) اور ختنین (دامادوں) کی دوستی بعینہ حضرت پیغمبر علیہ السلام کی دوستی ہے اور ان کی عزت وتکریم پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم وتکریم کے باعث ہے۔ رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے **فمن احبھم فبحبی احبھم** (جس نے ان کو دوست رکھا اس نے میری محبت کے باعث ان کو دوست رکھا) ایسے ہی جو شخص ان کا دشمن ہے وہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی دشمنی کے باعث ان کو دشمن جانتا ہے۔ جیسے کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے **فمن ابغضھم فببغضی ابغضھم** (جس نے ان سے بغض رکھا اس نے میرے بغض کے باعث ان سے بغض رکھا) یعنی وہ محبت جو میرے اصحاب سے متعلق ہے۔ وہ وہی محبت ہے جو مجھ سے تعلق رکھتی ہے۔ اسی طرح ان کا بغض بھی بعینہ میرا بغض ہے۔

طلحہ وزبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما اصحاب کبار (اور عشرہ مبشرہ میں سے ہے۔ ان پر طعن وتشنیع کرنا نامناسب ہے۔ اور ان کی لعن وطردلعنت کرنے والے پر لوٹ آتی ہے۔ طلحہ وزبیر رضی اللہ

عنہماوہ صحابہ ہیں کہ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے بعد خلافت کو چھ شخصوں کے مشورہ پر چھوڑا اوران میں حضرت طلحہ وزبیر رضی اللہ عنہما کو داخل کیا۔ اور ایک دوسرے پر ترجیح دینے کے لئے کوئی دلیل واضح نہ پائی۔ تو طلحہؓ وزبیرؓ نے اپنے اختیار سے خلافت کا حصہ چھوڑ دیا اور ہر ایک نے تو ترکت حظی (میں نے اپنا حصہ ترک کیا) کہہ دیا۔ اور یہ وہی طلحہؓ ہے جس نے اپنے باپ کو اس بے ادبی کے باعث جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت اس سے صادر ہوئی تھی قتل کرکے اس کے سر کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لے آیا تھا۔ قرآن مجید میں اس فعل پر اس کی تعریف وثناء بیان کی گئی ہے اور یہ وہی زبیرؓ ہے۔ جس کے قاتل کے لئے مخبر صادق علیہ وعلیٰ وآلہ والصلوۃ والسلام نے دوزخ کی وعید فرمائی ہے۔ اور یوں فرمایا ہے قاتل زبیر فی النار کہ زبیر کا قاتل دوزخ میں ہے۔ حضرت زبیرؓ پر لعن وطعن کرنے والے قاتل سے کم نہیں ہیں۔ پس اکابر دین اور بزرگواران اسلام کی طعن و مذمت سے ڈرنا چاہیے۔ یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے اسلام کے بول بالا کرنے اور حضرت سید الانام علیہ الصلوٰۃ والسلام کی امداد میں سر توڑ کوششیں کی ہیں اور رات دن ظاہر و باطن میں دین کی تائید میں مال و جان کی پروانہیں کی۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت میں اپنے خویش واقارب اور مال واولاد۔ گھربار۔ وطن۔ کھیتی باڑی۔ باغ ودرخت۔ ونہروں کو چھوڑ دیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جان کو اپنی جانوں پر اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کو اپنے اموال واولاد اور اپنی جانوں کی محبت پر اختیار کیا۔

یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے شرف صحبت حاصل کیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت میں برکات نبوت سے مالا مال ہوئے۔ وحی کا مشاہدہ کیا۔ اور فرشتہ کے حضور سے مشرف ہوئے۔ اور خوارق ومعجزات کو دیکھا۔ حتیٰ کہ ان کا غیب شہادت اور ان کا علم عین ہوگیا اور ان کو اس قسم کا یقین نصیب ہوا جو آج تک کسی کے نصیب نہیں ہوا حتیٰ کہ دوسروں کا اُحد جتنا سونا اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرنا ان کے ایک آدھ مد جو خرچ کرنے کے برابر نہیں ہوتا۔ یہ وہ لوگ جن کی اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں بایں الفاظ تعریف کرتا ہے۔ رضی اللّٰہ عنھم و رضوانہ (یہ لوگ اللہ تعالیٰ سے راضی ہیں اور اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہے۔)

(توریت اور انجیل میں ان کی مثال اس بیج کی طرح دی ہے جس کی بے شمار شاخیں نکل کر مضبوط ہو جائیں اور اس کے تنے خوب موٹے ٹکڑے مضبوط ہو جائیں۔ جن کو دیکھ کر

زراعت کرنے والے خوش ہوں اور کفار غیظ وغضب میں آئیں) ان پر غصہ اور غضب کرنے والوں کو کفار فرمایا ہے۔ پس جس طرح کفر سے ڈرتے ہیں اس طرح ان کے غیظ و غضب سے بھی ڈرنا چاہیے۔ واللہ سبحانہ الموفق۔

وہ لوگ جنہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس قسم کی نسبت درست کی ہو۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے منظور اور مقبول ہوں۔ تو اگر بعض امور میں ایک دوسرے کے ساتھ مخالفت اور لڑائی جھگڑا کریں اور اپنی اپنی رائے واجتہاد کے موافق عمل کریں۔ تو طعن واعتراض کی مجال نہیں۔ بلکہ اس وقت اختلاف اور اپنی رائے کے سوا غیر کی تقلید نہ کرنا ہی حق وصواب ہے۔

امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے لئے درجہ اجتہاد تک پہنچنے کے بعد امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کی تقلید خطا ہے۔ اس کے لئے بہتری اپنی رائے کی تقلید میں ہے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کسی صحابی کے قول کو خواہ صدیقہ رضی اللہ عنہا خواہ امیر رضی اللہ عنہ اپنی رائے پر مقدم نہیں کرتا اور اپنی رائے کے موافق اگر چہ قول صحابی کے مخالف ہو۔ عمل کرنا بہتر جانتا ہے۔ جب امت کے مجتہد اصحاب کے آراء کی مخالفت کر سکتے ہیں تو اگر اصحاب ایک دوسرے کی مخالفت کریں تو کیوں مطعون ہوں۔ حالانکہ اصحاب کرام رضی اللہ عنہ نے امور اجتہادیہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ خلاف کیا ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رائے کے برخلاف حکم کیا ہے۔ اور باوجود نزول وحی کے ان کے خلاف پر مذمت نہیں آئی۔ اور ان کے اختلاف پر منع وارد نہیں ہوا۔ جیسے کہ گزر چکا۔ اگر یہ اختلاف حق تعالیٰ کے نزدیک ناپسند اور نامقبول ہوتا۔ تو البتہ منع ہوتا اور اختلاف کرنے والوں پر وعید نازل ہوتی۔ کیا نہیں جانتے کہ وہ لوگ جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ گفتگو کرنے میں بلند آواز کیا کرتے تھے۔ ان کے اس بلند آوازے کو کس طرح منع کیا گیا اور اس پر کیسی وعید مترتب ہوئی۔ اللہ تعالیٰ فرمایا ہے۔:

(اے ایمان والو! اپنی آوازوں کو نبی کی آواز پر بلند نہ کرو۔ اور اس کو بلند آواز سے اس طرح نہ پکارو، جس طرح تم ایک دوسرے کو پکارتے ہو۔ ورنہ تمہارے اعمال نیست و نابود ہو جائیں گے اور تم کو معلوم نہ ہوگا۔)

بدر کے قیدیوں کے بارے میں اختلاف عظیم پڑ گیا تھا۔ حضرت فاروق رضی اللہ عنہ اور سعد ابن معاذ رضی اللہ عنہ نے ان قیدیوں کو قتل کرنے کا حکم کیا تھا اور دوسروں نے ان کو چھوڑ دینے اور

فدیہ لینے کا حکم دیا تھا۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک بھی یہی رائے مقبول تھی کہ ان کو چھوڑ دیا جائے اور فدیہ لے لیا جائے۔ اس قسم کے اختلاف کے مقام اور بھی بہت سے ہیں اور وہ اختلاف بھی اس قسم کا تھا۔ جو کاغذ کے لانے میں کیا گیا تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مرض موت میں کاغذ طلب فرمایا تھا تاکہ ان کے لئے کچھ لکھیں۔ بعض نے کہا کہ کاغذ لانا چاہیے اور بعض نے کاغذ لانے سے منع کیا۔ حضرت فاروق رضی اللہ عنہ نے بھی انہی لوگوں میں سے تھے جو کاغذ کے لانے میں راضی نہ تھے۔ حضرت فاروق رضی اللہ عنہ فرمایا حسبنا کتاب اللّٰہ ہمارے لئے اللہ کی کتاب کافی ہے۔ اس سبب سے طعن لگانے والوں نے حضرت فاروق رضی اللہ عنہ پر عیب لگایا ہے اور طعن و تشنیع کی زبان دراز کی ہے۔ حالانکہ درحقیقت کوئی محل طعن نہیں کیونکہ حضرت فاروق رضی اللہ عنہ نے معلوم کر لیا تھا کہ وحی کا زمانہ ختم ہو گیا ہے اور آسمانی احکام تمام ہو چکے ہیں اور احکام کے ثبوت میں رائے واجتہاد کے سوا کسی امر کی گنجائش نہیں رہی۔ اب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جو کچھ لکھیں گے۔ امور اجتہادیہ میں سے ہوگا۔ جس میں دوسرے بھی شریک ہیں بحکم فاعتبروا یا اولی الابصار داناؤں کو عبرت حاصل کرنی چاہیے۔

پس بہتری اسی بات میں دیکھی کہ اس قسم کی سخت درد میں حضور صلی اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو تکلیف نہ دینی چاہیے اور دوسروں کی رائے و اجتہاد پر کفایت کرنی چاہیے۔ حسبنا کتاب اللّٰہ یعنی قرآن مجید جو قیاس واجتہاد کا ماخذ ہے۔ احکام کے نکالنے والوں کے لئے کافی ہے۔ احکام وہاں سے نکال لیں گے۔ کتاب اللہ کے ذکر کی خصوصیت اسی واسطے ہو سکتی ہے۔ جب کہ قرائن سے معلوم کیا ہو کہ یہ احکام جن کے لکھنے کے در پے ہیں۔ ان کا ماخذ کتاب میں ہے نہ سنت میں۔ تا کہ سنت کا ذکر کیا جاتا۔

پس حضرت فاروق رضی اللہ عنہ کا منع کرنا شفقت و مہربانی کے باعث تھا۔ تاکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم شدت درد میں کسی امر کی تکلیف نہ اٹھائیں۔ جس طرح کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا کاغذ لانے کے لئے فرمانا بھی استحسان کے لئے تھا نہ کہ وجوب کے لئے۔ تاکہ دوسرے لوگ استنباط کے رنج سے آسودہ ہو جائیں۔ اور اگر امر ایتو نی وجوب کے لئے ہوتا۔ تو اس کی تبلیغ میں مبالغہ فرمانے اور صرف اختلافات ہی سے اس سے روگردانی نہ کرتے۔

حاصل کلام یہ کہ قرن اول کے اصحاب تکلفات سے بری اور عبادتوں کی آرائش سے

مستغنی تھے۔ ان کی کوشش ہمہ تن باطن کے درست کرنے میں ہوتی تھی اور ظاہر کی طرف سے نظر ہٹا رکھی تھی۔ اس زمانہ میں حقیقت و معنے کے طور پر آداب بجالاتے تھے۔ نہ فقط صورت و لفظ کے اعتبار پر۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے امر کا بجالانا ان کا کام اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت سے بچنا ان کا معاملہ تھا۔ ان لوگوں نے اپنے ماں باپ اور اولاد و ازدواج کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر فدا کر دیا تھا اور کمال اعتقاد و اخلاص کے باعث آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی لعاب مبارک کو زمین پر نہ گرنے دیتے تھے بلکہ آب حیات کی طرح اس کو پی جاتے تھے اور فصد کے بعد حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے خون مبارک کو کمال اخلاص سے پی جانے کا ارادہ کرنا مشہور و معروف ہے۔ اگر اس قسم کی عبارت جو اس زمانہ کے لوگوں کے نزدیک کہ کذب و مکر سے پُر ہے۔ بے ادبی کا موجب ہو۔ ان بزرگواروں سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت صادر ہوئی ہو۔ تو اس پر نیک ظن کرنا چاہیے۔ اور عبارت کے مطلب کو دیکھنا چاہیے اور الفاظ خواہ کسی قسم کے ہوں ان سے قطع نظر کرنی چاہیے۔ سلامتی کا طریق یہی ہے۔

ہم اس مکتوب کو ایک عمدہ خاتمہ پر ختم کرتے ہیں جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اہل بیت کے فضائل درج ہیں۔ ابن عبداللہ المعروف با بن عبیداللہ رضی اللہ عنہ نے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے۔ (جس نے علی رضی اللہ عنہ کو دوست رکھا اس نے مجھے دوست رکھا اور جس نے اس سے بغض رکھا اس نے مجھ سے بغض رکھا اور جس نے علی رضی اللہ عنہ کو ایذا دی اس نے مجھے ایذا دی اور جس نے مجھے ایذا دی اس نے اللہ تعالیٰ کو ایذا دی)

بریدہ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: اللہ تعالیٰ نے مجھے چار آدمیوں کے ساتھ محبت کرنے کا امر کیا ہے اور یہ بھی بتلایا کہ اللہ تعالیٰ آپ بھی ان سے محبت رکھتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ ان کے نام کیا ہیں تو آپ نے فرمایا کہ ایک ان میں سے علی رضی اللہ عنہ ہے۔ اس بات کو تین بار کہا۔ دوسرے ابوذر۔ تیسرے مقداد اور چوتھے سلمان ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے علی رضی اللہ عنہ کی طرف نظر کرنا عبادت ہے۔

براء سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ امام حسن رضی اللہ عنہ آپ کے کندھوں پر ہیں اور آپ فرما رہے ہیں یا اللہ میں اس کو دوست رکھتا ہوں تو بھی اس کو دوست رکھ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا ہے کہ میں نے سنا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

منبر پر تھے اور حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ آپ کے پہلو میں تھے اور کبھی آپ لوگوں کی طرف دیکھتے اور کبھی اس کی طرف اور فرماتے (یہ میرا بیٹا سردار ہے اور امید ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے سبب مسلمانوں کے دونوں گروہوں کے درمیان صلح کردے گا) اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ امام حسن وحسین رضی اللہ عنہما آپ کی ران پر ہیں اور فرمارہے ہیں یہ دونوں میرے بیٹے اور میری بیٹی کے بیٹے ہیں یااللہ میں ان کو دوست رکھتا ہوں، تو ان کو دوست رکھ اور جو لوگ ان سے محبت رکھیں ان کو بھی دوست رکھ۔

انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ اہل بیت میں سے کون کون آپ کو زیادہ عزیز ہیں تو آپ نے فرمایا کہ الحسن والحسین رضی اللہ تعالیٰ عنہما۔

اور مسور بن مخرمہ نے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ فاطمہ میرا جگر گوشہ ہے جس نے اس سے بغض رکھا اس نے مجھ سے بغض رکھا اور ایک روایت میں ہے کہ جو چیز اس کو متردد کرے وہ مجھے بھی متردد کرتی ہے اور جس چیز سے اس کو ایذا پہنچے مجھے بھی پہنچتی ہے) اور حاکم نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو فرمایا فاطمہ مجھے تجھ سے زیادہ پیاری ہے اور تو میرے نزدیک اس سے زیادہ عزیز ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا ہے کہ لوگ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے دن اپنے تحائف وہدایا لے آتے تھے اور اس سبب سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رضامندی طلب کرتے تھے۔ اور حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ازدواج دو گروہ تھیں۔ ایک وہ گروہ تھا جس میں حضرت عائشہ وحفصہ وسودہ وصفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہن تھیں اور دوسرے گروہ میں حضرت ام سلمہ اور باقی ازواج مطہرات رضی اللہ تعالیٰ عنہن۔ تو ام سلمہ والے گروہ نے ام سلمہ کو کہا کہ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کہہ دے کہ وہ لوگوں کو کہہ دیں۔ کہ جہاں میں ہوا کروں وہیں تحائف لایا کریں۔ پس ام سلمہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ بات کہہ دی تو رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا اے ام سلمہ اس بارے میں مجھے ایذا نہ دے۔ کیونکہ عائشہ کے کپڑے کے سوا اور کسی عورت کے کپڑے میں میرے پاس وحی نہیں آئی۔

ام سلمہ نے اس بات کو سن کر عرض کیا کہ یارسول اللہ میں اس بات سے توبہ کرتی ہوں

پھرام سلم کے گروہ نے حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو بلایا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بھیجا تا کہ وہ یہی بات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کہیں۔ جب حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے میری بیٹی۔ کیا تو اس چیز کو دوست نہیں رکھتی جس کو میں دوست رکھتا ہوں۔ عرض کیا کہ کیوں نہیں۔ پھر فرمایا کہ اس کو یعنی عائشہ رضی اللہ عنہا کو دوست رکھ۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ فرمایا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عورتوں میں سے کسی پر اتنی غیرت نہیں کی جتنی کہ خدیجہ رضی اللہ عنہا پر کی۔ حالانکہ میں نے اس کو دیکھا نہیں۔ لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کا اکثر ذکر کیا کرتے تھے اور بسا اوقات بکری ذبح کر کے اس کے ٹکڑے ٹکڑے کر کے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی سہیلیوں کو بھیج دیا کرتے تھے اور جب کبھی میں کہتی کہ کیا خدیجہ جیسی عورت دنیا میں نہیں ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے کہ وہ تھی جیسی کہ تھی اور اسی سے میری اولاد تھی۔

اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (عباس میرا ہے اور میں عباس کا ہوں) اور دیلمی نے ابوسعید سے روایت کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اس شخص پر سخت غضب فرماتا ہے جس نے مجھے میری اولاد کے حق میں ایذا دی اور حاکم نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم میں سے اچھا وہ شخص ہے جو میرے بعد میری اہل بیت کے ساتھ بھلائی کرے اور ابن عساکر نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے میری اہل بیت کے ساتھ احسان کیا۔ میں اس کو قیامت کے دن اس کا بدلہ دوں گا اور ابن عدی اور دیلمی نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم میں سے صراط پر وہ شخص زیادہ ثابت قدم ہوگا جس کی میری اہل بیت اور صحاب کے ساتھ زیادہ محبت ہوگی۔

خدایا بحق بنی فاطمہ — کہ برقول ایماں کنی خاتمہ
اگر دعوتم رد کنی در قبول — من و دست و دامان آل رسول

خدایا بحق بنی فاطمہ کہ ایمان پر ہو میرا خاتمہ
دعا کہ میری رد کر یا قبول مجھے بس ہے دامان آل رسول

(انتخاب از مکتوبات امام ربانی جلد دوم مکتوب نمبر ۳۶)

دوسرا مکتوب گرامی

تحریر فرماتے ہیں: یقینی طور پر تصور فرمائیں کہ بدعتی کی صحبت کا فساد کافر کی صحبت کے فساد سے زیادہ تر ہے۔ تمام بدعتی فرقوں میں بدتر اس گروہ کے لوگ ہیں جو پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اصحاب کے ساتھ بغض رکھتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنے کلام میں ان کا نام کفار رکھتا ہے۔ لیغیظ بھم الکفار قرآن اور شریعت کی تبلیغ اصحاب رضی اللہ عنہم ہی نے کی ہے اور اگر ان میں طعن لگائیں تو قرآن اور شریعت پر طعن آتا ہے۔ قرآن کو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے جمع کیا ہے اگر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ مطعون ہیں تو قرآن مجید بھی مطعون ہے۔ حق تعالیٰ ان زندیقوں کے ایسے برے اعتقاد سے بچائے۔ مخالفت اور جھگڑے جو اصحاب کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے درمیان واقع ہوئے ہیں۔ نفسانی خواہشوں پر محمول نہیں ہیں۔ کیونکہ خیر البشر صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت میں ان کے نفسوں کا تذکیہ ہو چکا تھا اور امارہ پن سے آزاد ہو گیا تھا۔ اس قدر جانتا ہوں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اس بارہ میں حق پر تھے اور ان کے مخالف خطا پر لیکن یہ خطا اجتہادی ہے۔ جو فسق کی حد تک نہیں پہنچاتی بلکہ اس قسم کی خطا میں ملامت کی بھی مجال نہیں۔ کیونکہ ایسی خطا کرنے والے کو بھی ایک درجہ ثواب کا حاصل ہے اور کمبخت یزید اصحاب سے نہیں ہے۔ اس کی بدبختی میں کس کو کلام ہے۔ جو کام اس بدبخت نے کیا ہے کوئی کافر فرنگ بھی نہیں کرتا۔ اہل سنت و جماعت سے میں بعض علماء نے اس کے لعنت کرنے میں جو توقف کیا ہے تو اس لحاظ سے نہیں کیا ہے کہ وہ اس سے راضی ہیں بلکہ اس کی رجوع اور توبہ کے احتمال پر کیا ہے۔

(انتخاب از مکتوبات امام ربانی جلد اوّل مکتوب نمبر ۵۴)

حضرت مولانا محمد منظور نعمانی رحمہ اللہ

فضائل اہل بیت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم

(ازواج مطہرات اور ذریت طیبہ رضی اللہ عنہن)

یہ ایک حقیقت ہے جس میں کسی شک شبہ کی گنجائش نہیں کہ "اہل البیت" کا لفظ قرآن مجید میں ازواج مطہرات ہی کے لئے استعمال ہوا ہے، سورۃ الاحزاب کے چوتھے رکوع میں ازواج مطہرات کو کچھ خاص ہدایات دینے کے بعد فرمایا گیا ہے۔ "اِنَّمَا یُرِیْدُ اللّٰہُ لِیُذْھِبَ عَنْکُم الرِّجْسَ اَھْلَ الْبَیْتِ وَیُطَھِّرَکُم تَطْھِیْراً"...... جس کا مطلب یہ ہے کہ "اے ہمارے پیغمبر کی بیویو! تم کو جو یہ خاص ہدایتیں دی گئیں ہیں ان سے اللہ کا مقصد تم کو زحمت و مشقت میں مبتلا کرنا نہیں ہے، بلکہ اللہ تعالیٰ کا ارادہ ان ہدایات سے یہ ہے کہ تم کو ہر قسم کی ظاہری و باطنی برائی اور گندگی سے مطہر اور پاک صاف کر دیا جائے...... "جو شخص عربی زبان کی کچھ بھی واقفیت رکھتا ہے اس کو سورۂ احزاب کے اس پورے رکوع کے پڑھنے کے بعد اس میں کوئی شک شبہ نہیں ہوگا کہ یہاں "اہل بیت" کا لفظ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات ہی کے لئے استعمال ہوا ہے...... لیکن یہ کیسی عجیب بات ہے کہ قرآن پر ایمان رکھنے والے ہم مسلمانوں کا حال آج یہ ہے کہ "اہل البیت" کا لفظ سن کر ہمارا ذہن ازواج مطہرات کی طرف بالکل نہیں جاتا بلکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا اور ان کے شوہر حضرت علی مرتضٰی رضی اللہ عنہ اور ان دونوں کی ذریت (رضی اللہ عنہم) ہی کی طرف جاتا ہے۔

"اہل البیت" کا لفظ قرآن مجید میں سورۂ احزاب کے علاوہ صرف ایک جگہ اور سورۂ ہود کے چھٹے رکوع میں بھی آیا ہے، جہاں یہ واقعہ بیان ہوا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام جب بڑھاپے کی اس عمر کو پہنچ گئے تھے جس میں عام قانون فطرت کے مطابق اولاد کی امید نہیں کی جا سکتی اور لاولد تھے، تب اللہ تعالیٰ کے بھیجے ہوئے فرشتوں کی ایک جماعت نے آکر انہیں اور ان کی زوجہ محترمہ حضرت سارہ کو ایک بیٹے کے تولد کی بشارت دی، حضرت سارہ نے ازراہ تعجب کہا: "ءَاَلِدُ وَاَنَا عَجُوزٌ وَّ ھٰذَا بَعْلِی شَیْخًا" (میں خود بڑھیا اور میرے یہ میاں بھی

بوڑھے، تو اب کیا میں بچہ جنوں گی؟)......اس کے جواب میں فرشتوں نے کہا۔

اَتَعْجَبِیْنَ مِنْ اَمْرِ اللّٰہِ رَحْمَۃُ اللّٰہِ وَبَرَکَاتُہٗ عَلَیْکُمْ اَھْلَ الْبَیْتِ اِنَّہٗ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ

(محترمہ! کیا آپ اللہ کے تکوینی حکم کے بارے میں تعجب کرتی ہیں، آپ ''اہل البیت'' پر تو اللہ تعالیٰ کی خاص رحمتیں اور برکتیں ہیں)......ظاہر ہے کہ اس آیت میں بھی ''اہل البیت'' سے مراد ابراہیم علیہ السلام کی زوجہ محترمہ حضرت سارہ ہی کو مخاطب کیا گیا ہے۔

عربی زبان ومحاورات سے واقفیت رکھنے والا ہر شخص جانتا ہے کہ کسی شخص کے ''اہل البیت'' کا اولین مصداق اس کی بیوی ہی ہوتی ہے، اسی طرح فارسی میں ''اہل خانہ'' اور اردو میں ''گھر والے'' یا ''گھر والی'' بیوی ہی کو کہا جاتا ہے، ماں، بہن، بیٹی اور داماد اور ان کی اولاد کے لئے ''اہل البیت'' اور ''اہل خانہ'' اور ''گھر والوں'' کا لفظ استعمال نہیں ہوتا، الغرض اس میں شک شبہ کی گنجائش نہیں ہے کہ ''اہل البیت'' کا لفظ قرآن مجید میں ازواج مطہرات ہی کے لئے استعمال ہوا ہے اور وہی اس کی اولین مصداق ہے۔ البتہ یہ بات حدیث شریف سے ثابت ہے کہ جب سورۂ احزاب کی مندرجہ بالا آیت:

''اِنَّمَا یُرِیْدُ اللّٰہُ لِیُذْھِبَ عَنْکُمُ الرِّجْسَ اَھْلَ الْبَیْتِ وَیُطَھِّرَکُمْ تَطْھِیْراً''

نازل ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی صاحبزادی حضرت فاطمہ زہرا اور ان کے دونوں صاحبزادوں حضرت حسن اور حضرت حسین اور ان کے ساتھ ان کے شوہر اور اپنے چچازاد بھائی حضرت علی مرتضیٰ (رضی اللہ عنہم اجمعین) کو ایک کملی میں اپنے ساتھ لے کر دعاء فرمائی:

''اَللّٰھُمَّ ھٰؤُلَاءِ اَھْلُ بَیْتِیْ فَاَذْھِبْ عَنْھُمُ الرِّجْسَ وَطَھِّرْھُمْ تَطْھِیْراً''

(اے اللہ! یہ بھی میرے اہل بیت ہیں ان سے بھی ہر طرح کی برائی اور گندگی کو دور فرمادے اور ان کو مکمل طور پر مطہر و پاک صاف فرمادے)

بلاشبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ دعا قبول ہوئی اور سورۂ احزاب والی آیت میں ازواج مطہرات کا ''اہل البیت'' کے لفظ سے ذکر فرما کر ان پر اللہ تعالیٰ کے جس خاص انعام کا ذکر فرمایا گیا تھا، اس میں اور لفظ ''اہل البیت'' کے اطلاق میں یہ حضرات بھی شامل ہوگئے، اس بنیاد پر یہ حضرات بھی لفظ ''اہل البیت'' کا صحیح مصداق ہیں، لیکن جیسا کہ

تفصیل سے عرض کیا جا چکا، قرآن مجید میں یہ لفظ ازواج مطہرات ہی کے لئے استعمال ہوا ہے، اور وہی اس کی اولین مصداق ہیں۔

الغرض یہ بات کہ ازواج مطہرات آپ کے اہل بیت میں سے نہیں ہیں بلکہ اس لفظ کا مصداق صرف آپ کی ایک بیٹی، ایک داماد اور دونواسے ہیں، نہ تو زبان کے لحاظ سے درست ہے نہ قرآن وحدیث سے ثابت...... بلکہ ایک خاص فرقہ کے فنکاروں کی سازش کے نتیجہ میں اس غلطی نے امت میں عرف عام کی حیثیت اختیار کر لی اور ہماری سادہ دلی کی وجہ سے اس طرح کی بہت سی دوسری غلط باتوں کی طرح اس کو بھی قبول عام حاصل ہو گیا اور جیسا کہ عرض کیا گیا حالت یہ ہوگئی کہ ''اہل بیت'' کا لفظ سن کر ہمارے اچھے پڑھے لکھوں کا ذہن بھی ازواج مطہرات کی طرف نہیں جاتا جو قرآن مجید کی رو سے اس لفظ کی اولین مصداق ہیں۔

وَاللّٰہُ الْمُوَفِّقُ وَھُوَ الْمُسْتَعَانِ۔

اَزواجِ مُطہّرات
رضی اللہ تعالیٰ عنہن اجمعین

جیسا کہ حدیث وسیرت کی مستند روایات سے معلوم ہوتا ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات جو منکوحہ بیوی کی حیثیت سے آپؑ کے ساتھ تھوڑی یا زیادہ مدت رہیں وہ کل گیارہ (۱۱) ہیں، ان کے اسماء گرامی یہ ہیں۔

۱۔ حضرت خدیجہ بنت خولید۔ ۲۔ حضرت سودہ بنت زمعہ۔
۳۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ۔ ۴۔ حضرت حفصہ بنت عمر بن الخطاب
۵۔ حضرت زینب بنت خزیمہ۔ ۶۔ حضرت ام سلمہ۔
۷۔ حضرت زینت بنت جحش۔ ۸۔ حضرت ام حبیبہ۔
۹۔ حضرت جویریہ بنت الحارث۔ ۱۰۔ حضرت صفیہ بنت حیی بن اخطب
۱۱۔ حضرت میمونہ۔ (رضی اللہ عنہن وارضاہن)

ان میں سے حضرت خدیجہؓ اور حضرت زینب بنت خزیمہؓ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات میں وفات ان گیارہ ۱۱ کے علاوہ بنو قریظہ میں سے ریحانہ شمعون کے متعلق بھی بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہود بنی قریظہ کی غداری کی وجہ سے ان کے خلاف کارروائی کی اور ان کی بقایا کو گرفتار کیا گیا تو ان میں یہ ریحانہ بھی تھیں، انہوں نے اسلام قبول کر لیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو آزاد کر کے اپنے نکاح میں لے لیا، لیکن بعض دوسری روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کو حضور کی منکوحہ بیوی بننے کا شرف حاصل نہیں ہوا، بلکہ یہ باندی کی حیثیت سے آپ کے ساتھ رہیں، یہاں تک کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات سے چند روز پہلے اور ایک روایت کے مطابق حجۃ الوداع سے واپس آنے کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات ہی میں وفات پا گئیں۔

زوجیت کا شرف

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجیت کا شرف بجائے خود یقیناً اعلیٰ درجہ کی فضیلت اور اللہ تعالیٰ کی عظیم ترین نعمت ہے اور فرق مراتب کے باوجود یہ تمام ازواج مطہرات کو یکساں طور پر حاصل ہے اسی طرح ازواج مطہرات کو جو خصوصی احکام اللہ تعالیٰ کی طرف سے دیئے گئے ہیں، وہ بھی یکساں طور پر ان سبھی کے لئے ہیں، قرآن مجید میں "وَاَزْوَاجُهٗ اُمَّهٰتُهُمْ" فرما کر ان کو تمام اہل ایمان کی مائیں قرار دیا گیا ہے۔ اسی بنیاد پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد آپ کے ہر امتی اور ہر صاحب ایمان کے لئے ان میں سے کسی کے ساتھ نکاح کرنا ابدالآباد تک اسی طرح حرام قرار دے دیا گیا ہے جس طرح اپنی حقیقی ماں کے ساتھ نکاح کرنا حرام ہے۔ (معارف الحدیث)

نام: ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن	سنِ نکاح	عمر وقت نکاح	حضورؐ کی عمر وقت نکاح	مدت خدمت	سن وفات	کل عمر	مدفن
۱- حضرۃ خدیجہؓ بنت خویلد	۲۵ میلاد النبی	۴۰ سال	۲۵ سال	تقریباً ۲۵ سال	۱۰ نبوت	۶۵ سال	مکہ
۲- حضرۃ سودہؓ بنت زمعہ	۱۰ نبوت	۵۰ سال	۵۰ سال	۱۴ سال	۱۹ ہجری	۷۲ سال	مدینہ
۳- حضرۃ عائشہؓ بنت ابوبکرؓ	۱۱ نبوت، رخصتی ۱ ہجری	۹ سال	۵۴ سال	۹ سال	۱۷ رمضان ۵۷ ہجری	۶۳ سال	مدینہ
۴- حضرۃ حفصہؓ بنت عمرؓ	شعبان ۳ ہجری	۲۲ سال	۵۵ سال	۸ سال	جمادی الاول ۴۱ ہجری	۵۹ سال	مدینہ
۵- حضرۃ زینبؓ بنت خزیمہ	۳ ہجری	تقریباً ۳۰ سال	۵۵ سال	۳ مہینے	۳ ہجری	تقریباً ۳۰ سال	مدینہ
۶- حضرۃ ام سلمہؓ بنت ابوامیہ	۴ ہجری	۲۶ سال	۵۶ سال	۷ سال	۶۰ ہجری	۸۰ سال	مدینہ
۷- حضرۃ زینبؓ بنت جحش	۵ ہجری	۳۶ سال	۵۷ سال	۶ سال	۲۰ ہجری	۵۱ سال	مدینہ
۸- حضرۃ جویریہؓ بنت حارث	شعبان ۵ ہجری	۲۰ سال	۵۷ سال	۶ سال	ربیع الاول ۵۶ ہجری	۷۱ سال	مدینہ
۹- حضرۃ ام حبیبہؓ بنت ابوسفیانؓ	۶ ہجری	۳۶ سال	۵۸ سال	۶ سال	۴۴ ہجری	۷۲ سال	مدینہ
۱۰- حضرۃ صفیہ بنت حیی بنت اخطب	جمادی الاخریٰ ۷ ھ	۱۷ سال	۵۹ سال	۳ سال ۹ ماہ	رمضان ۵۰ ہجری	۵۰ سال	مدینہ
۱۱- حضرۃ میمونہؓ بنت حارث	ذیقعدہ ۷ ہجری	۳۶ سال	۵۹ سال	۳ سال ۳ ماہ	۵۱ ہجری	۸۰ سال	سرف

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا اور حضرت زینب رضی اللہ عنہا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات ہی میں وفات پا گئیں۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد حضرت سودہ (۱۹ھ) اور سب سے آخر میں حضرت ام سلمہ نے (۶۰ھ) وفات پائی اور حضرت ماریہ قبطیہ مصر سے ۶ھ میں آئیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اُن سے ازواج کا سا سلوک فرماتے۔ ام ولد کی حیثیت حاصل تھی ۱۶ھ میں مدینہ میں وفات پائی۔

سرورِ دو عالم

محمد صلی اللہ علیہ وسلم

کی اولادِ مبارک

سرکار دوعالم حضرۃ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد مبارک

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اولاد کے بارے میں اقوال مختلف ہیں سب سے زیادہ معتبر اور مستند قول یہ ہے کہ تین صاحبزادے اور چار صاحبزادیاں تھیں۔
قاسم، عبداللہ جن کو طیب اور طاہر کے نام سے بھی پکارا جاتا تھا۔ ابراہیم، زینب، رقیہ، ام کلثوم، فاطمۃ الزہرہ صاحبزادیوں کے بارے میں کوئی اختلاف نہیں۔ بالاتفاق چاروں تھیں چاروں بڑی ہوئیں۔ بیاہی گئیں۔ اسلام لائیں۔ ہجرت کی۔ حضرت ابراہیم کے بارے میں بھی کوئی اختلاف نہیں۔ یہ بالاتفاق آپ کی ام ولد ماریہ قبطیہ کے بطن سے تھے اور بچپن ہی میں انتقال کر گئے۔ حضرت ابراہیم کے سوا تمام اولاد حضرت خدیجہ ہی کے بطن سے ہے اور کسی بیوی سے آپ کو کوئی اولاد نہیں ہوئی۔ حضرت خدیجہ کے بطن سے جس قدر لڑکے پیدا ہوئے وہ سب بچپن ہی میں داغ مفارقت دے گئے۔ اس لئے ان کی تعداد میں اختلاف ہے۔ جمہور علماء سیر کا قول یہ ہے کہ حضرت خدیجہ کے بطن سے دو صاحبزادے پیدا ہوئے ایک قاسم اور دوسرے عبداللہ اور حضرت عبداللہ ہی کا دوسرا نام طیب و طاہر بھی تھا۔ بعض کہتے ہیں کہ طیب اور طاہر آپ کے دو صاحبزادے تھے جو حضرت قاسم اور حضرت عبداللہ کے علاوہ تھے۔ اس قول کی بناء پر حضرت خدیجہ کے بطن سے لڑکوں اور لڑکیوں کی تعداد برابر ہو جاتی ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ حضرت خدیجہ کے بطن سے چھ صاحب زادے ہوئے پانچویں اور چھٹے صاحب زادے کا نام مطیب اور مطہر تھا۔ واللہ اعلم۔

حضرت قاسم

آپ کی اولاد میں سب سے پہلے حضرت قاسم پیدا ہوئے اور بعثت نبوی سے پیشتر ہی انتقال کر گئے۔ صرف دو سال زندہ رہے اور بعض کا قول ہے کہ سن تمیز کو پہنچ کر وفات پائی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کنیت ابوالقاسم انہی کے انتساب سے تھی۔

حضرت زینب رضی اللہ عنہا

پیدائش: حضرت زینب آپ کی صاحبزادیوں میں بالاتفاق سب سے بڑی ہیں۔ بعثت سے دس سال پہلے پیدا ہوئیں اور اسلام لائیں۔

شادی، ہجرت اور وفات: بدر کے بعد ہجرت کی۔ اپنے خالہ زاد بھائی ابوالعاص بن ربیع سے بیاہی گئیں۔ حضرت زینب کی ہجرت کا مفصل واقعہ اسیران بدر کے بیان میں گزر چکا ہے۔ شروع ۸ ہجری میں انتقال کیا۔

اولاد: ایک لڑکا اور ایک لڑکی اپنی یادگار چھوڑی۔ لڑکے کا نام علی تھا اور لڑکی کا نام امامہ تھا۔ علی کے متعلق روایتیں مختلف ہیں۔ مشہور قول یہ ہے کہ سن تمیز کو پہنچ کر اپنے والد ابوالعاص کی حیات ہی میں انتقال کر گئے اور ایک قول یہ ہے کہ معرکہ یرموک میں شہید ہوئے۔

اُمامہؓ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت

امامہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بہت محبت فرماتے تھے۔ امامہ آپ سے بہت مانوس تھیں۔ بعض اوقات نماز میں آپ کے دوش مبارک پر چڑھ جاتی تھیں۔ آپ آہستہ سے ان کو اتار دیتے تھے۔ ایک بار آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس ہدیہ میں سونے کا ایک ہار آیا۔ تمام ازواج مطہرات اس وقت جمع تھیں۔ اور امامہ گھر کے ایک گوشہ میں مٹی سے کھیل رہی تھیں۔ آپ نے فرمایا یہ ہار میں اپنے محبوب ترین اہل کو دوں گا۔ سب کا گمان یہ تھا کہ حضرت عائشہ کو عطا فرمائیں گے۔ لیکن آپ نے امامہ کو بلایا اور اول ان کی آنکھوں کو اپنے دست مبارک سے پونچھا اور پھر وہ ہار ان کے گلے میں ڈالا۔

حضرت اُمامہ رضی اللہ عنہ کا نکاح

حضرت فاطمہ کے انتقال کے بعد حضرت علی نے امامہ سے نکاح کیا اور جب حضرت علی نے شہادت پائی تو مغیرہ بن نوفل کو وصیت کی کہ تم امامہ سے نکاح کر لینا۔ بعض کہتے ہیں کہ مغیرہ کے حضرت امامہ سے ایک لڑکا ہوا جس کا نام یحیٰی تھا۔ بعض کہتے ہیں کہ امامہ کے کوئی اولاد نہیں ہوئی۔ اور حضرت امامہ نے مغیرہ کے یہاں وفات پائی۔

حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا
ابولہب اور اس کے بیٹوں کی بد بختی

حضرت رقیہ اور حضرت ام کلثوم۔ آپ کی یہ دونوں صاحبزادیاں ابولہب کے بیٹوں سے منسوب تھیں۔ رقیہ عتبہ بن ابی لہب سے اور ام کلثوم عتیبہ بن ابی لہب سے فقط نکاح ہوا تھا۔ عروسی نہیں ہوئی تھی۔ جب تَبَّتْ یَدَآ اَبِیْ لَهَبٍ وَّتَبَّ نازل ہوئی ابی لہب نے بیٹوں کو بلا کر کہا کہ اگر تم محمد کی بیٹیوں کو طلاق نہ دو گے تو سمجھ لو کہ تمہارے ساتھ میرا سونا اور بیٹھنا حرام ہے۔ دونوں بیٹوں نے باپ کے حکم کی تعمیل کی اور عروسی سے پہلے ہی آپ کی دونوں صاحبزادیوں کو طلاق دیدی۔

نکاح، ہجرت اور اولاد

آپ نے حضرت رقیہ کا نکاح حضرت عثمان سے کر دیا۔ حضرت عثمان نے جب حبشہ کی طرف ہجرت کی تو حضرت رقیہ بھی آپ کے ہمراہ تھیں۔ کچھ عرصہ تک آپ کو ان دونوں کی کچھ خبر معلوم نہ ہوئی۔ ایک عورت آئی اور اس نے یہ خبر دی کہ میں نے دونوں کو دیکھا ہے آپ نے فرمایا۔

اللہ ان دونوں کے ساتھ ہو تحقیق عثمان لوط علیہ السلام کے بعد پہلا شخص ہے جس نے مع اہل وعیال کے ہجرت کی ہے۔

وہاں جا کر ایک بچہ پیدا ہوا جس کا نام عبداللہ رکھا گیا۔ چھ سال زندہ رہ کر انتقال کر گیا۔

وفات: جس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم غزوۂ بدر کے لئے روانہ ہوئے تو حضرت رقیہ بیمار تھیں اسی وجہ سے حضرت عثمان غزوۂ بدر میں شریک نہ ہو سکے ان کی تیمار داری میں رہے۔ عین اسی روز کہ جس روز حضرت زید بن حارثؓ اسلام کی فتح اور مشرکین کی ہزیمت کی بشارت اور خوشخبری لے کر مدینہ آئے۔ حضرت رقیہؓ نے انتقال فرمایا۔ حضرت رقیہ کی علالت کی وجہ سے اسامہ بن زید بھی بدر میں شریک نہیں ہوئے صاحبزادی کے دفن میں مشغول تھے کہ یکا یک تکبیر کی آواز سنائی دی۔ حضرت عثمان نے پوچھا اے اسامہ یہ کیا ہے۔ دیکھتے کیا ہیں کہ زید بن حارثہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ناقہ پر سوار ہیں اور مشرکین کے قتل کی بشارت لے کر آئے ہیں۔ انتقال کے وقت بیس سال کی عمر تھی۔

حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا

نام: ام کلثومؓ اسی کنیت کے ساتھ مشہور تھیں بظاہر یہ کنیت ہی آپ کا نام تھا۔
اس کے علاوہ آپ کا کوئی نام ثابت نہیں۔

نکاح: حضرت رقیہ کی وفات کے بعد ماہ ربیع الاول ۲ ہجری حضرت عثمان کے نکاح میں آئیں۔ چھ سال حضرت عثمان کے ساتھ رہیں اور کوئی اولاد نہیں ہوئی۔

وفات: ماہ شعبان ۹ ہجری میں انتقال کیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نماز جنازہ پڑھائی۔ حضرت علی اور فضل بن عباس اور اسامہ بن زید نے قبر میں اتارا۔ آنحضرت صلی

اللہ علیہ وآلہ وسلم قبر کے کنارہ پر بیٹھے ہوئے تھے اور آنکھوں سے آنسو جاری تھے۔

عتیبہ کی بدبختی: حضرت ام کلثوم۔ پہلے ابولہب کے بیٹے عتیبہ سے منسوب تھیں۔ باپ کے کہنے پر طلاق دیدی۔ طلاق تو دوسرے بیٹے عتبہ نے بھی حضرت رقیہ کو دیدی تھی۔ مگر عتیبہ نے فقط طلاق پر اکتفا نہ کی بلکہ طلاق دیکر آپ کے پاس آیا اور یہ کہا۔

کہ میں آپ کے دین کا منکر ہوں اور آپ کی بیٹی کو طلاق دیدی ہے وہ مجھ کو پسند نہیں کرتی اور میں اس کو پسند نہیں کرتا۔ اس کے بعد آپ پر حملہ کیا اور آپ کا پیراہن چاک کر دیا۔ آپ نے بددعا فرمائی کہ اے اللہ اس پر کوئی درندہ اپنے درندوں میں سے مسلط فرما۔ چنانچہ ایک مرتبہ قریش کا تجارتی قافلہ شام کی طرف گیا جا کر مقام زرقاء میں اترا ابولہب اور عتیبہ بھی اس قافلہ میں تھے۔ رات کے وقت ایک شیر آ گیا وہ شیر قافلہ والوں کے چہروں کو دیکھتا جاتا تھا اور سونگھتا جاتا تھا۔ جب عتیبہ پر پہنچا تو فوراً اس کا سر چبالیا۔ عتیبہ کا اسی وقت دم نکل گیا اور شیر ایسا غائب ہوا کہ کہیں اس کا پتہ نہ چلا۔

حضرت عثمان غنیؓ کی عظمت

حضرت ام کلثوم کا انتقال ہو گیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ ارشاد فرمایا کہ اگر میرے دس لڑکیاں بھی ہوتیں تو یکے بعد دیگرے عثمان کی زوجیت میں دیتا رہتا۔

حضرت فاطمہ الزہرا رضی اللہ عنہا

نام ولقب: فاطمہ آپ کا نام اور زہراء اور بتول یہ دو آپ کے لقب تھے۔ حضرت سیدہ کو بتول اس لئے کہا جاتا ہے کہ بتول بتل بمعنی قطع سے مشتق ہے کہ اپنے فضل وکمال کی وجہ سے دنیا کی عورتوں سے منقطع تھیں یا یہ کہ ماسوائے اللہ سے منقطع اور علیحدہ تھیں اور بوجہ باطنی زہرت وبہجت وصفاء ونورانیت زہراء کہلاتی تھیں۔

پیدائش: ابن عبدالبر فرماتے ہیں کہ بعثت کے پہلے سال میں پیدا ہوئیں ابن جوزی کہتے ہیں کہ بعثت سے پانچ سال پیشتر پیدا ہوئیں جبکہ قریش خانہ کعبہ کی تعمیر کر رہے تھے۔

آپ کی تمام صاحبزادیوں میں حضرت فاطمۃ الزہراء سب سے چھوٹی ہیں۔ سب سے بڑی

حضرت زینب ہیں۔ پھر حضرت رقیہ پھر حضرت ام کلثوم پھر حضرت فاطمہ اس ترتیب سے پیدا ہوئیں۔

نکاح: ۲ ہجری میں حضرت علی کے ساتھ آپ کا نکاح ہوا۔ پہلے قول کی بناء پر حضرت فاطمہ اس وقت پندرہ سال اور ساڑھے پانچ مہینہ کی تھیں۔ اور دوسرے قول کی بنا پر انیس سال اور ڈیڑھ مہینے کی تھیں۔ حضرت علیؓ کے متعلق اختلاف ہے کہ وہ کس سن میں اسلام لائے۔ ایک قول یہ ہے کہ آٹھ سال کی عمر میں اور دوسرا قول یہ ہے کہ دس سال کی عمر میں اسلام لائے۔ پہلے قول کی بناء پر نکاح کے وقت حضرت علی کی عمر اکیس سال اور پانچ مہینہ ہوگی اور دوسرے قول کے بناء پر چوبیس سال اور ڈیڑھ مہینہ ہوگی۔ حضرت فاطمہ کے نکاح کی تفصیل ۲ ہجری کے واقعات میں گزر چکی ہے۔

فضائل و مناقب: حضرت فاطمہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سب سے زیادہ محبوب تھیں۔ بار بار آپ نے یہ فرمایا ہے کہ اے فاطمہ کیا تو اس پر راضی نہیں کہ تو جنت کی تمام عورتوں کی سردار ہو۔ ایک روایت میں ہے کہ آپ نے یہ فرمایا کہ تو تمام عالم کی عورتوں کی سردار ہے۔ سوائے مریم کے آپ کا معمول تھا کہ جب آپ سفر میں جاتے تو سب سے اخیر میں حضرت فاطمہ سے ملتے اور جب سفر سے واپس آتے تو سب سے پہلے حضرت فاطمہ کے پاس جاتے۔

اولاد: حضرت فاطمہ کے پانچ اولاد ہوئیں۔ تین لڑکے اور دو لڑکیاں۔ حسن، حسین، محسن، ام کلثوم، زینب سوائے حضرت فاطمہ کے اور کسی صاحب زادی سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نسل کا سلسلہ نہیں چلا۔ محسن تو بچپن ہی میں انتقال کر گئے۔ حضرت ام کلثوم سے حضرت عمر نے نکاح فرمایا اور کوئی اولاد نہیں ہوئی۔ اور حضرت زینب کا نکاح عبداللہ بن جعفر سے ہوا اور ان سے اولاد ہوئی۔

وفات: آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کے چھ مہینہ بعد ماہ رمضان ۱۱ ہجری میں فاطمۃ الزہرا نے انتقال فرمایا۔ حضرت عباس نے نماز جنازہ پڑھائی۔ اور حضرت علی اور حضرت عباس اور فضل بن عباس نے قبر میں اتارا۔

دوسری روایت کے مطابق آپ کی نماز جنازہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے پڑھائی۔ مؤلف ''رحماء بینہم'' نے اپنی کتاب میں عقل و نقل سے اسی روایت کو ثابت کیا ہے

حضرت ابراہیمؓ

پیدائش، عقیقہ

حضرت ابراہیم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی آخری اولاد ہیں۔ جو ماریہ قبطیہ کے بطن سے ماہ ذی الحجہ ۸ ہجری میں پیدا ہوئے۔ ساتویں روز آپ نے عقیقہ کیا۔ عقیقہ میں دو مینڈھے ذبح کرائے سر منڈوایا گیا۔ بالوں کے برابر چاندی تول کر صدقہ کی گئی اور بال زمین میں دفن کیے گئے اور ابراہیم نام رکھا۔

رضاعت

اور عوالی میں ایک دودھ پلانے والی کے حوالے کیا۔
کبھی کبھی آپ تشریف لے جاتے اور گود میں لے کر پیار کرتے۔

انتقال

تقریباً پندرہ سولہ مہینہ زندہ رہ کر ۱۰ ہجری میں انتقال کیا۔ جس روز انتقال ہوا اتفاق سے اس روز سورج گہن ہوا۔ عرب کا یہ عقیدہ تھا کہ جب کوئی بڑا شخص مرتا ہے تو سورج گہن ہوتا ہے۔ اس لئے آپ نے اس عقیدۂ فاسدہ کے رد کرنے کے لئے خطبہ دیا کہ چاند اور سورج اللہ کی نشانیاں ہیں کسی کے مرنے یا جینے سے ان کو گہن نہیں لگتا۔ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو ڈراتا ہے کہ جب ایسا دیکھو تو نماز پڑھو اور دعا کرو۔ اور صدقہ دو۔

(روشن ستارے)

فاتحِ میدانِ خیبر رضی اللہ عنہ

مولانا مفتی نسیم احمد فریدیؒ

علیؓ شیر خدا ہیں فاتحِ میدانِ خیبر ہیں ✯ علیؓ شاہِ ہدیٰ ہیں، زینتِ محراب و منبر ہیں
نبیؐ کے ابنِ عم، اور ان کے دامادِ مطہر ہیں ✯ ہیں شوہر فاطمہؓ کے، والدِ شبیرؓ و شبرؓ ہیں
علیؓ روحانیت کے بادشاہ عالی گوہر ہیں ✯ فلک ان کا سلامی ہے، بظاہر بوریے پر ہیں
علیؓ کے قلب پر انوار سے یکسر منور ہیں ✯ یہ سارے اولیاء جو ملتِ بیضا کے رہبر ہیں
علیؓ کا مرتبہ اللہ اکبر کتنا اونچا ہے ✯ کہ جس کو دیکھ کر جن و ملک حیران و ششدر ہیں
پس از شیخینؓ و بعدِ حضرتِ عثمانؓ اے ہم دم ✯ علیؓ باقی سبھی اصحابِ پیغمبرؐ سے بڑھ کر ہیں

فریدیؔ میں بھی اک ادنیٰ غلامِ شاہِ خیبرؓ ہوں
وہؓ میرے مرشد و ہادی، مرے آقا و رہبر ہیں

○

رفیع القدر ہیں حیدرؓ نگاہِ اہلِ سنت میں

مولانا مفتی نسیم احمد فریدیؒ

علیؓ کی اک نرالی شان ہے اصحابِ حضرتؐ میں ✯ سیادت میں، نجابت میں، سیاست میں، عدالت میں
یہ اعزازِ علیؓ کیا کم ہے درگاہِ نبوت میں ✯ کہ دامادی ہوئی ہے منسلک سلکِ قرابت میں
علیؓ کا نام مثلِ نامِ حق ہے شکل و صورت میں ✯ نصیری کو یہی دھوکا لگا شاید محبت میں
تصادم ہو رہا ہے بغض و اِفراطِ محبت میں ✯ رفیع القدر ہیں حیدرؓ نگاہِ اہلِ سنت میں
علیؓ عقدہ کشائے رازِ توحیدِ صفاتی ہیں ✯ انھیں مشکل کشا کہنا، ہے کم فہمی حقیقت میں
علیؓ بحرِ ولایت ہیں، علیؓ کانِ طریقت ہیں ✯ علیؓ ہیں کامل و اکمل، شریعت میں، طریقت میں
علیؓ از روئے رزم و بزم اک فردِ نمایاں ہیں ✯ شجاعت میں، جلالت میں، فصاحت میں، بلاغت میں
وہ بیعت تھے رسولِ پاکؐ و اصحابِ ثلاثہؓ سے ✯ اسی باعث تو ہے اک جگمگاہٹ ان کی سیرت میں

فریدیؔ چار یارِ مصطفیٰؐ ارکانِ ملت ہیں
انہی چاروں سے آئیں رونقیں بزمِ خلافت میں

○

کی سیرت مبارکہ کے چند تابناک پہلو

مفکرِ اسلام حضرت مولانا سید ابو الحسن علی ندوی رحمہ اللہ

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی سیرت کے چند تابناک پہلو

تاریخ وروایات کے آئینہ میں

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی اولاد واحفاد کے تذکرہ سے پہلے ضروری ہے کہ آپ کی سیرت کے چند تابناک گوشوں پر سرسری نظر ڈال لی جائے جو تاریخ وروایات سے ثابت ہیں۔

صنم پرستی اور جاہلیت کے آثار مٹانے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جانشین

الحکم ابومحمد الہذلی سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا: ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کسی جنازہ میں شرکت فرمارہے تھے' اسی دوران آپؐ نے فرمایا تم میں کوئی ایسا ہے جو مدینہ چلا جائے اور وہاں جتنے بھی بت ہوں سب کو مسمار کردے' کوئی مجسمہ ہو تو اس کی ہیئت بگاڑ دے' حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا' میں حاضر ہوں یارسول اللہؐ فرمایا' تو پھر چل پڑو' حضرت علی گئے اپنی مہم انجام دے کر واپس آکر عرض کیا' یارسول اللہ میں نے جو بت بھی دیکھا اس کو مسمار کرڈالا' جتنی (بلند) قبریں وہاں ہیں سب کو زمین کے برابر کردیا' کوئی مجسمہ ایسا نہیں ہے جس کی ہیئت نہ بگاڑ دی ہو' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پھر ارشاد فرمایا: اب پھر کوئی نئے سرے سے ان بتوں' اور مجسموں اور قبروں کو تعمیر کرے تو سمجھ لو کہ اس نے میری نبوت کا انکار کیا۔ (مسند امام احمد بن حنبل) حضرت جریر بن حبان رضی اللہ عنہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ ان سے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا' میں تم کو اس کام پر مامور کرتا ہوں' جس کام پر مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مامور فرمایا تھا' آپؐ نے مجھے اس بات پر مامور فرمایا تھا کہ تمام قبروں کو زمین کے برابر کردوں' ہر بت کو مٹادوں۔ ابوالہیاج الاسدی نے بیان کیا کہ مجھ سے حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا کہ جس کام میں مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مامور فرمایا تھا اس پر تم کو مامور کرتا

ہوں، کوئی مجسمہ بھی دیکھو اس کو توڑ ڈالو کوئی اونچی قبر نظر آئے تو اس کو زمین کے برابر کر دو۔

فہم شریعت اور فیصلہ کرنے کی امتیازی شان

متعدد روایات کے ذریعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے یہ روایت ثابت ہے کہ آپ نے فرمایا: ''أقضاکم علی'' ''تم لوگوں میں سب سے زیادہ صحیح فیصلہ کرنے کی صلاحیت علی میں ہے'' حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں جب مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یمن بھیجا اس وقت میں کمسن تھا، میں نے عرض کیا آپ مجھے ان لوگوں میں بھیج رہے ہیں جن کے آپس میں جھگڑے ہوں گے، اور مجھے فیصلہ چکانے اور فیصلہ کرنے کا کوئی تجربہ نہیں ہے، فرمایا: اللہ تمہاری زبان سے صحیح بات نکلوائے گا اور تمہارے دل کو مطمئن کرے گا کہ تم فیصلہ صحیح کر رہے ہو) حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، اس کے بعد مجھے کبھی دو آدمیوں کے درمیان فیصلہ کرنے میں شک نہیں ہوا۔ (کہ فیصلہ صحیح ہے یا نہیں۔ امام احمد بن حنبل) حضرت علی رضی اللہ عنہ ایسے الجھے ہوئے مسائل سے پناہ مانگتے جن کے حل کرنے کے لئے (ابوالحسن (حضرت علی) نہ ہوں) (ازالۃ الخفا من خلافۃ الخلفاء) حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہ مقولہ مروی ہے۔ ''لو لا علی لھلک عمر'' اگر علی نہ ہوتے تو عمر تباہ ہو جاتا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا حال یہ تھا کہ جب کوئی فیصلہ طلب پیچیدہ مسئلہ سامنے آتا تو فرماتے: ''قضیة و لا أبا حسن لھا (العبقریات الاسلامیۃ للعقاد)'' مشکل پیش آ گئی اور اس کو حل کرنے کے لئے ابوالحسن نہیں ہیں۔ سیدنا علی کرم اللہ وجہہ کے حکیمانہ اور دوراندیشانہ فیصلہ کا نمونہ وہ ہے جس کی روایت امام احمد بن حنبل نے مسند علی میں اپنی سند سے بیان کی ہے جو حنش سے روایت کردہ ہے وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا: ''جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے یمن (اپنا نمائندہ بنا کر) بھیجا، وہاں مجھے ایسے لوگوں سے سابقہ پڑا جو آپس میں ایک عجیب قسم کے جھگڑے میں الجھے ہوئے تھے، ان لوگوں نے شیر کے شکار کے لئے ایک کمین گاہ کھودی تھی، جس وقت لوگ ایک دوسرے کو دھکا دے رہے تھے کہ ایک آدمی اس کے اندر گرنے لگا

'وہ آدمی دوسرے آدمی سے جو دہانے پر تھا چمٹ گیا' اس دوسرے آدمی نے تیسرے آدمی کو پکڑ لیا' اور اس تیسرے نے چوتھے کو مضبوطی سے پکڑ لیا نتیجہ یہ کہ چاروں یکے بعد دیگرے گر گئے شیر نے ان سب کو زخمی کر دیا' اتنے میں ایک شخص نے اپنی کمر سے چھرا نکال کر شیر کو مار ڈالا اور یہ چاروں زخموں کی تاب نہ لا کر ختم ہو گئے' حضرت علی رضی اللہ عنہ اس قضیہ کو چکانے کے لئے تشریف لائے اور فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی میں ہی تم آپس میں دست وگریباں ہو گئے؟ میں تم لوگوں کے درمیان فیصلہ کرتا ہوں اگر میرا فیصلہ منظور ہے تو خیر' ورنہ اس وقت جنگ مت کرو' اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو جاؤ۔ آپؐ جو فیصلہ فرما دیں وہ تسلیم کرنا پڑے گا اور اس سے جو سرتابی کرے گا' اس کا کوئی حق نہ ہوگا' حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: کن لوگوں نے کنواں (کمیں گاہ) کھودا ہے ان سے خون بہا چار آدمیوں کا جمع کرو' ایک کا چوتھائی' دوسرے کا تہائی' تیسرے کا نصف چوتھے کو مکمل خون بہا دیا جائے' لوگوں نے اس فیصلہ کو منظور نہیں کیا' اور وہ سب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے' آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس وقت مقام ابراہیم کے قریب تشریف فرما تھے' ان لوگوں نے ماجرا سنایا' آپؐ نے فرمایا: میں تمہارا فیصلہ کئے دیتا ہوں یہ کہہ کر آپ خاص انداز کی نشست (جس میں ایک بڑے رومال سے کمر اور گھٹنے کو باندھ لیتے ہیں) بیٹھ گئے' لوگوں میں سے ایک نے کہا کہ علی رضی اللہ عنہ ہمارے درمیان فیصلہ کر چکے ہیں' آپؐ نے وہ فیصلہ سن کر اسی کی منظوری دے دی' حضرت خلش رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا چوتھے شخص کو مکمل دیت (خون بہا) کا حق ہے۔ (المسند ج۱)

کتاب وسنت کے عالم جلیل:

ابو عمر ابو طفیل کے حوالہ سے بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا' میں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اس وقت دیکھا جب لوگوں سے خطاب فرما رہے تھے' اور کہہ رہے تھے' کتاب اللہ کے بارے میں جو چاہو پوچھ لو' بخدا قرآن کریم میں کوئی بھی ایسی آیت نہیں ہے جس کے

بارے میں مجھے یہ معلوم نہ ہو کہ یہ رات کو نازل ہوئی ہے' یا دن کو (ہموار) راستے میں چلتے ہوئے نازل ہوئی ہے یا اس وقت جب آپ کسی پہاڑی پر تھے (ازالۃ الخفا) شریح بن ہانی سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا کہ میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مسح علی الخفین کا مسئلہ دریافت کیا انہوں نے کہا علی سے پوچھو' ان کو میری نسبت یہ مسئلہ زیادہ معلوم ہے' وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ سفر میں جایا کرتے تھے' پھر میں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا' انہوں نے کہا: فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مسافر کے لئے تین راتیں اور دو دن ہیں اور مقیم کے لئے ایک دن و رات (المستدرج) حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہوئی ۵۸۶ حدیثیں ہیں۔ (تاریخ الخلفاء)

ایک نرم خو اور مونس انسان:

سیدنا علی کرم اللہ وجہہ اپنی شجاعت' دلیری' دل کی مضبوطی اور ارادہ کی پختگی کے ساتھ ساتھ انتہائی نرم دلی اور اُنس و محبت رکھنے والے انسان تھے' نازک انسانی احساسات کے مالک تھے' بہت ہی ملنسار' دلنواز' نرم خو طبیعت پائی تھی' انسان کی یہ خصوصیات اپنے تمام جمال و کمال کے ساتھ اس وقت نمایاں ہوتی ہیں' جب اس کا قاتل اس کے روبرو کھڑا ہو' روایت ہے کہ اس کے بارہ میں جس نے زہر میں بجھی ہوئی تلوار سے آپ پر حملہ کیا تھا آپ نے اپنے صاحبزادہ سیدنا حسن رضی اللہ عنہ سے فرمایا: ''دیکھو حسن! اگر میں اس کے حملہ سے جانبر نہ ہو سکوں تو اس پر ایک ہی وار کیا جائے۔ اس کا مثلہ ہرگز نہ کیا جائے' میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے' خبردار کسی کا مثلہ نہ کیا جائے خواہ کٹھا کتا ہی کیوں نہ ہو۔ (الریاض النضرہ فی مناقب العشرہ) جب ابن ملجم کو آپ کے سامنے لایا گیا تو آپ نے فرمایا اس کو گرفتار کرو اور اس سے نرمی کا معاملہ کرو' اگر میں زندہ رہ گیا تو رائے قائم کروں گا کہ اس کو معاف کردوں یا قصاص لوں' اور اگر میں مر جاؤں تو ایک جان کا بدلہ صرف ایک جان ہے۔ (الجوہرۃ) جب سیدنا علی بن ابی طالب کرم اللہ وجہہ حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کی لاش پر گئے تو پھوٹ پھوٹ کر رونے لگے' اپنے دست مبارک سے ان

کے رخسار پر پڑی ہوئی گرد صاف کرتے ہوئے کہہ رہے تھے' ابو محمد برداشت نہیں ہوتا کہ تم کو آسمان کے تاروں کے سایہ میں زخموں سے چور اور پٹیوں میں بندھا دیکھوں اس موقع پر آپ کی زبان سے نکلا کہ کاش اس دن کو دیکھنے سے بیس برس پہلے وہ دنیا سے رخصت ہو چکے ہوتے۔ (العبقریات الاسلامیۃ) حضرت علی رضی اللہ عنہ جس طرح اپنے چھوٹوں پر شفقت کرنے میں مشہور تھے' اسی طرح اپنے بڑوں کی بزرگ داشت اور عزت کرنے میں ممتاز تھے' بچوں سے پیار کرتے ان سے ہنسی کھیل کر بات کرتے اور ایسے لوگوں کو پسند کرتے جو بچوں کی دلجوئی اور دلبستگی کی باتیں کرتے تھے' آپ فرمایا کرتے تھے۔ ''باپ کا بیٹے پر اور بیٹے کا باپ پر حق ہے' باپ کا یہ حق ہے کہ بیٹا ہر حال میں اس کی اطاعت کرے اِلا یہ کہ باپ کسی معصیت کی بات کا حکم دے اس میں اس کا اتباع نہیں کیا جائے گا' اور باپ پر بیٹے کا یہ حق ہے کہ اس کا اچھا نام رکھے' اچھی تربیت کرے اور قرآن پڑھائے۔ ابوالقاسم البغویؒ اپنی دادی سے روایت کرتے ہیں وہ فرماتی تھیں میں نے علی (رضی اللہ عنہ) کو دیکھا کہ ایک درہم کی کھجور خریدی اور اپنی قبا کے دامن میں اس کو اٹھالیا' ایک شخص نے کہا' امیر المؤمنین! میں اٹھالوں؟ فرمایا یہ بچوں والے کا کام ہے کہ اپنا سامان خود اٹھائے۔ (البدایۃ النہایۃ) ایک شخص آپ کی خدمت میں آکر کہنے لگا: یا امیر المؤمنین میری آپ سے ایک ضرورت ہے' حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا' اپنی ضرورت زمین پر لکھ دو' مجھے اچھا نہیں لگتا کہ سوال تمہارے چہرے پر پڑھوں' چنانچہ اس نے لکھا' آپ نے اس کی طلب سے زیادہ اس کی حاجت روائی فرمادی۔ (البدایۃ والنہایۃ)

سیدنا علی کرم اللہ وجہہ سے جن امور کی ابتداء ہوئی:

امیر المؤمنین حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے متعدد ایسے کاموں کی ابتداء ہوئی جس کے آثار نہ صرف یہ کہ باقی و پائندہ ہیں بلکہ جب تک عربی زبان اور اس کے قواعد نحو و صرف باقی ہیں' وہ کارنامہ زندہ جاوید رہے گا' ابوالقاسم الزجاجی کی ''امالی'' میں مذکور ہے کہ میں سیدنا علی کرم اللہ وجہہ کی خدمت میں حاضر ہوا' آپ کو دیکھا کہ سر جھکائے متفکر بیٹھے

ہیں، میں نے عرض کیا! امیر المؤمنین! کس معاملہ میں متفکر ہیں؟ فرمایا میں تمہارے شہر میں عربی خط طریقہ پر بولتے ہوئے سنتا ہوں، اس لئے میں چاہتا ہوں کہ زبان کے اصول و قواعد میں ایک یادداشت تیار کروں، میں نے عرض کیا اگر آپ ایسا کردیں تو ہمیں آپ کے ذریعہ زندگی مل جائے گی اور ہمارے یہاں عربی زبان باقی رہ جائے گی، اس گفتگو کے بعد پھر میں تین روز کے بعد آپ کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ نے ایک کاغذ مرحمت فرمایا جس میں علم نحو کے ابتدائی مسائل درج تھے۔ (تاریخ الخلفاء) محقق فاضل استاذ العقاد کا بیان ہے۔ ''یہ بات بالکل سچ ہے کہ اس علم کی تشکیل میں سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کا سب سے بڑا حصہ ہے، یہ روایت تواتر کی حد تک پہنچی ہوئی ہے کہ ابوالأسود الدولی نے آپ سے اس امر کا شکوہ کیا کہ (ان مفتوحہ ممالک میں) لوگ عربی کا لفظ صحیح نہیں ادا کرتے، اور اس کے پڑھنے میں غلطیاں کرتے ہیں، آپ نے فرمایا لکھو جو میں املا کراتا ہوں چنانچہ آپ نے اس کے ابتدائی اصول املا کرائے اور ابوالأسود سے کہا اس طرز پر دیگر قواعد لکھ ڈالو اس وقت یہ علم نحو کے نام سے مشہور ہوا (العبقریات للعقاد) (عربی میں ''نحو'' طرز کے معنوں میں بولا جاتا ہے) آپ نے فرمایا: ''انح هذا النحو'' یعنی اسی طرز پر چلیے''

العقاد مزید لکھتے ہیں: ''حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے اولین کارناموں میں سے عقائد و علم کلام علم قضا، فقہ اور نحو اور عربی کتابت کے ضبط و اصول کی تدوین ہے۔ یہ بات پہلے بیان کی جاچکی ہے کہ اسلامی تقویم (کلنڈر) کے بارے میں یہ فیصلہ کہ سال ہجرت نبوی کو تقویم اسلامی کی اصل قرار دی جائے، حضرت علی کی رائے تھی، جس کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اور دوسرے صحابہ نے پسند کیا تھا اور یہ حکم دیا گیا کہ اسلامی جنتری کی ابتداء سال ہجری نبوی کو قرار دیا جائے۔ (البدایۃ والنہایۃ) لہٰذا جب تک مسلمان ہیں یہی تقویم قائم ہے اور قائم رہے گی، ہجرت نبوی کو اسلامی جنتری کی اصل و ابتداء بنانے میں بہتیری حکمتیں اور مصلحتیں پنہاں ہیں، جو دعوت دین اور انسان قدروں میں اسلام کی برتری ثابت کرتی ہیں اور جس میں حکماء اور منصف مؤرخوں کے لئے اسلام کی عظمت کا ایک ایسا نشان ملتا ہے جس سے وہ اندازہ کرسکتے ہیں کہ مذاہب کی عام سطح سے اسلام کس درجہ فائق اور بلند ہے، یہ کام

ایک نیک فال اور نوید مسرت بھی ہے کہ ہجرت تاریخ بشریت میں ایک سنگ میل ہے' اور انسانی کردار کے لئے ایک منارۂ نور۔

ذات نبوی سے گہری واقفیت اور مزاج شناسی

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے خاندانی اور نسبی تعلق' ایک عمر کی رفاقت اور روز مرہ کی زندگی کو قریب سے دیکھنے کی وجہ سے سیدنا علی کرم اللہ وجہہ کو آپؐ کے مزاج وافتادِ طبع سے اور ذات نبوی کی خاص صفات وکمالات سے گہری مناسبت ہوگئی تھی' جن سے اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی برحق صلی اللہ علیہ وسلم کو نوازا تھا۔ وہ آپ کے میلان طبع اور مزاج کے رخ کو بہت باریک بینی اور چھوٹی بڑی باتوں کی نزاکتوں کو سمجھتے تھے' جن کا آپ کے رجحانات پر اثر پڑتا ہے' یہی نہیں بلکہ سیدنا علی کرم اللہ وجہہ کو ان کے بیان کرنے اور ایک ایک گوشہ کو اجاگر کر کے بتانے میں بھی مہارت تھی' آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اخلاق ورجحان اور طریق تعامل کو بہت ہی بلیغ پیرایہ میں بیان کیا ہے۔ (السیرۃ النبویۃ)

ایک روایت میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق و عادات کا سراپا بیان کیا ہے' اس میں صرف اس قدر نقل کرنا کافی ہوگا۔ "آپؐ) سب سے زیادہ کشادہ دل' سب سے زیادہ سچی اور ٹھوس بات کرنے والے' سب سے زیادہ نرم خو' اور میل جول میں سب سے زیادہ کریم النفس تھے' آپؐ پر اگر کسی کی اچانک نظر پڑتی تو وہ ہیبت محسوس کرتا اور جس کو قریب سے دیکھنے اور میل جول کا سابقہ پڑتا وہ آپ سے محبت کرنے لگتا' آپؐ کا وصف بیان کرنے والے کہتے ہیں: آپ جیسا نہ پہلے کوئی دیکھا اور نہ آپ کے بعد کسی کو آپ جیسا پایا صلی اللہ علیہ وسلم۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مزاج واُفتادِ طبع' حسن سلوک اور حلم وعفو کی خو سے گہری واقفیت کا انداز اس واقعہ سے نمایاں طور پر ہوتا ہے کہ جب ابوسفیان بن الحارث ابن عبدالمطلب جو آپؐ کے چچازاد بھائی تھے مگر عرصہ دراز تک (معاذ اللہ) آپ کی ہجو کر چکے تھے اور طرح طرح کی ایذائیں پہنچا چکے تھے' جب فتح مکہ کے موقع پر راستہ میں سامنے آئے تو

آپؐ نے ان سے منہ پھیرلیا، ابوسفیان نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے اس کا گلہ کیا، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان کو راستہ سوجھایا اور کہا: "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے آکر کھڑے ہوجاؤ اور آپ سے وہی کہو جو برادرانِ یوسف سے کہا تھا: تَاللّٰهِ لَقَدْ اٰثَرَكَ اللّٰهُ عَلَيْنَا وَاِنْ كُنَّا لَخٰطِئِيْنَ " (وہ بولے خدا کی قسم خدا نے تم کو ہم پر فضیلت بخشی ہے اور بے شک ہم خطار کار تھے) آپ کو یہ گوارا نہیں ہے کہ کوئی آپ سے زیادہ نرم گفتار ہو، (اس لئے آپ حضرت یوسف کا جیسا جواب دیں گے اور عفو ومرحمت کا معاملہ فرمائیں گے)

ابوسفیان نے ایسا ہی کیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب میں فرمایا: "لَا تَثْرِيْبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ يَغْفِرُ اللّٰهُ لَكُمْ وَهُوَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ "(آج کے دن (سے) تم پر کچھ عتاب (ملامت) نہیں ہے خدا تم کو معاف کرے وہ بہت رحم کرنے والا ہے) حضرت ابوسفیان اس دن کے بعد سے اسلام پر ثابت قدم رہے، اور کبھی زندگی میں مارے شرم کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے سر نہیں اٹھایا۔ (زادالمعاد)

سیدنا علی بن ابی طالب کرم اللہ وجہہ کے زمانۂ خلافت کے وہ پہلو جو تاریخ میں بجا طور پر اجاگر نہیں کئے گئے

عام طور پر حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی سیرت اور آپ کے عہد کی تاریخ کا مطالعہ کرنے والے مؤرخوں کا یہ خیال ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی توجہات کا رخ نہ صرف یہ کہ عراقیوں اور شامیوں سے جنگ کی طرف تھا، بلکہ صرف اہل قبلہ سے قتال کرنے میں محصور تھا اور آپ کو ان ملکوں سے کوئی واسطہ نہیں رہا جو خلفائے سابقین کے زمانہ میں فتح ہوئے، ان ممالک کے انتظامی اور عدالتی استحکام اور مرتدوں کی سرکوبی اور فتنوں کی بیخ کنی کی طرف کوئی توجہ نہیں دی، اسلامی حدود سلطنت کی توسیع اور نئے ملکوں کے اسلام میں داخل کرنے کی کوشش آپ کی سوانح میں نہیں ملتی۔

اس سلسلہ میں عام طور پر مؤرخوں نے حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے بارے میں ضروری تفصیل سے کام نہیں لیا ہے، آپ کی سیرت کا یہ زاویہ پردۂ خفا میں رہا، اور اس کی

تفصیل نہیں دی گئی، عراق وشام کی داخلی جنگوں کے واقعات اس درجہ افکار پر حاوی رہے کہ اس کے انبار کے نیچے یہ باتیں دب گئیں، اس سلسلہ کی چند باتیں نقل کی جاتی ہیں، جن کو آپ کی سوانح میں مرکزی حیثیت نہیں دی گئی اور وہ تاریخ وسوانح میں متفرق جگہوں میں ملتی ہیں۔ مثلاً یہ کہ جب اہل فارس اور اہل کرمان نے خراج دینے سے انکار کیا اور نظام خلافت سے بغاوت کی تو حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے اس فتنہ کا سدباب کیا اور ان کو خلافت کا مطیع وحلقہ بگوش بنادیا۔ ''تاریخ الامم والملوک'' میں ابن جریر طبری ۳۹ ہجری کے حوادث کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ''عمرؒ علیؒ سے روایت کرتے ہیں کہ جب ابن الحضرمی کا قتل ہوا ہے، حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں لوگوں کی مختلف پارٹیاں بن گئیں، اہل کرمان اور اہل فارس کو یہ طمع ہوگئی کہ اگر خلافت کو تسلیم نہ کریں تو خراج کی ادائیگی سے بچ جائیں گے، چنانچہ ہر علاقہ کے لوگ اپنے سے قریبی حلقوں پر اثر انداز ہوگئے اور محصلین خراج کو نکال دیا۔ عمر کہتے ہیں کہ مجھ سے ابوالقاسم نے کہا اور وہ مسلمہ بن عثمان سے اور وہ علی بن کثیر سے روایت کرتے ہیں کہ اس موقع پر جب کہ اہل فارس نے خراج دینا بند کردیا تھا، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے لوگوں سے مشورہ کیا کہ کس کو فارس کو راہ راست پر لانے کی ذمہ داری سپرد کریں، جاریہ بن قدامہ نے کہا میں امیر المؤمنین کو بتاتا ہوں کون شخص عزم کا پختہ اور سیاستدان ہے، جس کے سپرد جو مہم کردی جائے اس کے لئے مناسب ہوگا، پوچھا وہ کون ہوسکتا ہے؟ کہا زیاد فرمایا، اس کے سپرد یہ کام کرتا ہوں، آپ نے ان کو فارس اور کرمان کا والی بنا کر بھیجا، ان کے ساتھ چار ہزار فوجی تھے، انہوں نے اس علاقہ کو سیدھا کردیا۔''

''عمر نے ابوالحسن سے اور انہوں نے علی بن مجاہد سے روایت کی ہے کہ شعبی کا بیان ہے کہ جب اہل جبال نے معاہدہ کی خلاف ورزی کی اور خراج ادا کرنے والوں کو حوصلہ ہوا کہ خراج دینا بند کرنے کی ہمت کریں اور انہوں نے سہل بن حنیف کو فارس سے نکال دیا جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف سے عامل مقرر تھے، ابن عباس رضی اللہ عنہ نے کہا فارس کے سلسلہ میں میں کافی ہوں آپ کی مہم انجام دوں گا، حضرت علی نے ابن عباس رضی اللہ عنہ کو بصرہ بھیج دیا اور زیاد کو ایک بڑے گروہ کے ساتھ فارس روانہ کیا، انہوں نے اہل فارس کو

مطیع وفرمانبردار بنایا اور وہ خراج ادا کرنے لگے۔ (الأمم والملوک لابن جریر الطبری)

اسی ضمن میں یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ حضرت علی مرتضٰی کے عہد خلافت میں فوج کے چند دستے سندھ کی طرف گئے اور اس کے وہ حصے فتح کئے جو پہلے سے اسلامی حکومت میں داخل نہیں تھے' البلاذری ''فتوح البلدان'' میں لکھتے ہیں۔ ''۳۸ھ کے آخر اور ۳۹ھ کی ابتداء میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے اپنے عہد خلافت میں الحارث بن مرة العبدی کو اس سرحد کی طرف بھیجا جو دوسرے علاقوں سے جدا تھی' یہ فوجی دستہ وہاں سے کامیاب ہوکر مال غنیمت کے ساتھ واپس آیا' ایک دن میں یہاں کے مال غنیمت میں سے ایک ہزار غلام تقسیم کئے گئے سندھ کے علاقہ قیقان میں جو خراسان سے ملا ہوا ہے' ۴۲ھ میں وہ (اور چند اشخاص کو چھوڑ کر) ان کے رفقا نے جام شہادت نوش کیا' قیقان سندھ میں ہے' خراسان سے اس کی سرحد ملتی ہے۔ (فتح البلدان للبلاذری' طبع القاہرہ)

اسی سلسلہ میں یہ واقعہ بھی قابل ذکر ہے کہ ان عیسائیوں میں سے جو اسلام قبول کر چکے تھے' ایک جماعت مرتد ہوگئی عمار بن معاویہ الدہنی ابوطفیل سے روایت کرتے ہیں کہ کچھ لوگ مرتد ہوگئے جو اصلاً عیسائی تھے' حضرت علی رضی اللہ عنہ نے وہاں معقل بن قیس التیمی کو بھیجا انہوں نے جنگجو قوم سے مقابلہ کرکے فتح حاصل کی اور ان کے افراد کو گرفتار کرکے لائے۔ (معانی الآثار للطحاوی)

حضرت علی کے بارہ میں
فضائل کی کثرت اور اس کا سبب

سیدنا علی کرم اللہ وجہہ کے فضائل میں کثرت سے احادیث وارد ہوئی ہیں' شاید اس کثرت سے کسی اور صحابی رسول یا عہد رسالت کی کسی عظیم شخصیت کے بارے میں وارد نہیں ہوئیں' اس کی وجہ ظاہر ہے کہ ان کی شخصیت کو تقدیر الٰہی میں اور مخصوص حالات واسباب کی بناء پر' نیز ان غیر معمولی کمالات وامتیازات کے موجودگی میں جن میں سے بعض میں وہ منفرد اور اکثر میں صاحب امتیاز تھے' پھر خلافت کے سلسلہ میں ان کو جن نازک مراحل سے گذرنا

تھا' ان سب اسباب نے زبان نبوت (علی صاحبہ الصلاۃ والسلام) کو ان کے فضل اور امتیاز کے اظہار اور ان کی طرف سے دفاع اور حمایت میں جاری اور مشغول کر دیا' ان احادیث فضائل کا ایک معتد بہ حصہ کتب صحاح میں بھی آ گیا ہے اور بعض کے بارے میں محدثین نے اس موضوع پر مستقل کتابیں بھی تصنیف کی ہیں' ان میں امام ابوالرحمٰن احمد بن شعیب النسائی (م ۳۰۳ھ) جو صحاح ستہ میں سے ایک کتاب سنن نسائی کے مصنف ہیں' کی کتاب ''الخصائص فی مناقب علی بن ابی طالب رضی اللّٰہ عنہ '' خاص طور پر قابل ذکر ہے۔ (کتاب السیر) اس کی تصنیف کا ایک محرک یہ بھی تھا کہ انہوں نے اپنے دمشق کے قیام میں دیکھا کہ لوگ کثرت سے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے فضائل سے نا آشنا اور ان کے بارے میں مختلف غلط فہمیوں میں مبتلا ہیں' اور زبان طعن و اعتراض دراز کرتے ہیں' اس سے ان کو اس کتاب کی تصنیف کی تحریک پیدا ہوئی۔

(المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ)

کاتب وحی

سیدنا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ

کردار اور کارنامے

حضرت مولانا مفتی محمود اشرف عثمانی مدظلہ
کی تحریر سے انتخاب

مناقب

کاتب وحی حضرت سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ

جلیل القدر صحابی حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ عالم اسلام کی ان چندگنی چنی ہستیوں میں سے ایک ہیں جن کے احسان سے یہ امت مسلمہ سبکدوش نہیں ہوسکتی۔ آپ ان چند کبار صحابہؓ میں ہیں جن کو سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں مسلسل حاضری اور حق تعالیٰ کی جانب سے نازل شدہ وحی کو لکھنے کا شرف حاصل ہے۔

ابتدائی حالات

آپؓ عرب کے مشہور ومعروف قبیلہ قریش سے تعلق رکھتے ہیں جو اپنی شرافت ونجابت اور جود وسخا میں پورے عرب میں ممتاز حیثیت رکھتا تھا، اس قبیلہ کو یہ شرف حاصل ہے کہ اس میں آقائے دو جہاں مبعوث ہوئے۔ پھر قریش میں سے آپ اس نامور خاندان بنوامیہ سے تعلق رکھتے تھے جو نسبی و منصبی حیثیت سے بنوہاشم کے بعد سب سے زیادہ معزز سمجھا جاتا تھا۔

حضرت معاویہؓ کے والد ماجد، حضرت ابوسفیانؓ اسلام لانے سے قبل ہی اپنے خاندان میں ممتاز حیثیت کے مالک اور قبیلہ کے معزز سرداروں میں شمار ہوتے تھے، آپ فتح مکہ کے دن اسلام لائے، آپ کے اسلام لانے کی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بہت مسرت ہوئی اور آپؐ نے اعلان فرمایا:

''جو شخص بھی ابوسفیان کے گھر میں داخل ہوجائے گا اسے امن دیا جائے گا۔''

اسلام لانے سے قبل زمانہ جاہلیت میں بھی آپ اعلیٰ صفات کے مالک اور اخلاق کریمانہ کے حامل تھے، علامہ ابن کثیرؒ لکھتے ہیں:

آپ اپنی قوم کے سردار تھے، آپ کے حکم کے اطاعت کی جاتی تھی اور آپ کا شمار مال دار لوگوں میں ہوتا تھا۔ (ابن کثیرؒ: البدایہ والنہایہ)

پھر آپؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں رہے اور غزوۂ حنین اور غزوۂ یرموک میں شرکت کی۔ یہاں تک کہ ۳۱ھ میں آپ کا انتقال ہو گیا۔

حضرت معاویہؓ آپ ہی کے فرزند ارجمند تھے، بعثت نبوی سے پانچ سال قبل آپ کی ولادت ہوئی۔ (ابن حجرؒ: الاصابہ)

بچپن ہی سے آپ میں الوالعزمی اور بڑائی کے آثار نمایاں تھے چنانچہ ایک مرتبہ جب آپ نوعمر تھے آپؓ کے والد ابوسفیان نے آپ کی طرف دیکھا اور کہنے لگے:

میرا بیٹا بڑے سر والا ہے اور اس لائق ہے کہ اپنی قوم کا سردار بنے، آپ کی والدہ ہند نے یہ سنا تو کہنے لگیں: ''فقط اپنی قوم کا؟ میں اس کو روؤں اگر یہ پورے عالم عرب کی قیادت نہ کرے۔'' (حوالہ مذکورہ بالا)

اسی طرح ایک بار عرب کے ایک قیافہ شناس نے آپ کو چھوٹے پنے کی حالت میں دیکھا تو بولا: ''میرا خیال ہے کہ یہ اپنی قوم کا سردار بنے گا'' (علامہ ابن کثیر: البدایہ والنہایہ)

ماں باپ نے آپ کی تربیت خاص طور پر کی اور مختلف علوم وفنون سے آپ کو آراستہ کیا اور اس دور میں جبکہ لکھنے پڑھنے کا رواج بالکل نہ تھا اور عرب پر جہالت کی گھٹا ٹوپ تاریکی چھائی ہوئی تھی، آپ کا شمار ان چند گنے چنے لوگوں میں ہونے لگا جو علم وفن سے آراستہ تھے اور لکھنا پڑھنا جانتے تھے۔

اسلام: آپؓ ظاہری طور پر فتح مکہ کے موقع پر ایمان لائے مگر درحقیقت آپ اس سے قبل ہی اسلام قبول کر چکے تھے لیکن بعض مجبوریوں کی بناء پر ظاہر نہ کیا تھا، مشہور مورخ واقدی کہتے ہیں: کہ آپ صلح حدیبیہ کے بعد ہی ایمان لے آئے تھے مگر آپ نے اپنے اسلام کو چھپائے رکھا اور فتح مکہ کے دن ظاہر کیا۔ اپنے اسلام کو چھپائے رکھنے اور فتح مکہ کے موقع پر ظاہر کرنے کی وجہ خود حضرت معاویہؓ نے بیان کی۔ چنانچہ فاضل مورخ ابن سعد کا بیان ہے: کہ حضرت معاویہؓ فرمایا کرتے تھے کہ ''میں عمرۃ القضا سے پہلے اسلام لے آیا تھا، مگر مدینہ جانے سے ڈرتا تھا کیوں کہ میری والدہ کہا کرتی تھیں کہ اگر تم گئے تو ہم ضروری اخراجات زندگی دینا بھی بند کر دیں گے۔'' اس عذر اور دوسری مجبوریوں کی بناء پر آپؓ نے

اپنے والد کے ہمراہ فتح مکہ کے موقع پر اپنے اسلام لانے کا اعلان کیا۔ (ابن حجر الاصابہ)

یہی وجہ ہے کہ ہم دیکھتے ہیں کہ بدر، احد، خندق، اور غزوۂ حدیبیہ میں آپ کفار کی جانب سے شریک نہ ہوئے حالانکہ اس وقت آپ جوان تھے، آپ کے والد ابوسفیان سالار کی حیثیت سے شریک ہو رہے تھے اور آپ کے ہم عمر جوان بڑھ چڑھ کر مسلمانوں کے خلاف جنگ میں حصہ لے رہے تھے، ان تمام باتوں کے باوجود آپ کا شریک نہ ہونا ظاہر کرتا ہے کہ اسلام کی حقانیت ابتداء ہی سے آپ کے دل میں گھر کر چکی تھی۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تعلق

اسلام لانے کے بعد آپ مستقلاً آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لگے رہے اور آپ اس مقدس جماعت کے ایک رکن رکین تھے جسے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کتابت وحی کے لئے مامور فرمایا تھا، چنانچہ جو وحی آپ پر نازل ہوتی اسے قلمبند فرماتے اور جو خطوط و فرامین، سرکار دو جہاںؐ کے دربار سے جاری ہوتے انہیں بھی تحریر فرماتے۔ وحی خداوندی لکھنے کی وجہ سے ہی آپ کو کاتب وحی کہا جاتا ہے۔ علامہ ابن حزمؒ لکھتے ہیں کہ:

نبی کریم کے کاتبین میں سب سے زیادہ حضرت زید بن ثابت آپؐ کی خدمت میں حاضر رہے اور اس کے بعد دوسرا درجہ حضرت معاویہؓ کا تھا۔ یہ دونوں حضرات دن رات آپؐ کے ساتھ لگے رہتے اور اس کے سوا کوئی کام نہ کرتے تھے۔ (ابن حزم: جوامع السیرۃ)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں کتابت وحی کا کام جتنا نازک تھا اور اس کے لئے جس احساس ذمہ داری، امانت و دیانت اور علم و فہم کی ضرورت تھی وہ محتاج بیان نہیں، چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں مسلسل حاضری، کتابت وحی، امانت و دیانت اور دیگر صفات محمودہ کی وجہ سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے متعدد بار آپ کے لئے دعا فرمائی۔ حدیث کی مشہور کتاب جامع الترمذی میں ہے کہ ایک بار نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو دعا دی اور فرمایا: "اے اللہ معاویہؓ کو ہدایت دینے والا اور ہدایت یافتہ بنا دیجئے۔ اور اس کے ذریعہ سے لوگوں کو ہدایت دیجئے۔" (جامع الترمذی)

ایک اور حدیث میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو دعا دی اور فرمایا:

اے اللہ معاویہؓ کو حساب کتاب سکھا اور اس کو عذاب جہنم سے بچا۔ (ابن عبدالبرؒ: الاستیعاب تحت الاصابہ)

مشہور صحابی حضرت عمرو بن العاص بیان کرتے ہیں کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا: اے اللہ معاویہؓ کو کتاب سکھلا دے اور شہروں میں اس کے لئے ٹھکانا بنا دے اور اس کو عذاب سے بچالے۔ (مجمع الزوائد ومنبع الفوائد)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کی امارت وخلافت کی اپنی حیات میں ہی پیشن گوئی فرمادی تھی اور اس کے لئے دعا بھی فرمائی تھی جیسا کہ مذکورہ حدیث سے ظاہر ہے۔ نیز حضرت معاویہؓ خود بھی بیان کرتے ہیں کہ ایک بار میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے واسطے وضو کا پانی لے کر گیا۔ آپ نے پانی سے وضو فرمایا اور وضو کرنے کے بعد میری طرف دیکھا اور فرمایا:

اے معاویہ! اگر تمہارے سپرد امارت کی جائے (اور تمہیں امیر بنا دیا جائے) تو تم اللہ سے ڈرتے رہنا اور انصاف کرنا۔ (ابن حجرؒ: الاصابہ)

اور بعض روایات میں ہے کہ اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

جو شخص اچھا کام کرے اسکی طرف توجہ کر اور مہربانی کر اور جو کوئی برا کام کرے اس سے درگذر کر۔

حضرت معاویہؓ اس حدیث کو بیان کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

مجھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان کے بعد خیال لگا رہا کہ مجھے ضرور اس کام میں آزمایا جائے گا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا (مجھے امیر بنا دیا گیا)۔

ان روایات سے صاف واضح ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دربار نبوی میں کیا مرتبہ حاصل تھا؟ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان سے کتنی محبت فرماتے تھے؟

ایک روایت میں تو یہاں تک ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو بکر صدیقؓ اور حضرت عمرؓ کو کسی کام میں مشورہ کے لئے طلب فرمایا مگر دونوں حضرات کوئی مشورہ نہ دے سکے تو آپ نے فرمایا: کہ معاویہ کو بلاؤ اور معاملہ کو ان کے سامنے رکھو کیوں کہ وہ قوی ہیں (مشورہ دیں گے) اور امین ہیں (غلط مشورہ نہ دیں گے) لیکن اس روایت کی سند کمزور اور ضعیف ہے۔ (مجمع الزوائد ومنبع الفوائد)

نیز ایک اور روایت میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سواری پر سوار ہوئے اور حضرت معاویہؓ کو اپنے پیچھے بٹھایا تھوڑی دیر بعد آپ نے فرمایا: ''اے معاویہ! تمہارے جسم کا کون سا حصہ میرے جسم کے ساتھ مل رہا ہے۔ انہوں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! میرا پیٹ (اور سینہ) آپ کے جسم مبارک کے ساتھ ملا ہوا ہے۔ یہ سن کر آپ نے دعا دی:

اللھم املاہ علماً اے اللہ اس کو علم سے بھر دے۔ (حافظ ذہبی: تاریخ الاسلام)

جب آپ کے والد اسلام لے آئے تو انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا: یا رسول اللہ! میں اسلام لانے سے قبل مسلمانوں سے قتال کرتا تھا اب آپ مجھے حکم دیجئے کہ میں کفار سے لڑوں اور جہاد کروں، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ضرور! جہاد کرو۔ (حافظ ابن کثیر: البدایہ والنہایہ)

چنانچہ اسلام لانے کے بعد آپؓ اور آپ کے والد نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ مختلف غزوات میں شرکت کی اور کفار سے جہاد کیا۔ آپؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ غزوۂ حنین میں شرکت کی اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو قبیلہ ہوازن کے مال غنیمت میں سے سو اونٹ اور چالیس اوقیہ چاندی عطا فرمائی۔ (حافظ ابن کثیر: البدایہ والنہایہ)

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ صحابہ کرامؓ کی نظر میں:

احادیث سے سرکار دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرت معاویہؓ سے تعلق اور اس سے آپ کی فضیلت صاف ظاہر ہے، اس کے علاوہ دوسرے جلیل القدر صحابہؓ سے بھی متعدد اقوال مروی ہیں جن سے ان کی نظر میں حضرت معاویہؓ کے مقام بلند کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔

ایک بات حضرت عمر فاروقؓ کے سامنے حضرت معاویہؓ کی برائی کی گئی تو آپؓ نے فرمایا: قریش کے اس جوان کی برائی مت کرو جو غصہ کے وقت ہنستا ہے (یعنی انتہائی بردبار ہے) اور جو کچھ اس کے پاس ہے بغیر اس کی رضامندی کے حاصل نہیں کیا جا سکتا اور اس کے سر پر کی چیز کو حاصل کرنا چاہو تو اس کے قدموں پر جھکنا پڑے گا (یعنی انتہائی غیور اور شجاع ہے۔) (رزین عبدالبر)

حضرت عمرؓ سے منقول ہے کہ آپ نے فرمایا: اے لوگو! تم میرے بعد آپس میں فرقہ

بندی سے بچو اور اگر تم نے ایسا کیا تو سمجھ رکھو کہ معاویہؓ شام میں موجود ہیں۔ (ابن حجر: الاصابہ)

یہاں ایک واقعہ کا ذکر کرنا دلچسپی سے خالی نہ ہو گا جس سے حضرت معاویہؓ کی اپنے بڑوں کے مقابلے میں اطاعت شعاری اور حضرت عمرؓ کی اپنے گورنروں اور مخصوصین پر کڑی نگرانی ظاہر ہوتی ہے۔

علامہ ابن حجرؒ نے اپنی کتاب الاصابہ میں نقل کیا کہ ایک بار حضرت معاویہؓ حضرت عمر فاروقؓ کے پاس آئے، حضرت معاویہؓ نے اس وقت ایک سبز رنگ کا جوڑا پہنا ہوا تھا، صحابہ کرامؓ نے حضرت معاویہؓ کی طرف دیکھنا شروع کر دیا، حضرت عمرؓ نے یہ دیکھا تو کھڑے ہوئے اور درہ لے کر حضرت معاویہؓ کی طرف بڑھے اور مارنے لگے۔ حضرت معاویہؓ پکارتے رہے: اللہ اللہ: اے امیر المومنین! آپ کیوں مارتے ہیں؟ مگر حضرت عمرؓ نے کچھ جواب نہ دیا۔ یہاں تک کہ واپس اپنی جگہ پر آ کر بیٹھ گئے، صحابہ کرام، حضرت عمرؓ سے کہنے لگے: آپ نے اس جوان (حضرت معاویہؓ) کو کیوں مارا؟ حالانکہ ان جیسا آپ کی قوم میں ایک نہیں!

حضرت عمرؓ نے جواب دیا: میں نے اس شخص میں بھلائی کے علاوہ کچھ نہ پایا اور اس کے متعلق مجھے صرف بھلائی کی ہی خبر ملی ہے، لیکن میں نے چاہا کہ اس کو اتاروں اور یہ کہہ کر آپ نے حضرت معاویہؓ کے لباس کی جانب اشارہ کیا۔ (ابن حجرؒ: الاصابہ)

نیز آپ کے متعلق حضرت عمرؓ فرمایا کرتے تھے: تم قیصر و کسریٰ اور ان کی سیاست کی تعریف کرتے ہو حالانکہ خود تم میں معاویہؓ موجود ہیں۔ حضرت عمرؓ کی نظر میں آپ کا مرتبہ اور مقام اس سے ظاہر ہے کہ انہوں نے آپ کے بھائی یزید بن ابی سفیانؓ کے انتقال کے بعد آپ کو شام کا گورنر مقرر کیا۔ دنیا جانتی ہے کہ حضرت عمرؓ اپنے گورنروں اور والیوں کے تقرر کے معاملہ میں انتہائی محتاط تھے اور جب تک کسی شخص پر مکمل اطمینان نہ ہو جاتا اسے کسی مقام اور علاقہ کا امیر مقرر نہ کرتے تھے، پھر جس شخص کو گورنر بناتے اس کی پوری نگرانی فرماتے، اور جب کبھی معیار مطلوب سے فروز محسوس ہوتا اسے معزول فرما دیتے تھے، ان کا آپ کو شام کا گورنر مقرر کرنا اور آخر حیات تک انہیں اس عہدے پر باقی رکھنا ظاہر کرتا ہے انہیں آپؓ پر مکمل اعتماد تھا۔

حضرت عمر فاروقؓ کے بعد حضرت عثمان غنیؓ کا دور آیا، وہ بھی آپ پر مکمل اعتماد کرتے تھے

اور تمام اہم معاملات میں آپ سے مشورہ لیتے اور اس پر عمل کیا کرتے تھے۔ انہوں نے بھی آپ کو شام کی گورنری کے عہدہ پر نہ صرف باقی رکھا بلکہ اس کے ساتھ ساتھ آس پاس کے دوسرے علاقے اردن، حمص، قنسرین اور فلسطین وغیرہ بھی آپ کی ماتحت گورنری میں دے دیئے۔

اس کے بعد حضرت عثمان غنیؓ شہید کر دیئے گئے اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے ہاتھ پر مسلمانوں کی ایک جماعت نے بیعت کر لی اور آپ خلیفہ ہو گئے، اور آپ کے اور حضرت معاویہؓ کے درمیان قاتلین عثمان سے قصاص لینے کے بارے میں اختلاف پیش آیا جس نے بڑھ کر قتال کی صورت اختیار کر لی اور مسلمانوں کے درمیان تفرقہ کی بنیاد پڑ گئی، مگر جیسا کہ ہر ہوش مند جانتا ہے کہ اس میں دونوں جانب اختلاف کا منشاء دین ہی تھا، اس لئے فریقین ایک دوسرے کے دینی مقام اور ذاتی خصائل و اوصاف کے قائل تھے اور اس کا اظہار بھی فرماتے تھے۔

حافظ ابن کثیرؒ نے نقل کیا ہے کہ حضرت علیؓ جب جنگ صفین سے واپس لوٹے تو فرمایا ''اے لوگو! تم معاویہ کی گورنری اور امارت کو ناپسند مت کرو، کیونکہ اگر تم نے انہیں گم کر دیا تو دیکھو گے کہ سر اپنے شانوں سے اس طرح کٹ کٹ کر گریں گے جس طرح حنظل کا پھل اپنے درخت سے ٹوٹ کر گرتا ہے۔'' (حافظ ابن کثیر: البدایہ والنہایہ)

خلفائے راشدین کے علاوہ دیگر اجلہ صحابہ کرام کو دیکھئے کہ ان کی نگاہ میں حضرت معاویہؓ کی کیا قدر و منزلت تھی؟

حضرت ابن عباسؓ سے ایک فقہی مسئلہ میں حضرت معاویہ کی شکایت کی گئی تو آپ نے فرمایا: انه فقيه یقیناً معاویہؓ فقیہ ہیں۔ (ابن کثیر: البدایہ والنہایہ)

(جو کچھ انہوں نے کیا اپنے علم و فقہ کی بنا پر کیا ہوگا) ایک اور روایت میں ہے کہ آپ نے جواب میں فرمایا: کہ معاویہؓ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت کا شرف اٹھایا ہے (اس لئے ان پر اعتراض بیجا ہے۔) (ابن حجر: الاصابہ)

حضرت ابن عباسؓ کے یہ الفاظ بتا رہے ہیں کہ صرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت کا شرف اٹھانا ہی اتنی بڑی فضیلت ہے کہ کوئی فضیلت اس کے برابر نہیں ہو سکتی۔

اسی طرح ایک بار حضرت ابن عباسؓ کے آزاد کردہ غلام حضرت کریب نے آ کر

آپ سے شکایت کے لہجے میں بیان کیا کہ حضرت معاویہؓ نے وتر کی تین رکعتوں کے بجائے ایک رکعت پڑھی ہے تو حضرت ابن عباسؓ نے جواب دیا: ”اے بیٹے! جو کچھ معاویہؓ نے کیا، صحیح کیا، کیوں کہ ہم میں معاویہؓ سے بڑھ کر کوئی عالم نہیں۔ (بیہقی: سنن کبریٰ)

اس سے ظاہر ہے کہ حضرت ابن عباسؓ آپ کے علم و تفقہ اور تقویٰ سے کس درجہ متاثر تھے، یہ حال تو دینی امور میں تھا، دنیاوی امور میں حضرت ابن عباسؓ کا قول مشہور ہے:

ما رایت اخلق للملک من معاویة کہ میں نے معاویہؓ سے بڑھ کر سلطنت اور بادشاہت کا لائق کسی کو نہ پایا۔ (ابن کثیر)

حضرت عمیر بن سعدؓ کا قول حدیث کی مشہور کتاب ترمذی میں نقل کیا گیا ہے کہ حضرت عمر فاروقؓ نے عمیر بن سعدؓ کو حمص کی گورنری سے معزول کر دیا اور ان کی جگہ حضرت معاویہؓ کو مقرر کیا تو کچھ لوگوں نے چہ میگوئیاں کیں، حضرت عمیرؓ نے انہیں سختی سے ڈانٹا اور فرمایا:

معاویہؓ کا صرف بھلائی کے ساتھ ذکر کرو، کیونکہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کے متعلق یہ دعا دیتے سنا ہے: اے اللہ اس کے ذریعہ سے ہدایت عطا فرما۔ (جامع الترمذی)

حضرت ابن عمرؓ فرماتے ہیں: کہ میں نے معاویہؓ سے بڑھ کر سرداری کے لائق کوئی آدمی نہیں پایا۔ (ابن کثیر: البدایہ والنہایہ)

سیدنا سعد بن ابی وقاصؓ جو عشرہ مبشرہ میں سے ہیں اور حضرت علیؓ اور حضرت معاویہؓ کی آپس میں جنگوں میں غیر جانب دار رہے، فرمایا کرتے تھے:

کہ میں نے حضرت عثمانؓ کے بعد کسی کو معاویہؓ سے بڑھ کر حق کا فیصلہ کرنیوالا نہیں پایا۔ (ابن کثیر: البدایہ والنہایہ)

حضرت قبیصہ بن جابرؒ کا قول ہے:

”میں نے کوئی آدمی ایسا نہیں دیکھا جو (حضرت) معاویہؓ سے بڑھ کر بردبار، ان سے بڑھ کر سیادت کا لائق، ان سے زیادہ باوقار، ان سے زیادہ نرم دل، اور نیکی کے معاملہ میں ان سے زیادہ کشادہ دست ہو۔“ (حافظ ابن کثیر: البدایہ والنہایہ)

ان چند روایات سے بخوبی اندازہ ہوسکتا ہے کہ صحابہ کرامؓ آپ کے متعلق کیا رائے رکھتے تھے؟ اور ان کی نگاہ میں آپؓ کا مرتبہ کیا تھا؟

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ تابعین کی نظر میں

تابعین کرام میں آپ کی حیثیت کیا تھی؟ اس کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے اپنے دور خلافت میں کبھی کسی کو کوڑوں سے نہیں مارا، مگر ایک شخص جس نے حضرت معاویہؓ پر زبان درازی کی تھی، اس کے متعلق انہوں نے حکم دیا کہ اسے کوڑے لگائے جائیں۔ (ابن عبدالبر: الاستیعاب تحت الاصابہ ص ۳۸۳ ج ۳ مطبوعہ مصر، حافظ ابن کثیر، البدایہ والنہایہ ص ۱۳۹ ج ۸)

حافظ ابن کثیرؒ نے بیان کیا ہے کہ حضرت عبداللہ ابن مبارکؒ جو مشہور تابعین میں سے ہیں، ان سے کسی نے حضرت معاویہؓ کے بارے میں پوچھا تو حضرت ابن المبارکؒ جواب میں کہنے لگے: بھلا میں اس شخص کے بارے میں کیا کہوں؟ جس نے سرکار دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے نماز پڑھی ہو اور جب سرکار صلی اللہ علیہ وسلم نے **سمع اللہ لمن حمدہٗ** کہا تو انہوں نے جواب میں **ربنا ولک الحمد** کہا ہو۔ (ابن کثیر البدایہ والنہایہ ص ۱۳۹ ج ۸)

انہی عبداللہ ابن المبارکؒ سے ایک مرتبہ کسی نے سوال کیا: کہ یہ بتلایئے کہ حضرت معاویہؓ اور حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ میں سے کون افضل ہیں؟ سوال کرنے والے نے ایک جانب اس صحابی کو رکھا جس پر طرح طرح کے اعتراضات کیے گئے تھے، اور دوسری طرف اس جلیل القدر تابعی کو، جس کی جلالت شان پر تمام امت کا اتفاق ہے، یہ سوال سن کر عبداللہ ابن المبارکؒ غصہ میں آگئے اور فرمایا: تم ان دونوں کی آپس میں نسبت پوچھتے ہو، خدا کی قسم! وہ مٹی جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ جہاد کرتے ہوئے حضرت معاویہؓ کی ناک کے سوراخ میں چلی گئی، وہ حضرت عمر بن عبدالعزیز سے افضل ہے۔ (حوالہ مذکورہ بالا)

اسی قسم کا سوال حضرت معافی بن عمرانؒ سے کیا گیا تو وہ بھی غضب ناک ہو گئے اور فرمایا: بھلا ایک تابعی کسی صحابی کے برابر ہو سکتا ہے؟ حضرت معاویہؓ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی ہیں، ان کی بہن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عقد میں تھیں، انہوں نے وحی خداوندی کی کتابت کی اور حفاظت کی، بھلا ان کے مقام کو کوئی تابعی کیسے پہنچ سکتا ہے؟

اور پھر یہ حدیث پڑھ کر سنائی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جس نے میرے اصحاب اور رشتہ داروں کو برا بھلا کہا اس پر اللہ کی لعنت ہو۔'' (ابن کثیر: البدایہ والنہایہ)

مشہور تابعی حضرت احنف بن قیسؒ اہل عرب میں بہت حلیم اور بردبار مشہور ہیں ایک مرتبہ ان سے پوچھا گیا کہ بردبار کون ہے؟ آپ یا معاویہؓ؟ آپ نے فرمایا: بخدا میں نے تم سے بڑا جاہل کوئی نہیں دیکھا (حضرت) معاویہؓ قدرت رکھتے ہوئے حلم اور بردباری سے کام لیتے ہیں اور میں قدرت نہ رکھتے ہوئے بردباری کرتا ہوں، لہٰذا میں ان سے کیسے بڑھ سکتا ہوں؟ یا ان کے برابر کیسے ہو سکتا ہوں؟

سوانح: جیسا کہ ہم اوپر تحریر کر چکے ہیں، حضرت معاویہؓ کی ولادت بعثت نبوی سے پانچ سال قبل ہوئی اور آپ نے فتح مکہ کے موقع پر اپنے اسلام لانے کا اعلان کیا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد آپ شام وغیرہ کے علاقوں میں مصروف جہاد رہے، اسی دوران آپ نے جنگ یمامہ میں شرکت کی، بعض مورخین کا خیال ہے کہ مدعی نبوت مسیلمہ کذاب کو آپ ہی نے قتل کیا تھا، مگر صحیح یہ ہے کہ حضرت وحشیؓ نے نیزہ مارا تھا اور آپ نے اس کے قتل میں مدد کی تھی۔ (حافظ ابن کثیر: البدایہ والنہایہ)

پھر حضرت عمرؓ کا دور آیا اور ۱۹ھ میں انہوں نے حضرت معاویہؓ کے بھائی، یزید بن ابی سفیانؓ کو جو اس وقت شام کے گورنر تھے، حکم دیا کہ ''قیساریہ'' کو فتح کرنے کے لئے جہاد کریں ''قیساریہ'' روم کا مشہور شہر اور رومیوں کی فوجی چھاؤنی تھی، چنانچہ یزید بن ابی سفیانؓ نے شہر کا محاصرہ کر لیا، یہ محاصرہ طول کھینچ گیا تو یزید بن ابی سفیان آپ کو اپنا نائب مقرر کر کے دمشق چلے گئے، حضرت معاویہؓ نے ''قیساریہ'' کا محاصرہ جاری رکھا یہاں تک کہ شوال ۱۹ھ میں اسے فتح کر لیا، اس فتح کے ایک ماہ بعد ہی ذیقعدہ ۱۹ھ میں یزید بن ابی سفیانؓ، طاعون کے مہلک مرض میں وفات پا گئے، حضرت عمرؓ کو ان کی موت کا بہت صدمہ ہوا اور کچھ عرصہ بعد آپ نے ان کے بھائی حضرت معاویہؓ کو شام کا گورنر بنا دیا اور آپ کا وظیفہ ایک ہزار درہم ماہانہ مقرر فرمایا، حضرت عمرؓ کے دور خلافت میں آپ نے چار سال شام کے گورنر کی حیثیت سے گذارے۔ اس عرصے میں آپ نے روم کی سرحدوں پر جہاد جاری رکھا اور بہت سارے شہر فتح کیے۔ (ابن عبدالبر: الاستیعاب تحت الاصابہ) (علامہ ابن خلدون:)

حضرت عمر فاروقؓ کی وفات کے بعد حضرت عثمان غنیؓ نے آپ کو اس عہدہ پر نہ صرف

باقی رکھا، بلکہ آپ کے حسن انتظام، تدبر اور سیاست سے متاثر ہوتے ہوئے، حمص، قنسرین اور فلسطین کے علاقے بھی آپ کے ماتحت کر دیئے۔ حضرت عثمان غنیؓ کے دور خلافت میں کل بارہ سال یا اس سے کچھ زائد آپ نے گورنر کی حیثیت سے گذارے، اس عرصے میں بھی آپ، اعلاء کلمۃ اللہ کے واسطے جہاد میں مصروف رہے۔ (تاریخ ابن خلدون)

۲۵ھ میں آپ نے روم کی جانب جہاد کیا اور عموریہ تک جا پہنچے اور راستے میں فوجی مرکز قائم کئے۔

قبرص بحیرہ روم میں شام کے قریب ایک نہایت، زرخیز اور خوب صورت جزیرہ ہے اور یورپ اور روم کی طرف سے مصر و شام کی فتح کا دروازہ ہے اس مقام کی بہت زیادہ اہمیت تھی کیونکہ مصر و شام جہاں اب اسلام کا پرچم لہرا رہا تھا، ان کی حفاظت اس وقت تک نہ ہو سکتی تھی، جب تک کہ بحری ناکہ مسلمانوں کے قبضے میں نہ آئے، اسی وجہ سے حضرت عمر فاروقؓ کے زمانہ ہی سے آپ کی اس زرخیز، حسین اور اہم جزیرہ پر نظر تھی اور ان کے دور خلافت میں آپ ان سے قبرص پر لشکر کشی کی اجازت طلب کرتے رہے مگر حضرت عمرؓ نے سمندر کی مشکلات اور دوسری وجوہات کی بناء پر اجازت نہ دی، جب حضرت عثمانؓ کا دور آیا تو آپ نے ان سے اجازت طلب کی اور اصرار کیا تو حضرت عثمانؓ نے اجازت دیدی اور آپ نے مسلمانوں کی تاریخ میں پہلی بار بحری بیڑہ تیار کرایا اور صحابہ کرامؓ کی ایک جماعت کے ہمراہ ۲۷ھ میں قبرص کی جانب روانہ ہوئے۔ (حافظ ذہبی)

مسلمانوں کی تاریخ میں بحری بیڑہ کی تیاری اور بحری جنگ کا یہ پہلا واقعہ تھا۔ ابن خلدون لکھتے ہیں: حضرت معاویہؓ پہلے خلیفہ ہیں جنہوں نے بحری بیڑہ تیار کرایا اور مسلمانوں کو اس کے ذریعہ جہاد کی اجازت دی۔ (مقدمہ ابن خلدون) پہلی بار بحری بیڑہ تیار کرانا حضرت معاویہؓ کی محض ایک تاریخی خصوصیت ہی نہیں ہے بلکہ اس لحاظ سے نہایت عظیم سعادت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلا بحری جہاد کرنے والوں کے حق میں جنت کی بشارت دی تھی، چنانچہ امام بخاریؒ نے اپنی کتاب میں سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل فرمایا ہے۔

میری امت کے پہلے لشکر نے جو بحری لڑائی لڑے گا، اپنے اوپر جنت واجب کر

لی ہے۔(صحیح البخاری)

۲۷ھ میں آپ اس کی طرف اپنا بحری بیڑہ لے کر روانہ ہوئے اور ۲۸ھ میں وہ آپ کے ہاتھوں فتح ہوگیا (جمال الدین یوسف) اور آپ نے وہاں کے لوگوں پر جزیہ عائد کیا۔(ابن خلدون)

۳۲ھ میں آپ نے افرنطینہ، ملطیۃ، اور روم کے کچھ قلعے فتح کیے۔(حافظ ذہبی)

۳۵ھ میں غزوہ ذی خشب پیش آیا، اور آپ رضی اللہ عنہ نے اس میں امیر لشکر کی حیثیت سے شرکت فرمائی۔ (جمال الدین یوسف)

۳۶ھ میں حضرت عثمانؓ شہید ہوگئے اور اس کے بعد جنگ صفین وجمل کے مشہور واقعات پیش آئے، آپ کا موقف اس سلسلہ میں یہ تھا کہ حضرت عثمانؓ کو ظلماً شہید کیا گیا ہے اس لئے قاتلوں سے قصاص لینے میں کسی قسم کی نرمی نہ برتی جائے، اور قاتلوں سے جو نرمی برتی جارہی ہے، ان کو عہدوں پر مامور کیا جارہا ہے اور وہ خلافت کے کاموں میں جو بڑھ چڑھ کر حصہ لے رہے ہیں، اس سلسلہ کو ختم کیا جائے، چنانچہ البدایہ والنہایہ میں مذکور واقعہ سے آپ کے اس موقف کی مکمل وضاحت ہوتی ہے اور اس بے بنیاد الزام کی قلعی کھل جاتی ہے کہ آپؓ اقتدار کی خواہش کے لئے ایسا کر رہے تھے۔

علامہ ابن کثیرؒ فرماتے ہیں کہ مختلف سندوں سے ہم تک یہ بات پہنچی ہے۔

کہ حضرت علیؓ اور معاویہؓ کے اختلاف کے دوران، حضرت ابو مسلم خولانی لوگوں کی ایک جماعت کے ہمراہ حضرت معاویہؓ کے پاس پہنچے تاکہ ان کو حضرت علیؓ کی بیعت پر آمادہ کرسکیں، اور جاکر حضرت معاویہؓ سے کہا: تم علیؓ سے جھگڑ رہے ہو، کیا تمہارا خیال یہ ہے تم علم وفضل میں اس جیسے ہو؟ حضرت معاویہؓ نے جواب دیا: خدا کی قسم! میرا یہ خیال نہیں، میں جانتا ہوں کہ علیؓ مجھ سے بہتر ہیں، افضل ہیں اور خلافت کے بھی مجھ سے زیادہ مستحق ہیں، لیکن کیا تم یہ بات تسلیم نہیں کرتے کہ عثمانؓ کو ظلماً شہید کیا گیا ہے اور میں ان کا چچازاد بھائی ہوں اس لئے مجھے ان کے خون کا قصاص اور بدلہ لینے کا زیادہ حق ہے۔

تم جاکر حضرت علیؓ سے یہ بات کہو کہ قاتلین عثمان کو میرے سپرد کردیں، میں خلافت کو

ان کے سپرد کر دوں گا۔ یہ حضرات حضرت علیؓ کے پاس آئے، ان سے اس معاملہ میں بات کی، لیکن انہوں نے (ان معقول دلائل واعذار کی بناء پر جو ان کے پاس تھے) قاتلین کو ان کے حوالہ نہیں کیا۔ اس موقعہ پر اہل شام نے حضرت معاویہؓ کے ساتھ لڑنے کا فیصلہ کرلیا۔

اس واقعہ کے بعد اس شبہ اور بہتان کی کیا گنجائش باقی رہ جاتی ہے کہ حضرت معاویہؓ ذاتی نام ونمود اور اقتدار کی خواہش کے لئے ایسا کر رہے تھے۔

اس بات کا اندازہ اس ایمان افروز خط سے لگایا جا سکتا ہے جو حضرت معاویہؓ نے ان ہی اختلافات کے دوران قیصر روم کو تحریر فرمایا تھا، روم کے بادشاہ قیصر نے عین اس وقت جبکہ حضرت علیؓ اور حضرت معاویہؓ کا اختلاف شباب پر تھا اور قتل وقتال کی نوبت آ رہی تھی، ان اختلافات سے فائدہ اٹھانا چاہا اور شام کے سرحدی علاقوں پر لشکر کشی کرنے کا ارادہ کیا، حضرت معاویہؓ کو اس کی اطلاع مل گئی، آپ نے اسے ایک خط بھجوایا اور اس میں لکھا:

مجھے اس بات کا علم ہوا ہے کہ تم سرحد پر لشکر کشی کرنا چاہتے ہو، یاد رکھو! اگر تم نے ایسا کیا تو میں اپنے ساتھی (حضرت علیؓ) سے صلح کرلوں گا۔ اور ان کا جو لشکر تم سے لڑنے کے لئے روانہ ہو گا، اس کے ہراول دستے میں شامل ہو کر قسطنطنیہ کو جلا ہوا کوئلہ بنا کر رکھ دوں گا'' جب یہ خط قیصر روم کے پاس پہنچا تو وہ اپنے ارادہ سے باز آ گیا اور لشکر کشی سے رک گیا۔ (تاج العروس)

کیونکہ وہ جانتا تھا کہ یہ لوگ کفر کے مقابلہ میں اب بھی ایک جسم وجان کی طرح ہیں اور ان کا اختلاف، سیاسی لیڈروں کا اختلاف نہیں ہے۔

بہرحال یہ افسوسناک اختلاف اور قتال پیش آیا، اور دراصل اس میں بڑا ہاتھ ان مفسدین کا تھا جو دونوں جانب غلط فہمیاں پھیلاتے اور جنگ کے شعلوں کو ہوا دیتے رہے۔

۳۷ھ میں صفر کے مہینہ میں واقعہ صفین پیش آیا۔ (حافظ ذہبی) اس جنگ میں حضرت معاویہؓ کے ہمراہ ستر ہزار آدمی شریک ہوئے۔ (حافظ ذہبی) جس میں صحابہ اور تابعین شامل تھے۔ آپ کے اور حضرت علیؓ کے درمیان یہ جنگ چار پانچ سال تک جاری رہی۔ (ابن عبدالبر)

اس کے بعد حضرت علی کرم اللہ وجہہ شہید کر دیئے گئے، آپ پر بھی قاتلانہ حملہ کیا گیا اور آپؓ کو زخم آئے۔

حضرت علیؓ کے بعد ان کے بڑے صاحبزادے سیدنا حسنؓ خلافت پر متمکن ہوئے جو ابتداء ہی سے صلح جو اور مسلمانوں کے آپس کے قتال سے سخت متنفر تھے، شروع میں مفسدین نے انہیں بھی بڑھکایا مگر وہ ان کے کہنے میں نہ آئے اور ۴۱ھ میں انہوں نے حضرت معاویہؓ سے صلح کر کے خلافت آپ کے سپرد کی، آپؓ نے ان کے لئے سالانہ دس لاکھ درہم وظیفہ مقرر کر دیا۔ (حافظ ذہبی)

حضرت حسن بصریؒ، حضرت معاویہؓ اور حضرت حسنؓ کے درمیان صلح کے واقعہ کو بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

کہ سیدنا حسن، پہاڑ جیسے لشکر لے کر حضرت معاویہؓ کے مقابلہ پر سامنے آئے تو حضرت عمرو بن العاصؓ، حضرت معاویہؓ سے کہنے لگے:

میں لشکروں کو دیکھ رہا ہوں کہ بغیر قتل عظیم کے واپس نہ لوٹیں گے۔ (یعنی قتال عظیم ہو گا) تو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ فرمانے لگے:

بتلاؤ! اگر انہوں نے انہیں قتل کیا اور ان لوگوں نے ان کو قتل کیا تو مسلمانوں کے معاملات کی دیکھ بھال کون کرے گا؟ ان کی عورتوں کی رکھوالی کی ضمانت کون دے گا؟ اور یتیم بچوں اور مال و متاع کا ضامن کون ہو گا؟ (جمع الفوائد)

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت معاویہؓ کے دل میں قوم و ملت کا کتنا درد تھا اور وہ مسلمانوں کی باہمی خانہ جنگی کو کتنی بُری نگاہ سے دیکھتے تھے، اس کے علاوہ ابن خلدون نے نقل کیا ہے کہ جب حضرت معاویہؓ نے حضرت حسنؓ سے صلح کا ارادہ کیا تو ایک سفید کاغذ منگوایا اور اس کے آخر میں اپنی مہر لگائی اور کاغذ حضرت حسنؓ کے پاس روانہ فرما کر کہلا بھیجا کہ یہ سفید کاغذ آپ کی طرف بھیج رہا ہوں اور اس کے آخر میں، میں نے اپنی مہر لگا دی ہے، آپ جو چاہیں شرطیں تحریر فرما دیں مجھے منظور ہیں۔ (مقدمہ ابن خلدون)

چنانچہ حضرت حسینؓ نے کچھ شرطیں لکھ دیں اور اس طرح ۴۱ھ میں آپ کے اور حضرت حسنؓ کے درمیان صلح ہو گئی اور تمام مسلمانوں نے متفقہ طور پر آپ کو خلیفہ مقرر کر کے آپ کے ہاتھ پر بیعت کر لی، اس سال کو تاریخ عرب میں عام الجماعۃ کے نام سے یاد کیا جاتا ہے کہ یہ وہ سال ہے کہ جس میں امت کا منتشر شیرازہ پھر مجتمع ہو گیا اور دنیا بھر کے

مسلمانوں نے ایک خلیفہ کے ہاتھ پر بیعت کرلی۔

علامہ ابن کثیرؒ لکھتے ہیں: کہ جب حضرت حسنؓ صلح کر کے مدینہ تشریف لائے تو ایک شخص نے حضرت معاویہؓ سے صلح کرنے پر آپ کو برا بھلا کہا تو آپ نے فرمایا:

مجھے برا بھلامت کہو، کیوں کہ میں نے نبی کریم کو یہ فرماتے سنا ہے کہ رات اور دن کی گردش اس وقت تک ختم نہ ہوگی جب تک کہ معاویہؓ امیر نہ ہو جائیں گے۔ (حافظ ابن کثیر)

حضرت معاویہؓ کے امیر المومنین ہو جانے کے بعد جہاد کا وہ سلسلہ از سرِنو شروع ہو گیا، جو حضرت عثمانؓ کی شہادت کے بعد بند ہو گیا تھا، آپ نے اہل روم سے جہاد کیا، آپ نے اہل روم کے خلاف سولہ جنگیں لڑیں، آپ نے لشکر کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا تھا، ایک حصہ کو آپ گرمی کے موسم میں جہاد کے لئے روانہ فرما دیتے تھے، پھر جب سردیوں کا موسم آتا تو آپ دوسرا تازہ دم حصہ جہاد کے لئے بھیجتے تھے، آپ کی آخری وصیت بھی یہ تھی:

شد خناق الروم ''روم کا گلا گھونٹ دو''۔ (ابن کثیرؒ: البدایہ والنہایہ)

۴۹ھ میں آپ نے قسطنطنیہ کی جانب زبردست لشکر روانہ کیا جس کا سپہ سالار سفیان بن عوف کو مقرر کیا۔ (التغری بردیؒ: النجوم الزاہرۃ)

اس لشکر میں اجلہ صحابہ کرام شریک تھے، اور یہی وہ غزوہ ہے جس کی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی حیات میں ہی پیشین گوئی فرما دی تھی، اور اس میں شریک ہونے والوں کے متعلق فرمایا تھا:

پہلا لشکر جو قسطنطنیہ کا جہاد کرے گا ان کو بخش دیا جائے گا۔ (حافظ ابن کثیر)

آپ ہی کے دورِ خلافت میں صقلیہ کے عظیم الشان جزیرہ پر مسلمانوں نے فوج کشی کی اور کثیر تعداد میں، مال غنیمت مسلمانوں کے قبضہ میں آیا تھا۔ (مقدمہ ابن خلدون)

نیز آپ ہی کے زمانے میں سجستان سے کابل تک کا علاقہ فتح ہوا اور سوڈان کا پورا ملک اسلامی حکومت کے زیرنگین آ گیا۔ (ابن حزم)

ذیل میں ان غزوات کا ایک انتہائی اجمالی خاکہ پیش خدمت ہے جو حضرت معاویہؓ کے عہد حکومت میں پیش آئے،

اس سے قبل حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ کے عہد خلافت میں حضرت معاویہؓ ایک

طویل عرصہ تک شام کے گورنر رہے، اس دوران انہوں نے رومی نصرانیوں کے خلاف بہت سے جہاد کیے، وہ سب ان کے علاوہ ہیں۔

غزوات: ۲۷ھ۔اس سال آپ بحری بیڑہ لے کر قبرص کی جانب بڑھے، مسلمانوں کی، تاریخ میں پہلی بحری جنگ تھی۔

۲۸ھ۔قبرص کا عظیم الشان جزیرہ مسلمانوں کے ہاتھوں فتح ہوگیا۔

۳۲ھ۔اس سال حضرت معاویہؓ نے قسطنطنیہ کے قریب کے علاقوں میں جہاد جاری رکھا۔

۳۳ھ۔افرنطیہ، ملطیہ، اور روم کے کچھ قلعے فتح ہوئے۔

۳۵ھ۔آپؓ کی قیادت میں غزوہ ذی خشب، پیش آیا۔

۴۲ھ۔غزوہ بجستان پیش آیا اور سندھ کا کچھ حصہ مسلمانوں کے زیر نگین آ گیا۔

۴۳ھ۔ملک سوڈان فتح ہوا اور بجستان کا مزید علاقہ مسلمانوں کے قبضہ میں آیا۔

۴۴ھ۔کابل فتح ہوا اور مسلمان ہندوستان میں قندابیل کے مقام تک پہنچ گئے۔

۴۵ھ۔افریقہ پر لشکرکشی کی گئی اور ایک بڑا حصہ مسلمانوں کے زیر نگین آیا۔

۴۶ھ۔صقلیہ (سسلی) پر پہلی بار حملہ کیا گیا اور کثیر تعداد میں مال غنیمت مسلمانوں کے قبضے میں آیا۔

۴۷ھ۔افریقہ کے مزید علاقوں میں غزوات جاری رہے۔

۵۱/۵۰ھ۔غزوہ قسطنطنیہ پیش آیا، یہ قسطنطنیہ پر مسلمانوں کا پہلا حملہ تھا۔

۵۴ھ۔مسلمان نہر جیحون کو عبور کرتے ہوئے بخارا تک جا پہنچے۔

۵۶ھ۔غزوہ سمرقند پیش آیا۔

سیرت: آپ ایک وجیہ اور خوبصورت انسان تھے، رنگ گورا تھا اور چہرہ پر وقار اور بردباری تھی۔ (ابن حجر: الاصابہ)

حضرت مسلمؒ فرماتے ہیں کہ معاویہؓ ہمارے پاس آئے اور وہ لوگوں میں سب سے زیادہ خوبصورت اور حسین تھے۔ (مجمع الزوائد ومنبع الفوائد)

اس ظاہری حسن و جمال کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے آپ کو سیرت کی خوبیوں سے بھی نوازا تھا، چنانچہ ایک بہترین عادل حکمران میں جو اوصاف ہوسکتے ہیں وہ آپ کی ذات میں

موجود تھے، حضرت عمرؓ فرمایا کرتے تھے:

''تم قیصر و کسریٰ اور ان کی سیاست کی تعریف کرتے ہو حالانکہ تم میں معاویہؓ موجود ہیں۔'' (ابن طباطبا)

حکمران کی حیثیت سے

حضرت امیر معاویہؓ کے زمانے میں مسلمانوں کی طاقت میں اضافہ ہوا، حضرت عثمانؓ کے زمانے سے باہمی خانہ جنگی کی وجہ سے فتوحات کا سلسلہ رک گیا تھا، آپ کے عہد حکومت میں یہ سلسلہ پوری قوت کے ساتھ جاری ہوگیا، حضرت معاویہؓ نے حضرت عثمانؓ کے زمانے ہی میں بحری فوج قائم کر لی تھی اور عبداللہ بن قیس حارثی کو اس کا افسر مقرر کیا تھا، اپنے عہد حکومت میں انہوں نے بحری فوج کو بہت ترقی دی، مصر و شام کے ساحلی علاقوں میں بہت سے جہاز سازی کے کارخانے قائم کئے چنانچہ ایک ہزار سات سو جنگی جہاز رومیوں کا مقابلہ کرنے کے لئے تیار رہتے تھے، بحری فوج کے کمانڈر جنادہ بن ابی امیہ تھے، اس عظیم الشان بحری طاقت سے آپ نے قبرص، روڈس جیسے اہم یونانی جزیرے فتح کئے اور اسی بحری بیڑہ سے قسطنطنیہ کے حملہ میں بھی کام لیا۔

ڈاک کا محکمہ حضرت عمرؓ کے زمانے میں قائم ہو چکا تھا آپ نے اس کی تنظیم و توسیع کی اور تمام حدود سلطنت میں اس کا جال پھیلا دیا۔

آپ نے ایک نیا محکمہ دیوان خاتم کے نام سے بھی قائم کیا۔

نیز آپ نے خانہ کعبہ کی خدمت کے لئے متعدد غلام مقرر فرمائے اور دیباج و حریر کا بہترین غلاف بیت اللہ پر چڑھایا۔

آپ اکتالیس سال امیر رہے (حافظ ابن کثیرؒ) حافظ ابن کثیرؒ آپ کے عہد حکومت پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں: (حافظ ابن کثیرؒ)

آپ کے دور حکومت میں جہاد کا سلسلہ قائم رہا، اللہ کا کلمہ بلند ہوتا رہا اور مال غنیمت، سلطنت کے اطراف سے بیت المال میں آتا رہا، اور مسلمانوں نے راحت و آرام اور عدل و انصاف سے زندگی بسر کی۔

آپ تالیف قلب، عدل وانصاف اور حقوق کی ادائیگی میں خاص احتیاط برتتے تھے۔ (ابن تیمیہؒ)

اسی وجہ سے حضرت سعد بن ابی وقاصؓ جو عشرہ مبشرہ میں سے ہیں، آپؓ کے متعلق فرمایا کرتے تھے: کہ میں نے حضرت عثمانؓ کے بعد حضرت معاویہؓ سے بڑھ کر کسی کو حق کا فیصلہ کرنے والا نہ پایا۔ (حافظ ابن کثیرؒ: البدایہ والنہایہ)

حضرت ابواسحٰق السبیعیؒ فرمایا کرتے تھے:

''اگر تم حضرت معاویہؓ کو دیکھتے یا ان کا زمانہ پالیتے تو (عدل وانصاف کی وجہ سے) تم ان کو مہدی کہتے۔ (حوالہ مذکورہ بالا)

اور حضرت مجاہدؒ سے بھی منقول ہے کہ وہ فرماتے: اگر تم معاویہؓ کے دور کو پالیتے تو کہتے کہ مہدی تو یہ ہیں۔ (العواصم من القواصم)

اسی طرح ایک بار امام اعمشؒ کی مجلس میں حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کا تذکرہ ہوا تو امام اعمش فرمانے لگے:

اگر تم حضرت معاویہؓ کے زمانے کو پالیتے تو تمہیں پتہ چل جاتا، لوگوں نے پوچھا ان کے حلم اور بردباری کا؟ فرمایا: نہیں! بلکہ ان کے عدل وانصاف کا۔ (حوالہ مذکورہ بالا)

آپ کی ان ہی خوبیوں کی وجہ سے حضرت امام اعمشؒ آپ کو ''المصحف'' کے نام سے یاد کرتے تھے۔ (قاضی ابوبکر بن عربی)

آپ کا دور حکومت ہر اعتبار سے ایک کامیاب دور شمار کیا جاتا ہے۔ آپ کے دور میں مسلمان خوش حال رہے اور انہوں نے امن وچین کی زندگی گزاری، آپ نے رعایا کی بہتری اور دیکھ بھال کے لئے متعدد اقدامات کیے، جن میں سے ایک انتظام آپ نے یہ کیا کہ ہر قبیلہ اور قصبہ میں آدمی مقرر کیئے جو ہر خاندان میں گشت کر کے یہ معلوم کرتے کہ کوئی بچہ تو پیدا نہیں ہوا؟ یا کوئی مہمان باہر سے آ کر تو یہاں نہیں ٹھہرا؟ اگر کسی بچے کی پیدائش یا کسی مہمان کی آمد کا علم ہوتا تو اس کا نام لکھ لیتے اور پھر بیت المال سے اس کے لئے وظیفہ جاری کر دیا جاتا تھا۔ (منہاج السنۃ)

امام بخاریؒ نے اپنی کتاب الادب المفرد میں بیان کیا ہے کہ حضرت معاویہؓ نے حکم دیا

تھا کہ دمشق کے غنڈوں اور بدمعاشوں کی فہرست بنا کر مجھے بھیجی جائے۔ (الادب المفرد)

اس کے علاوہ آپ نے رفاہ عامہ کے لئے نہریں کھدوائیں، جو نہریں بند ہو چکی تھیں انہیں جاری کروایا مساجد تعمیر کرائیں اور عامۃ المسلمین کی بھلائی اور بہتری کے لئے اور کئی دوسرے اقدامات کیئے۔ آپ کے ان اقدامات کی وجہ سے عوام بھی آپ سے محبت کرتے تھے اور آپ پر جان نثار کرنے کے لئے ہمہ وقت تیار رہتے تھے۔

ابن تیمیہؒ لکھتے ہیں: حضرت معاویہؓ کا برتاؤ اپنی رعایا کے ساتھ بہترین حکمران کا برتاؤ تھا اور آپ کی رعایا آپ سے محبت کرتی تھی اور صحیحین بخاری و مسلم میں یہ حدیث ثابت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تمہارے امراء میں سب سے بہتر امیر وہ ہیں کہ تم ان سے محبت کرتے ہو اور وہ تم سے اور تم ان پر رحمت بھیجتے ہو اور وہ تم پر۔ (منہاج السنۃ)

یہی وجہ تھی کہ اہل شام آپ پر جان چھڑکتے تھے اور آپ کے ہر حکم کی دل و جان سے تعمیل کرتے تھے، چنانچہ ایک مرتبہ حضرت علیؓ نے اپنے لشکریوں سے مخاطب ہوتے ہوئے ارشاد فرمایا: کیا یہ عجیب بات نہیں کہ معاویہؓ اکھڑ جاہلوں کو بلاتے ہیں تو وہ بغیر عطیہ اور داد و دہش کے اس کی پیروی کرتے ہیں اور سال میں دو تین بار جدھر چاہیں ادھر انہیں لے جاتے ہیں اور میں تمہیں بلاتا ہوں، حالانکہ تم لوگ عقل مند ہو، اور عطیات پاتے رہتے ہو مگر تم میری نافرمانی کرتے ہو، میرے خلاف کھڑے ہو جاتے ہو، اور میری مخالفت کرتے رہتے ہو۔ (تاریخ طبری)

آپ کی رعایا کے آپ پر فدا ہونے کا ایک سبب یہ بھی تھا کہ آپ رعایا کے ایک ادنیٰ فرد کی مصیبت اور اس کی تکلیف کو اپنی تکلیف محسوس کرتے تھے اور ان کی تکلیف دور کرنے میں کسی قسم کا کوئی دقیقہ باقی نہ چھوڑتے تھے۔ چنانچہ ایک واقعہ سے اس بات کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔

حضرت ثابت جو ابو سفیانؓ کے آزاد کردہ غلام تھے وہ بیان کرتے ہیں کہ میں روم کے ایک غزوہ میں حضرت معاویہؓ کے ساتھ شریک تھا، جنگ کے دوران ایک عام سپاہی اپنی سواری سے گر پڑا اور اٹھ نہ سکا تو اس نے لوگوں کو مدد کے لئے پکارا، سب سے پہلے جو شخص اپنی سواری سے اتر کر اس کی مدد کو دوڑا وہ حضرت معاویہؓ تھے۔ (مجمع الزوائد) آپؓ کے ان اوصاف اور آپ کے دور حکومت کی ان خصوصیات کا اعتراف عام مورخین کے علاوہ خود

شیعہ مؤرخین کو بھی کرنا پڑا۔ چنانچہ شیعی مؤرخ امیر علی لکھتے ہیں:

''مجموعی طور پر حضرت معاویہؓ کی حکومت اندرون ملک بڑی خوشحال اور پر امن تھی اور خارجہ پالیسی کے لحاظ سے بڑی کامیاب تھی۔'' (حضرت معاویہؓ: مولفہ حکیم محمود احمد ظفر سیالکوٹی)

اور اس کی وجہ یہ تھی کہ حضرت معاویہؓ عام مسلمانوں کے معاملات میں دلچسپی لیتے، ان کی شکایات کو بغور سنتے اور پھر حتی الامکان انہیں دور فرماتے تھے۔

حضرت معاویہؓ کے روزمرہ کے معمولات

مشہور مؤرخ مسعودی نے آپ کے دن بھر کے اوقات کا تفصیلی نقشہ کھینچا ہے۔ مسعودی (یاد رہے کہ یہ مشہور متعصب معتزلی مورخ ہیں) لکھتے ہیں:

آپ فجر کی نماز ادا کر کے زیر سلطنت ممالک سے آئی ہوئی رپورٹیں سنتے پھر قرآن حکیم کی تلاوت فرماتے اور تلاوت کے بعد گھر تشریف لے جاتے اور وہاں ضروری احکامات جاری کرتے، پھر نماز اشراق ادا کر کے باہر تشریف لاتے اور خاص خاص لوگوں کو طلب فرماتے اور ان کے ساتھ دن بھر کے ضروری امور کے متعلق مشورہ کرتے، اس کے بعد ناشتہ لایا جاتا جو رات کے بچے ہوئے کھانے میں سے ہوتا۔ پھر آپ کافی دیر تک مختلف موضوعات پر باتیں کرتے رہتے اور اس کے بعد گھر تشریف لے جاتے۔ تھوڑی دیر بعد باہر تشریف لاتے اور مسجد میں مقصورہ سے کمر لگا کر کرسی پر بیٹھ جاتے، اس وقت میں عام مسلمان جن میں کمزور، دیہاتی بچے، عورتیں سب شامل ہوتے، آپ کے پاس آتے اور اپنی ضرورتیں اور تکلیفیں بیان کرتے تھے، آپ ان سب کی دل دہی کرتے، ضرورتیں پوری فرماتے، اور ان کی تکلیفوں کو دور کرتے تھے۔ جب تمام لوگ اپنی حاجتیں بیان کر لیتے اور آپ ان کے متعلق احکام جاری فرما دیتے اور کوئی باقی نہ بچتا تو آپ اندر تشریف لے جاتے اور وہاں خاص خاص لوگوں، معززین اور اشراف قوم سے ملاقات فرماتے، آپ ان سے کہتے:

''حضرات! آپ کو اشراف قوم اس لئے کہا جاتا ہے کہ آپ کو اس مجلس خصوصی میں حاضر ہونے کا شرف حاصل ہے، لہٰذا آپ کا فرض ہے جو لوگ یہاں حاضر نہیں ہیں ان کی

ضرورتیں بیان کریں۔"

وہ ضرورتیں بیان کرتے اور آپ ان کو پورا فرماتے پھر دوپہر کا کھانا لایا جاتا اور اس وقت کاتب بھی حاضر ہوتا وہ آپ کے سرہانے کھڑا ہو جاتا اور باریاب ہونے والوں کو ایک ایک کر کے پیش کرتا اور جو کچھ وہ اپنی مشکلات اور معروضات تحریر کر کے لاتے، آپ کو پڑھ کر سناتا رہتا آپ کھانا کھاتے جاتے اور احکام لکھواتے جاتے تھے اور ہر باریاب ہونے والا شخص جب تک حاضر رہتا کھانے میں شریک رہتا، پھر آپ گھر تشریف لے جاتے اور ظہر کی نماز کے وقت تشریف لاتے۔ ظہر کی نماز کے بعد خاص مجلس ہوتی جس میں وزراء سے ملکی امور کے متعلق مشورہ ہوتا اور احکامات جاری ہوتے۔ یہ مجلس عصر تک جاری رہتی، آپؓ عصر کی نماز ادا کرتے اور پھر عشاء کے وقت تک مختلف امور میں مشغول رہتے، عشاء کی نماز کے بعد امراء سے امور سلطنت پر گفتگو ہوتی۔ یہ گفتگو ختم ہوتی تو علمی مباحث چھڑ جاتے اور یہ سلسلہ رات گئے تک جاری رہتا تھا۔ (ملخص از مسعودی) مسعودی کا بیان ہے کہ آپ نے دن میں پانچ اوقات ایسے رکھے ہوئے تھے جن میں لوگوں کو عام اجازت تھی کہ وہ آئیں اور اپنی شکایات بیان کریں۔

حلم، بردباری اور نرم خوئی

آپ اس درجہ کے حلیم اور بردبار تھے کہ آپ کا حلم ضرب المثل بن گیا، اور آپ کے تذکرہ کے ساتھ حلم کا تصور اتنا لازم ہو گیا کہ بغیر اس کے آپ کا تذکرہ نامکمل ہے، آپ کے مخالفین آپ کے پاس آتے اور بسا اوقات انتہائی نازیبا رویہ اور سخت کلامی کے ساتھ پیش آتے، مگر آپؓ اسے ہنسی سے ٹال دیتے، یہی وہ رویہ تھا جس نے بڑے بڑے سرداروں اور آپ کے مخالفوں کو آپ کے سامنے سر جھکانے پر مجبور کر دیا، چنانچہ حضرت قبیصہ بن جابر کا قول ہے کہ:۔

"میں نے حضرت معاویہؓ سے بڑھ کر کسی کو بردبار نہیں پایا۔" (النجوم الزاھرۃ)

ابن عون کا بیان ہے کہ حضرت معاویہؓ کے زمانے میں ایک آدمی کھڑا ہوتا اور ان سے کہتا: اے معاویہؓ! تم ہمارے ساتھ ٹھیک ہو جاؤ ورنہ ہم تمہیں سیدھا کر دیں گے، اور سیدنا معاویہؓ فرماتے: بھلا کس چیز سے سیدھا کرو گے؟ تو وہ جواب میں کہتا کہ لکڑی سے، آپ

فرماتے: اچھا! پھر ہم ٹھیک ہو جائیں گے۔'' (حافظ ذہبی)

حضرت مسورؓ کا واقعہ مشہور ہے کہ شروع میں آپ کے مخالف تھے پھر وہ آپ کے پاس اپنی کسی حاجت سے آئے، آپؓ نے وہ حاجت پوری کی، پھر انہیں بلایا اور فرمایا:

اے مسور! تم ہم پر کیا کچھ طعن و تشنیع کرتے رہے ہو؟

حضرت مسورؓ نے جواب دیا: اے امیر المؤمنین! جو کچھ ہوا اسے بھول جایئے۔

آپ نے فرمایا: نہیں! وہ سب باتیں جو تم میرے متعلق کہا کرتے تھے بیان کرو۔

چنانچہ حضرت مسورؓ نے وہ تمام باتیں آپ کے سامنے دہرادیں جو وہ آپ کے متعلق کہا کرتے تھے، آپ نے خندہ پیشانی کے ساتھ تمام الزامات کو سنا اور ان کا جواب دیا، آپ کے اس رویہ کا اثر یہ ہوا کہ اس واقعہ کے بعد حضرت مسورؓ جب بھی حضرت معاویہؓ کا ذکر کرتے بہترین الفاظ میں کرتے اور ان کے لئے دعائے خیر کیا کرتے تھے۔ (خطیب بغدادی)

آپ کے حلم اور بردباری کے واقعات، کتب تاریخ میں بھرے پڑے ہیں۔ منہ پھٹ لوگ اور مخالفین آتے اور جس طرح منہ میں آتا، شکایتیں پیش کرتے مگر آپ انتہائی بردباری سے کام لیتے، ان کی شکایات سنتے، ان کی تکلیفوں کو حتی الامکان دور کرتے اور ان کو انعامات سے نوازتے تھے، اسی کا نتیجہ تھا کہ جب وہ آپ کی مجلس سے اٹھتے تو آپ کے گرویدہ ہو کر مجلس سے باہر آتے، خود حضرت معاویہؓ کا قول ہے کہ:

غصہ کے پی جانے میں جو مزہ مجھے ملتا ہے وہ کسی شے میں نہیں ملتا۔ (تاریخ طبری)

مگر یہ سب حلم اور بردباری اس وقت تک ہوتی جب تک کہ دین اور سلطنت کے امور پر زور نہ پڑتی ہو اسی وجہ سے اگر کہیں سختی کرنے کا موقع ہوتا تو سختی بھی فرماتے اور اصولوں پر کسی قسم کی مداہنت برداشت نہ کرتے۔ چنانچہ آپؓ کا قول ہے:

کہ میں لوگوں اور ان کی زبانوں کے درمیان اس وقت تک حائل نہیں ہوتا جب تک کہ وہ ہمارے اور ہماری سلطنت کے درمیان حائل نہ ہونے لگیں۔'' (تاریخ کامل)

اسی طرح ایک اور موقعہ پر حضرت معاویہؓ اصول سیاست بیان کرتے ہوئے فرماتے:

''جہاں میرا کوڑا کام دیتا ہے وہاں تلوار کام میں نہیں لاتا، جہاں زبان کام دیتی ہے

وہاں کوڑا کام میں نہیں لاتا، اگر میرے اور لوگوں کے درمیان بال برابر تعلق بھی قائم ہوا سے قطع نہیں ہونے دیتا، جب لوگ اسے کھینچتے ہیں تو میں ڈھیل دیدیتا ہوں، اور جب وہ ڈھیل دیتے ہیں تو میں کھینچ لیتا ہوں۔ (یعقوبی)

عفوودرگذر اور حسن اخلاق

حق تعالیٰ نے آپ کو دیگر صفات محمودہ کے علاوہ حسن خلق اور عفوو درگذر کی اعلیٰ صفات سے بھی نوازا تھا، ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ مخالفین اور جہلاء آپ کے پاس آتے، بدتہذیبی کے ساتھ پیش آتے اور آپ بلند حوصلگی سے کام لے کر درگزر کرتے، اس سلسلہ میں ایک عجیب وغریب واقعہ کا ذکر کرنا بیجا نہ ہوگا، جس سے حضرت معاویہؓ کے صبر وتحمل، فداکاری اور اطاعت رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر روشنی پڑتی ہے۔

واقعہ یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات بابرکات میں حضرت وائل بن حجرؓ جو "حضرموت" کے بادشاہ کے بیٹے تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اسلام قبول کرنے کے لئے حاضر ہوئے اور مشرف بہ اسلام ہونے کے بعد کچھ روز آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس مقیم رہے، جب وہ واپس ہونے لگے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاویہؓ کو کسی ضرورت کی وجہ سے ان کے ساتھ کر دیا، حضرت معاویہؓ ساتھ ہو لئے، یہ پیدل تھے اور وائل بن حجرؓ اونٹ پر سوار۔ حضرت وائلؓ خاندانی شہزادے تھے اور نئے نئے اسلام لائے تھے، اس لئے شہزادگی کی خوبو ابھی باقی تھی اس لئے انہوں نے حضرت معاویہؓ کو ساتھ بٹھانا گوارا نہ کیا، کچھ دور تک تو حضرت معاویہؓ پیدل چلتے رہے مگر عرب کی صحرا کی گرمی، الامان والحفیظ! جب پاؤں تپتی ہوئی ریت میں جھلسنے لگے تو تنگ آ کر حضرت وائلؓ سے گرمی کی شکایت کی اور کہا کہ:۔

مجھے بھی اپنے ساتھ سوار کر لیجئے، مگر وہ شہزادگی کی شان میں تھے، کہنے لگے: "یہ کیوں کر ممکن ہے کہ میں تمہیں سوار کر لوں تم ان لوگوں میں سے نہیں ہو جو بادشاہوں کے ساتھ سوار ہو سکتے ہوں۔"

حضرت معاویہؓ نے کہا: اچھا! اپنے جوتے ہی دے دیجئے کہ ریت کی گرمی سے کچھ بچ جاؤں، مگر انہوں نے اس سے بھی انکار کر دیا اور کہنے لگے:

تمہارے لئے بس اتنا شرف کافی ہے کہ میری اونٹنی کا جو سایہ زمین پر پڑ رہا ہے اس پر پاؤں رکھ کر چلتے رہو، مختصر یہ کہ انہوں نے نہ حضرت معاویہؓ کو سوار ہونے دیا اور نہ اس

قیامت خیز گرمی سے بچنے کا کوئی اور انتظام کیا۔ اور سارا راستہ حضرت معاویہؓ نے پیدل طے کیا۔ ظاہر ہے کہ حضرت معاویہؓ بھی خاندانی اعتبار سے کچھ کم رتبہ نہیں تھے وہ بھی سردار قریش کے بیٹے تھے۔ لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی اطاعت کے لئے پیشانی پر شکن لائے بغیر ان کے ساتھ چلتے رہے۔

مگر یہی وائل بن حجرؓ حضرت معاویہؓ کے پاس اس وقت آتے ہیں جب وہ خلیفہ بن چکے ہیں تو حضرت معاویہؓ انہیں پہچانتے ہیں اور وہ سارا واقعہ ان کی آنکھوں کے سامنے پھر جاتا ہے۔ مگر اس کے باوجود وہ سب کچھ بھلا کر ان کی بھرپور مہمانداری کرتے ہیں اور ان کے ساتھ انتہائی عزت واکرام کا برتاؤ کرتے ہیں۔ (الاستیعاب) اس واقعہ سے آپ کے اخلاق کریمانہ، بلند حوصلگی اور عفو ودرگذر کا کچھ اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔

عشق نبویؐ

آپ کو سرکار دو عالمؐ سے گہرا تعلق اور عشق تھا' ایک مرتبہ آپ کو پتہ چلا کہ بصرہ میں ایک شخص جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بہت مشابہت رکھتا ہے' آپ نے وہاں کے گورنر کو خط لکھا کہ تم فوراً اسے عزت واکرام کے ساتھ یہاں روانہ کردو' چنانچہ اسے عزت و اکرام کے ساتھ لایا گیا' آپ نے آگے بڑھ کر اس کا استقبال کیا' اس کی پیشانی پر بوسہ دیا اور اس کو انعامات اور خلعت سے نوازا۔ (الحجر)

اسی عشق رسولؐ کی بناء پر آپ نے سرکار دو جہاںؐ کے کٹے ہوئے ناخن' ایک کپڑا اور بال مبارک سنبھال کر حفاظت کے ساتھ رکھے ہوئے تھے جن کے متعلق آپ نے اپنی وفات کے وقت وصیت کی کہ انہیں میری ناک' کان اور آنکھوں میں رکھ کر مجھے دفنا دیا جائے۔ (ابن اثیر)

اسی طرح وہ چادر جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت کعب بن زہیر کو ان کا قصیدہ سن کر مرحمت فرمائی تھی اسے آپ نے رقم دے کر حاصل کیا تھا۔ (تاریخ ابن خلدون)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اسی تعلق کی وجہ سے آپ کی بہت سی اداؤں میں سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی اداؤں کی جھلک پائی جاتی تھی' چنانچہ حضرت ابوالدرداء فرمایا کرتے تھے:۔

کہ میں نے نماز پڑھنے میں کسی کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اتنا مشابہ نہیں

پایا' جتنے حضرت معاویہؓ آپؐ سے مشابہ تھے۔ (مجمع الزوائد)

یہی عشق رسولؐ تھا جس کی وجہ سے آپ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہر قول وفعل کو دل وجان سے قبول کرتے تھے۔

حضرت جبلہ بن سحیم بیان کرتے ہیں کہ ایک بار میں حضرت معاویہؓ کی خلافت کے دوران انکے پاس گیا تو دیکھا کہ گلے میں رسی پڑی ہوئی ہے جسے ایک بچہ کھینچ رہا ہے اور آپ اس سے کھیل رہے ہیں' جبلہ بن سحیم کہتے ہیں کہ میں نے پوچھا: اے امیر المومنین! یہ آپ کیا کر رہے ہیں؟

حضرت معاویہؓ نے جواب دیا "بیوقوف چپ رہو! میں نے نبی کریمؐ کو یہ فرماتے سنا ہے کہ اگر کسی کے پاس بچہ ہو تو وہ بھی بچوں کی سی حرکتیں کرلیا کرے تاکہ بچہ خوش ہوجائے۔ (سیوطی)

اطاعت پیمبر صلی اللہ علیہ وسلم

اطاعت رسول کی ایک نادر مثال وہ واقعہ ہے جو مشکوٰۃ شریف میں منقول ہے کہ حضرت معاویہؓ اور اہل روم کے درمیان ایک مرتبہ صلح کا معاہدہ ہوا' صلح کی مدت کے دوران آپ اپنی فوجوں کو روم کی سرحدوں پر جمع کرتے رہے' مقصد یہ تھا کہ جونہی مدت معاہدہ ختم ہو گی فوراً حملہ کر دیا جائے گا' رومی حکام اس خیال میں ہوں گے کہ ابھی تو مدت ختم ہوئی ہے اتنی جلدی مسلمانوں کا ہم تک پہنچنا ممکن نہیں' اس لئے وہ حملہ کا مقابلہ کرنے کے لیے تیار نہیں ہوں گے اور اس طرح فتح آسان ہوجائے گی چنانچہ ایسا ہی ہوا اور جیسے ہی مدت پوری ہوئی' آپ نے پوری قوت سے رومیوں پر یلغار کر دی وہ لوگ اس ناگہانی حملے کی تاب نہ لا سکے' اور پسپا ہونے لگے' آپ روم کا علاقہ فتح کرتے ہوئے چلے جا رہے تھے کہ ایک صحابی حضرت عمرو بن عبسہؓ پکارتے ہوئے آئے: "وفاء لا غدر" مومن کا شیوہ وفا ہے غدر وخیانت نہیں۔

آپؓ نے پوچھا: کیا بات ہے؟

وہ کہنے لگے: میں نے نبی کریمؐ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ "جب دو قوموں کے درمیان کوئی صلح کا معاہدہ ہو تو اس معاہدہ کی مدت میں نہ تو کوئی فریق عہد کھولے نہ باندھے (یعنی اس میں کوئی تغیر نہ کرے) یہاں تک کہ مدت گزر جائے۔"

حضرت عمرو بن عبسہؓ کا مقصد یہ تھا کہ اس حدیث کی رو سے جنگ بندی کے دوران جس طرح حملہ کرنا ناجائز ہے اسی طرح دشمن کے خلاف فوجوں کو لے کر روانہ ہونا بھی جائز

نہیں، چنانچہ جب حضرت معاویہؓ نے سرکار دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان سنا تو فوراً حکم دیا کہ فوجیں واپس ہو جائیں، چنانچہ پورا لشکر واپس ہو گیا اور جو علاقہ فتح ہو چکا تھا اسے بھی خالی کر دیا گیا۔ (مشکوٰۃ المصابیح) ایفاء عہد کی یہ حیرت انگیز مثال شاید ہی کسی اور قوم کے پاس ہو کہ عین اس وقت جبکہ تمام فوجیں فتح کے نشہ میں چور ہوں، صرف ایک جملہ سن کر سارا علاقہ خالی کرنے کا حکم دے دیا اور لشکر کا ایک ایک فرد کسی حیل وحجت کے بغیر فوراً واپس لوٹ گیا۔

اسی طرح ایک بار حضرت ابومریم الازدیؓ آپؓ کے پاس گئے، آپؓ نے پوچھا کیسے آنا ہوا؟ کہنے لگے! میں نے ایک حدیث سنی ہے وہ آپ کو سنانے آیا ہوں اور وہ حدیث یہ ہے کہ میں نے نبی کریم کو یہ کہتے سنا، آپ فرما رہے تھے کہ جس شخص کو اللہ نے مسلمانوں پر مقرر کیا اور اس نے مسلمانوں اور اپنے درمیان پردے حائل کر لیے تو اللہ اس کے اور اپنے درمیان پردے حائل کر دے گا۔ ابومریم الازدیؓ بیان کرتے ہیں کہ جیسے ہی مجھ سے حضرت معاویہؓ نے یہ حدیث سنی فوراً حکم دیا کہ ایک آدمی مقرر کیا جائے جو لوگوں کی حاجتوں کو ان کے سامنے پیش کرتا رہے۔ (حافظ ابن کثیر)

خشیت باری تعالیٰ

حضرت معاویہؓ کے بارے میں ایسے بہت سے واقعات ملتے ہیں جن سے آپ کے خوف وخشیت اور فکر آخرت کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ آپ مواخذہ قیامت کے خوف سے لرزہ براندام رہتے تھے، اور اس کے عبرت آموز واقعات سن کر زار وقطار روتے تھے۔ علامہ ذہبیؒ نے اپنی تاریخ میں نقل کیا ہے کہ حضرت معاویہؓ ایک جمعہ کو دمشق کی جامع مسجد میں خطبہ دینے کے لئے تشریف لائے اور فرمایا: ”جو کچھ مال ہے وہ سب ہمارا ہے اور جو کچھ مال غنیمت ہے وہ بھی صرف ہمارا ہے، ہم جس کو چاہیں گے دیں گے اور جس سے چاہیں گے روک لیں گے۔“ (ترمذی)

آپ نے یہ بات کہی، کسی نے اس کا جواب نہ دیا، اور بات آئی گئی ہو گئی، دوسرا جمعہ آیا اور آپ خطبہ کے لئے تشریف لائے تو آپ نے پھر یہی بات دہرائی، پھر کسی نے جواب نہ دیا اور خاموشی طاری رہی، تیسرا جمعہ آیا اور آپ نے پھر یہی فرمایا تو ایک آدمی کھڑا ہوا اور کہنے لگا: ہرگز نہیں! مال ہمارا ہے اور مال غنیمت کا مال بھی ہمارا ہے، جو ہمارے اور اس کے درمیان حائل ہوگا ہم تلواروں کے ذریعے اللہ تک اس کا فیصلہ لے جائیں گے، یہ سن کر آپ

منبر سے اتر آئے اور اس آدمی کو بلا بھیجا اور اندر لے گئے' لوگوں میں چہ میگوئیاں ہونے لگیں' آپ نے حکم دیا کہ سب دروازے کھول دیئے جائیں اور لوگوں کو اندر آنے دیا جائے' لوگ اندر آ گئے تو دیکھتے ہیں کہ وہ حضرت معاویہؓ کے ساتھ بیٹھا ہوا ہے۔

حضرت معاویہؓ نے فرمایا: اللہ اس شخص کو زندگی عطا فرمائے اس نے مجھے زندہ کر دیا' میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا تھا' آپ فرماتے تھے: میرے بعد کچھ حکمران ایسے آئیں گے جو (غلط) بات کہیں گے اور ان پر نکیر نہیں ہوگی اور ایسے حکمران جہنم میں جائیں گے۔ تو میں نے یہ بات پہلے جمعہ کو کہی اور کسی نے جواب نہ دیا تو میں ڈرا کہیں میں بھی ان حکمرانوں میں سے نہ ہو جاؤں' پھر دوسرا جمعہ آیا اور اس میں بھی یہ واقعہ پیش آیا تو مجھے اور فکر ہو گئی یہاں تک کہ تیسرا جمعہ آیا اور اس شخص نے میری بات پر نکیر کی اور مجھے ٹوکا تو مجھے امید ہوئی کہ میں ان حکمرانوں میں سے نہیں ہوں۔ (تاریخ الاسلام)

سادگی اور فقر و استغناء

حضرت معاویہؓ کے مخالفین نے اس بات کا پروپیگنڈہ بڑی شدومد کے ساتھ کیا ہے کہ آپ ایک جاہ پسند انسان تھے' حالانکہ حقیقت اس کے برعکس ہے۔ حضرت ابومجلزؒ سے روایت ہے: وہ فرماتے ہیں کہ ایک بار حضرت معاویہؓ کو کسی مجمع میں جانے کا اتفاق ہوا تو وہاں جو لوگ موجود تھے وہ احتراماً آپ کے لئے کھڑے ہو گئے۔ مگر آپ نے اس کو بھی ناپسند کیا اور فرمایا: ایسا مت کیا کرو! کیونکہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا ہے کہ جو شخص اس بات کو پسند کرتا ہو کہ لوگ اس کے واسطے کھڑے ہوا کریں وہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنا لے۔ (الفتح الربانی)

آپ کی سادگی کا عالم یہ تھا کہ یونس بن میسرہ کا بیان ہے کہ میں نے حضرت معاویہؓ کو دمشق کے بازاروں میں دیکھا' آپ کے بدن پر پیوند لگی ہوئی قمیص تھی اور آپ دمشق کے بازاروں میں چکر لگا رہے تھے۔ (حافظ ابن کثیر) اسی طرح ایک مرتبہ لوگوں نے آپ کو دمشق کی جامع مسجد میں خطبہ دیتے ہوئے دیکھا کہ آپ کے کپڑوں پر پیوند لگے ہوئے ہیں۔ ۹۳ (حافظ ابن کثیر) یہ تو آپ کی طبعی سادگی اور استغناء کی شان تھی مگر شام کی گورنری کے دوران آپ نے ظاہری شان و شوکت کے طریقے بھی اختیار کئے اور اس کی وجہ یہ تھی کہ

یہ علاقہ سرحدی علاقہ تھا' اور آپ ؓ چاہتے تھے کہ کفار کے دلوں پر مسلمانوں کی شان وشوکت کا دبدبہ قائم رہے' شروع شروع میں حضرت عمر فاروق ؓ کو آپ کی یہ ظاہری شان وشوکت ناگوار بھی ہوئی اور انہوں نے آپ سے اس کے متعلق باز پرس کی' آپ نے جواب میں کہا: اے امیر المومنین ہم ایک ایسی سرزمین میں ہیں جہاں دشمن کے جاسوس ہر وقت کثیر تعداد میں رہتے ہیں' لہٰذا ان کو مرعوب کرنے کے لئے یہ ظاہری شان وشوکت دکھانا ضروری ہے' اسی میں اسلام اور اہل اسلام کی بھی عزت ہے۔ اس موقع پر حضرت عبدالرحمٰن بن عوف ؓ بھی حضرت عمر فاروق ؓ کے ہمراہ تھے وہ آپ کے اس حکیمانہ جواب کو سن کر کہنے لگے: امیر المومنین! دیکھئے کہ کس بہترین طریقے سے انہوں نے اپنے آپ کو الزام سے بچالیا ہے۔

حضرت عمر فاروق ؓ نے جواب دیا: اسی لئے تو ہم نے ان کے کاندھوں پر یہ بارگراں ڈالا ہے۔ (حافظ ابن کثیر)

علم وتفقہ:

اللہ تعالیٰ نے آپ کو علوم دینیہ میں کامل دسترس اور کمال تفقہ عطا فرمایا تھا ابن حزم لکھتے ہیں: آپ کا شمار ان صحابہ میں سے ہے جو صاحب فتویٰ ہونے کی حیثیت سے ہیں۔ (ابن حزم ؒ) نیز ابن حجر ؒ نے بھی آپ کو ان صحابہ کے متوسط طبقے سے شمار کیا ہے جو مسائل شرعیہ میں فتویٰ دیتے تھے۔ (الاصابہ) حضرت ابن عباس ؓ آپ کے متعلق فرمایا کرتے تھے انہ فقیہ یعنی حضرت معاویہ ؓ یقیناً فقیہ ہیں۔

آپ سے نبی کریم ﷺ کی ایک سو تریسٹھ احادیث مروی ہیں۔ (جوامع السیرۃ) اور آپ سے احادیث روایت کرنے والوں میں حضرت ابن عباس ؓ حضرت انس بن مالک ؓ معاویہ ؓ بن خدیج' حضرت عبداللہ بن زبیر ؓ حضرت سائب بن یزید ؓ حضرت نعمان بن بشیر ؓ جیسے صحابہ اور محمد بن سیرین ؒ سعید بن المسیب ؒ علقمہ بن وقاص ؒ ابوادریس الخولانی ؒ اور عطیہ بن قیس ؒ وغیرہ جیسے تابعین شامل ہیں۔ (الاصابہ) آپ اعلیٰ پائے کے خطیب تھے اور آپ کے خطبات عربی ادب میں ایک ممتاز حیثیت رکھتے ہیں' اسی طرح وہ حکیمانہ اقوال جو آپ سے منقول ہیں نہایت اہمیت کے حامل ہیں اور علم وحکمت میں اپنی مثال آپ ہیں' آپ نے

اپنے دور میں علم وحکمت کی سرپرستی کی، تاریخ اسلام میں آپ کے دور تک فن تاریخ کے اوراق بالکل سادہ تھے، سب سے پہلے آپؓ نے اس زمانے کے ایک ممتاز اخباری عبید بن شریہ سے تاریخ قدیم کی داستانیں، سلاطین عجم کے حالات اور زبانوں کی ابتداء اور اس کے پھیلنے کی تاریخ لکھوائی، یہ مسلمانوں میں تاریخ کی سب سے پہلی کتاب تھی۔ (ابن ندیم)

ظرافت: آپ ایک ہنس مکھ اور خوش اخلاق انسان تھے، ادنیٰ سے ادنیٰ آدمی آپ سے بغیر کسی خوف کے ملتا اور آپ سے ہر قسم کی فرمائش کر دیتا، آپ سے اگر ممکن ہوتا تو پورا کر دیتے ورنہ ٹال دیتے، ایک بار ایک شخص آپ کے پاس آیا اور کہنے لگا کہ میں ایک مکان بنا رہا ہوں، آپ اس میں میری مدد کر دیجئے اور بارہ ہزار درخت عطا کر دیجئے، آپ نے پوچھا، گھر کہاں ہے؟ کہنے لگا بصرہ میں! آپ نے پوچھا! لمبائی چوڑائی کتنی ہے۔ کہنے لگا دو فرسخ لمبائی اور دو ہی فرسخ چوڑائی، آپ نے مزاحاً فرمایا: ''یہ مت کہو کہ میرا گھر بصرہ میں ہے بلکہ یوں کہو کہ بصرہ میرے گھر میں ہے۔'' (البدایہ والنہایہ)

وفات: آپ کی پوری زندگی علم وعمل کی زندگی تھی، آپ سے جتنا کچھ بن سکا آپ نے مسلمانوں اور عوام الناس کی اصلاح اور بہبود کے لئے کام کیا اور اس کے لئے اپنی پوری زندگی خرچ کر دی، مگر اس کے باوجود جب مخالفین آپؓ پر بے سروپا الزامات لگاتے اور آپ کو طرح طرح کے اعتراضات کا نشانہ بناتے تو آپ کو اس کا افسوس ہوتا، چنانچہ حضرت معاویہؓ سے کسی نے پوچھا: کیا بات ہے؟ آپ پر بڑھاپا جلد آ گیا ہے، تو جواب میں فرمایا: کیوں نہ آئے؟ جب دیکھتا ہوں اپنے سر پر ایک اکھڑ جاہل آدمی کو کھڑا پاتا ہوں جو مجھ پر قسم قسم کے اعتراضات کرتا ہے اگر اس کے اعتراضات کا ٹھیک ٹھیک جواب دے دیتا ہوں تو تعریف کا کہیں سوال نہیں! اور اگر جواب دینے میں مجھ سے ذرا سی چوک ہو جائے تو وہ بات چہار عالم میں پھیلا دی جاتی ہے۔ (البدایہ والنہایہ)

۶۰ھ میں جبکہ آپ عمر کی اٹھترویں منزل سے گذر رہے تھے، آپ کی طبیعت کچھ ناساز ہوئی اور پھر طبیعت خراب ہوتی چلی گئی اور طبیعت کی ناسازی، مرض وفات میں تبدیل ہوگئی، اسی مرض وفات میں آپ نے خطبہ دیا جو آپ کا آخری خطبہ تھا اس میں اور باتوں

کے علاوہ آپ نے فرمایا: ''اے لوگو! بعض کھیتیاں ایسی ہیں جن کے کٹنے کا وقت قریب آ چکا ہے میں تمہارا امیر تھا' میرے بعد مجھ سے بہتر کوئی امیر نہ آئے گا جو آئے گا مجھ سے گیا گذرا ہی ہوگا' جیسا کہ مجھ سے پہلے جو امیر ہوئے ہیں وہ مجھ سے بہتر تھے۔ (حوالہ مذکورہ بالا)
اس خطبہ کے بعد آپ نے تجہیز و تکفین کے متعلق وصیت فرمائی' فرمایا: کوئی عاقل اور سمجھدار آدمی مجھے غسل دے اور اچھی طرح غسل دے' پھر اپنے بیٹے یزید کو بلایا اور کہا! اے بیٹے! میں ایک مرتبہ نبی کریمؐ کے ہمراہ تھا آپ اپنی حاجت کے لئے نکلے' میں وضو کا پانی لے کر پیچھے گیا اور وضو کرایا تو آپؐ نے اپنے جسم مبارک پر پڑے ہوئے دو کپڑوں میں سے ایک کپڑا مجھے عنایت فرمایا' وہ میں نے حفاظت سے رکھ لیا تھا' اسی طرح آپؐ نے ایک بار اپنے بال اور ناخن مبارک کاٹے تو میں نے انہیں جمع کر کے رکھ لیا تھا تو تم کپڑے کو تو میرے کفن کے ساتھ رکھ دینا اور ناخن اور بال مبارک میری آنکھ' منہ اور سجدے کی جگہوں پر رکھ دینا اور پھر ارحم الراحمین کے حوالے کر دینا۔ (الاستیعاب تحت الاصابہ) آپ نے وصیت کی اور اس کے بعد مرض بڑھتا گیا یہاں تک کہ دمشق کے مقام پر وسط رجب ۶۰ ھ میں علم، حلم اور تدبیر کا یہ آفتاب ہمیشہ کے لئے غروب ہوگیا۔ (الاصابہ) **انا للّٰہ و انا الیہ راجعون۔**

آپ کی نماز جنازہ حضرت ضحاک بن قیسؓ نے پڑھائی اور دمشق میں ہی باب الصغیر میں آپ کی تدفین ہوئی' صحیح قول کے مطابق آپ کی عمر اٹھتر سال تھی۔ (الاستیعاب تحت الاصابہ) علامہ ابن اثیرؒ نے اپنی تاریخ کامل میں نقل کیا کہ ایک دن عبدالملک بن مروان آپ کی قبر کے قریب سے گذرے تو کھڑے ہوگئے اور کافی دیر تک کھڑے رہے اور دعائے خیر کرتے رہے۔ ایک آدمی نے پوچھا کہ یہ کس کی قبر ہے؟ عبدالملک بن مروان نے جواب دیا: قبر رجلٍ ''یہ اس شخص کی قبر ہے کہ جب بولتا تو علم و تدبر کے ساتھ بولتا تھا اور اگر خاموش رہتا تو حلم و بردباری کی وجہ سے خاموش رہتا تھا۔ جسے دیتا اسے غنی کر دیتا' جس سے لڑتا اسے فنا کر ڈالتا۔ (ابن اثیر: تاریخ کامل)

(انتخاب از حضرت معاویہ اور تاریخی حقائق)

ذکر حسنین رضی اللہ عنہما

دوشِ نبی کے شاہسواروں کی بات کر
کون و مکاں کے راج دُلاروں کی بات کر

جن کے لئے ہیں کوثر و تسنیم موجزن
ان تشنہ کام بادہ گُساروں کی بات کر

خلدِ بریں ہے جن کے تقدس کی سیرگاہ
ان خوں میں غرق غرق نگاروں کی بات کر

کلیوں پہ کیا گزر گئی پھولوں کو کیا ہوا
گلزارِ فاطمہؓ کی بہاروں کی بات کر

جن کے نفس نفس میں تھے قرآں کھلے ہوئے
ان کربلا کے سینہ فگاروں کی بات کر

شمرِ لعیں کا ذکر نہ کر میرے سامنے
شیر خدا کے مرگ شعاروں کی بات کر

(سید شاہ نفیس الحسینی)

حالات زندگی... فضائل وکمالات
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دونوں
سے مثالی محبت کے ایمان افروز چند شہ پارے

مفکر اسلام سید ابوالحسن علی ندوی رحمہ اللہ
حضرت مولانا محمد منظور نعمانی رحمہ اللہ
حضرت مولانا شاہ معین الدین رحمہ اللہ

حضرت حسین بن علی رضی اللہ عنہما

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دوسرے نواسے اور حضرت علی و حضرت فاطمہؓ زہرا کے چھوٹے صاحبزادے حضرت حسینؓ کی ولادت شعبان ۴ھ میں ہوئی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہی ان کا نام حسین رکھا، ان کو شہد چٹایا، ان کے منہ میں اپنی زبان مبارک داخل کر کے لعاب مبارک عطا فرمایا اور ان کا عقیقہ کرنے اور بالوں کے ہم وزن چاندی صدقہ کرنے کا حکم دیا۔ حضرت فاطمہؓ نے ان کے عقیقہ کے بالوں کے برابر چاندی صدقہ کی۔ (موطا امام مالک)

اپنے بڑے بھائی حضرت حسنؓ کی طرح حضرت حسین بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مشابہ تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان سے بھی غیر معمولی محبت اور تعلق تھا جس کا تذکرہ مناقب وفضائل کے سلسلہ میں آئے گا۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوئی تو ان کی عمر صرف چھ یا سات سال تھی، لیکن یہ چھ سات سال آپ کی صحبت اور شفقت ومحبت میں گذرے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد حضرت ابوبکرؓ وحضرت عمرؓ نے خاص لطف وکرم اور محبت کا برتاؤ کیا۔ حضرت عمرؓ کے آخری زمانہ خلافت میں آپ نے جہاد میں شرکت شروع کی ہے اور پھر بہت سے معرکوں میں شریک رہے۔ حضرت عثمانؓ کے زمانہ میں جب باغیوں نے ان کے گھر کا محاصرہ کر لیا تھا تو حضرت علیؓ نے اپنے دونوں بیٹوں حسنؓ اور حسینؓ کو ان کے گھر کی حفاظت کے لئے مقرر کر دیا تھا۔ حضرت علیؓ کی شہادت کے بعد حضرت حسنؓ نے جب حضرت معاویہؓ سے مصالحت کر کے خلافت سے دستبرداری کے ارادہ کا اظہار کیا تو حضرت حسینؓ نے بھائی کی رائے سے اختلاف کیا لیکن بڑے بھائی کے احترام میں ان کے فیصلہ کو تسلیم کر لیا۔ البتہ جب حضرت حسنؓ کی وفات کے بعد حضرت معاویہؓ نے یزید کی خلافت کی بیعت لی تو حضرت حسینؓ اس کو کسی طرح برداشت نہ کر سکے اور یزید کے خلیفہ بن جانے کے بعد اپنے بہت سے مخلصین کی رائے ومشورہ کو نظر انداز کر کے جہاد کے ارادہ سے مدینہ طیبہ سے کوفہ کے لئے تشریف لے چلے ابھی مقام کربلا ہی تک پہنچے تھے کہ واقعہ کربلا کا پیش آیا اور آپ وہاں شہید کر دیئے گئے۔ رضی اللہ عنہ وارضاہ۔

تاریخ وفات ۱۰۔ محرم ۶۱ھ ہے اس وقت عمر شریف تقریباً ۵۵ سال تھی۔

جیسا کہ پہلے بھی حضرت فاطمہ زہراؓ کے تذکرہ میں گذر چکا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نسل حضرت فاطمہؓ ہی سے چلی ہے اور ان کی اولاد میں حضرات حسنین اور ان کی دو بہنیں حضرت زینب اور حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہم اجمعین ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بقاء نسل کا ذریعہ بنے ہیں۔

حضرات حسنینؓ کے فضائل ومناقب

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نواسے اور آپ کے صحابی ہونے کا شرف کیا کم ہے پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرات حسنین رضی اللہ عنہما سے بہت محبت بھی تھی۔ شفقت ومحبت کا یہ عالم تھا کہ یہ دونوں بھائی بچپن میں حالت نماز میں آپ کی کمر مبارک پر چڑھ جاتے کبھی دونوں ٹانگوں کے بیچ میں سے گذرتے رہتے اور آپ نماز میں بھی ان کا خیال کرتے۔ جب تک وہ کمر پر چڑھے رہتے آپ سجدہ سے سر نہ اٹھاتے۔ (سیر اعلام النبلاء ج ۳ ص ۲۹۴۔)

آپ اکثر انہیں گود میں لیتے کبھی کندھے پر سوار کرتے، ان کا بوسہ لیتے انہیں سونگھتے اور فرماتے انکم لمن ریحان اللہ تم اللہ کی عطا کردہ خوشبو ہو۔ (جامع ترمذی باب ما جاء فی رحمۃ الولد)

ایسے ہی ایک موقعہ پر حضرت اقرع ابن حابس رضی اللہ عنہ، نے عرض کردیا اے اللہ کے رسول! (صلی اللہ علیہ وسلم) میرے تو دس بیٹے ہیں لیکن میں نے آج تک کسی کا بوسہ نہیں لیا۔ آپ نے فرمایا انہ من لا یرحم لا یرحم جو رحم نہیں کرتا اس پر بھی من جانب اللہ رحم نہیں کیا جاتا۔ (ترمذی باب ما جاء فی رحمۃ الولد)

حضرت فاطمہ زہراؓ کے تذکرہ، میں گذر چکا ہے۔ آیت تطہیر کے نزول کے بعد آپ نے حضرت علیؓ، حضرت فاطمہؓ اور حضرات حسنینؓ کو اپنی ردائے مبارک میں داخل فرما کر اللہ سے عرض کیا اللھم ھؤلاء اھل بیتی فاذھب عنھم الرجس وطھرھم تطھیرا۔ اے اللہ یہ میرے اہل بیت ہیں ان سے گندگی کو دور فرما دیجئے اور پاک وصاف کر دیجئے۔ (ترمذی باب مناقب اہل بیت)

صحیح بخاری میں حضرت عدی بن ثابتؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت حسنؓ کو اپنے کندھے پر سوار کئے ہوئے تھے اور یوں دعا کر رہے تھے اللھم ابنی احبہٗ فاحبہٗ، اے اللہ یہ مجھے محبوب ہے آپ بھی اسے اپنا محبوب بنا لیجئے۔

(صحیح بخاری ج ۱ ص ۵۳۰ مناقب الحسن الحسین صحیح مسلم ج ۳ ص ۲۸۳ باب من فضائل الحسن والحسین)

امام بخاری نے ہی حضرات حسنین رضی اللہ عنہما کے مناقب میں حضرت ابن عمرؓ کا قول نقل کیا ہے کہ ان سے کسی عراقی نے مسئلہ دریافت کیا کہ محرم اگر مکھی مار دے تو کیا کفارہ ہے۔ حضرت ابن عمرؓ نے بڑی ناگواری سے جواب دیا کہ اہل عراق مکھی کے قتل کا مسئلہ پوچھنے آتے ہیں اور نواسہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (حضرت حسینؓ) کو قتل کر دیا حالانکہ آپ نے اپنے دونوں نواسوں کے بارے میں فرمایا تھا**ھما ریحانتای من الدنیا**۔ یہ دونوں میرے لئے دنیا کی خوشبو ہیں۔ (صحیح بخاری باب مناقب الحسن والحسین ج ۱ ص ۵۳۰ و ترمذی ج ۲ ص ۲۱۸ مناقب الحسن والحسین وفی روایۃ الترمذی ذکر البعوض۔)

امام ترمذی نے حضرت اسامہ بن زید کی حدیث ذکر کی ہے کہ میں کسی ضرورت سے آپ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ گھر کے باہر اس حال میں تشریف لائے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم دونوں کولھوں پر (یعنی گود میں) کچھ رکھے ہوئے تھے اور چادر اوڑھے ہوئے تھے، میں جب اپنے کام سے فارغ ہو گیا تو عرض کیا یہ کیا ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے چادر ہٹادی میں نے دیکھا کہ ایک جانب حسنؓ اور دوسری جانب حسینؓ ہیں، اور فرمایا۔ **ھذان ابنای وابنا ابنتی اللھم انی احبھما فاحبھما واحب من یحبھما**۔ (ترمذی ج ۲ ص ۲۱۸ مناقب الحسن والحسین)

اے اللہ میں ان دونوں سے محبت کرتا ہوں آپ بھی ان سے محبت فرمایئے اور جو ان سے محبت کرے اس کو بھی اپنا محبوب بنا لیجئے۔" **اللھم انی احبھما فاحبھما**" اے اللہ میں ان دونوں کو محبوب رکھتا ہوں آپ بھی ان کو اپنا محبوب بنا لیجئے یہ دعائیہ کلمات صحیح سندوں سے حدیث کی متعدد کتابوں میں مروی ہیں اور اس میں کیا شک ہے کہ آپ کے یہ دونوں نواسے اللہ کے بھی محبوب اور اللہ کے رسول کے بھی محبوب اور ان دونوں سے محبت رکھنے والے بھی اللہ اور اس کے رسول کے محبوب ہیں، ایک بار ایسا ہوا کہ آپ خطبہ دے رہے تھے، دونوں نواسے آ گئے آپ نے خطبہ روک کر ان دونوں کو اٹھا لیا اور اپنے پاس بٹھایا پھر باقی خطبہ پورا کیا۔

امام ترمذی نے حضرت یعلی بن مرہؓ کی روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: **حسین منی وانا من حسین احب اللہ من احب حسینا حسین سبط من الاسباط**۔ (جامع ترمذی ج ۲ ص ۲۱۹ باب مناقب اہل بیت)

ترجمہ: حسین میرے ہیں اور میں حسین کا، جو حسین سے محبت کرے اللہ اس سے محبت کرے حسین میرے ایک نواسے ہیں۔

حسین منی وانا من حسین کے کلمات انتہائی محبت، اپنائیت اور قلبی تعلق کے اظہار

کے لئے ہیں، اس کے بعد وہی دعائیہ کلمات ہیں جن کے متعلق عرض کیا کہ یہ الفاظ متعدد روایات میں مذکور ہیں اس مضمون کی کئی روایات امام ترمذی نے مناقب الحسن والحسین کے عنوان کے تحت ذکر کی ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی والدہ کو سیدة نساء اهل الجنة اور دونوں بھائیوں کو سید اشباب اهل الجنة فرمایا ہے۔ (جامع ترمذی ج۲ ص ۲۱۹ باب مناقب اہل بیت۔)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد صحابہ کرام خصوصاً حضرات شیخین کا معاملہ بھی ان دونوں حضرات کے ساتھ بہت ہی لطف وکرم کا رہا، ابھی حضرت حسنؓ کے تذکرہ میں گذرا کہ حضرت ابوبکرؓ نے ان کو گود میں اٹھالیا تھا بلکہ بعض روایات میں تو کندھے پر بٹھانے کا ذکر ہے۔

حضرت عمر فاروقؓ نے اپنے زمانہ خلافت میں دونوں بھائیوں کا وظیفہ اہل بدر کے وظائف کے بقدر پانچ پانچ ہزار درہم مقرر کیا اور اس کی وجہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قرابت بیان کی۔ (سیر اعلام النبلاء ج ۳ ص ۲۶۶۔)

حالانکہ یہ دونوں حضرات ان کے دور خلافت کے آخر میں بھی بالکل نوجوان ہی تھے حضرت عمرؓ کے زمانہ خلافت کا واقعہ ہے کہ وہ مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے منبر پر کھڑے خطبہ دے رہے تھے حضرت حسینؓ آئے اور حضرت عمرؓ کو مخاطب کر کے کہا، میرے باپ (نانا جان) کے منبر سے اترو اور اپنے والد کے منبر پر جا کر خطبہ دو، حضرت عمرؓ نے کہا میرے باپ کا تو کوئی بھی منبر نہیں ہے یہ کہا اور ان کو اپنے پاس منبر پر بٹھا لیا اور بہت اکرام اور لطف ومحبت کا معاملہ کیا۔ (سیر اعلام النبلاء ج ۳ ص ۲۸۵)

انہیں حضرت عمرؓ کے زمانہ خلافت میں یمن سے کچھ حُلے (چادروں کے جوڑے) آئے، آپ نے وہ صحابہ کرامؓ کے لڑکوں میں تقسیم کر دیئے اور حضرات حسنینؓ کے لئے ان سے بہتر حُلے منگوائے اور ان دونوں بھائیوں کو دیئے اور فرمایا اب میرا دل خوش ہوا ہے۔ (ایضاً)

یہ دونوں بھائی اگر چہ کثیر الروایت نہیں لیکن پھر بھی براہ راست رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور اپنے والدین سے احادیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نقل کرتے ہیں۔ حضرت حسنؓ اور حضرت حسین دونوں بھائی بہت ہی عبادت گزار تھے، دونوں نے بار بار مدینہ منورہ سے مکہ مکرمہ تک پیدل سفر کر کے حج کئے ہیں۔ اللہ کے راستہ میں کثرت سے مال خرچ کرتے تھے۔ جود و سخاوت، ماں باپ اور نانا جان سے وراثت میں ملی تھی۔ رضی اللہ عنہما وارضاہما۔ (معارف الحدیث)

فضائل حسنین رضی اللہ عنہما

یوں تو حضرات حسنین رضی اللہ عنہما کی ذات گرامی مجمع الفضائل تھی لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی غیر معمولی محبت وشفقت آپ کی فضیلت کا نمایاں باب ہے کتب احادیث وسیر کے ابواب الفضائل ان دونوں کے فضائل سے بھرے ہوئے ہیں۔ ان میں سے کچھ فضائل نقل کئے جاتے ہیں چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دونوں بھائیوں کے ساتھ یکساں محبت تھی اس لئے بعض امتیازی اور انفرادی فضائل کے علاوہ عموماً اور بیشتر دونوں کے فضائل اس طرح مشترک ہیں کہ ان دونوں کا جدا کر کے لکھنا مشکل ہے اس لئے دونوں کے فضائل لکھ دیئے جاتے ہیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے تمام اہل بیت میں حضرت حسنینؓ سے بہت زیادہ محبت تھی۔ حضرت انسؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے کہ اہل بیت میں مجھ کو حسنؓ وحسینؓ سب سے زیادہ محبوب ہیں[1]۔

آپ خدا سے بھی اپنے ان محبوبوں کے ساتھ محبت کرنے کی دعا فرماتے تھے۔ حضرت ابوہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ قینقاع کے بازار سے لوٹا تو آپ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے گھر تشریف لے گئے اور پوچھا بچے کہاں ہیں؟ تھوڑی دیر میں دونوں دوڑتے ہوئے آئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے چمٹ گئے آپ نے فرمایا خدایا میں ان کو محبوب رکھتا ہوں اس لئے تو بھی انہیں محبوب رکھ اور ان کے محبوب رکھنے والے کو بھی محبوب رکھ[2]۔

دوسری روایت میں ان کا بیان ہے کہ اس شخص (حسنؓ) کو اس وقت سے میں محبوب رکھتا ہوں جب سے میں نے ان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی گود میں دیکھا۔ یہ ریش مبارک میں انگلیاں ڈال رہے تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی زبان ان کے منہ میں دے کر فرماتے تھے کہ خدایا میں ان کو محبوب رکھتا ہوں اس لئے تو بھی محبوب رکھ[3]۔

حسنؓ کو دوش مبارک پر سوار کر کے خدا سے دعا فرماتے تھے کہ خداوندا میں اس کو

---

[1] ترمذی فضائل حسنؓ وحسینؓ [2] مسلم کتاب الفضائل باب فضائل الحسن والحسین [3] مستدرک حاکم ج ۳ فضائل حسینؓ

محبوب رکھتا ہوں اس لئے تو بھی محبوب رکھ[1]

عبادت کے موقع پر بھی حسنؓ وحسینؓ کو دیکھ کر ضبط نہ کر سکتے تھے۔ ابو بریدہؓ روایت کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم لوگوں کے سامنے خطبہ دے رہے تھے کہ اتنے میں حسنؓ وحسینؓ سرخ قمیص پہنے ہوئے خراماں خراماں آتے ہوئے دکھائی دیئے انہیں دیکھ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم منبر سے اتر آئے اور دونوں کو اٹھا کر اپنے سامنے بٹھا لیا اور فرمایا خدا نے سچ کہا ہے کہ تمہارا مال اور تمہاری اولاد فتنہ ہیں ان دونوں بچوں کو خراماں خراماں آتے ہوئے دیکھ کر میں ضبط نہ کر سکا اور خطبہ توڑ کر ان کو اٹھا لیا[2]۔

حسنؓ وحسینؓ نماز پڑھنے کی حالت میں آپ کے ساتھ طفلانہ شوخیاں کرتے تھے۔ لیکن آپ نہ انہیں روکتے تھے اور نہ ان کی شوخیوں پر خفا ہوتے تھے بلکہ ان کی طفلانہ اداؤں کو پورا کرنے میں امداد دیتے تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھتے وقت رکوع میں جاتے تو حسنؓ وحسینؓ دونوں ٹانگوں کے اندر گھس جاتے۔ آپ ان دونوں کے نکلنے کے لئے ٹانگیں پھیلا کر راستہ بنا دیتے[3]۔ آپ سجدہ میں ہوتے تو دونوں جست کر کے پشت مبارک پر بیٹھ جاتے آپ اس وقت تک سجدہ سے سر نہ اٹھاتے جب تک دونوں خود سے نہ اتر جاتے[4]۔

دوش مبارک پر سوار کر کے کھلانے کے لئے نکلتے ایک مرتبہ آپ حسنؓ کو کندھے پر لے کر نکلے ایک شخص نے دیکھ کر کہا میاں صاحبزادے کیا اچھی سواری ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سوار بھی تو کتنا اچھا ہے[5]۔

کبھی کبھی دونوں کو چادر میں چھپائے ہوئے باہر تشریف لاتے۔ اسامہ بن زید بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ شب کو میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک ضرورت سے گیا۔ آپ کوئی چیز چادر میں چھپائے ہوئے تشریف لائے میں اپنی ضرورت پوری کر چکا تو پوچھا آپ چادر میں کیا چھپائے ہیں؟ آپ نے چادر ہٹا دی تو اس میں سے حسنؓ وحسینؓ برآمد ہوئے۔ آپ نے فرمایا یہ دونوں میرے بچے اور میری لڑکی کے لڑکے ہیں۔ خدایا میں ان دونوں کو محبوب رکھتا

---

[1] ترمذی فضائل حسنؓ وحسینؓ [2] ایضاً [3] تہذیب التہذیب ج ۲ ص ۲۹۶ [4] اصابہ ج ۲ تذکرہ حسنؓ
[5] ترمذی مناقب الحسن والحسین

ہوں اس لئے تو بھی ان کو محبوب رکھ اوران کے محبوب رکھنے والے کو بھی محبوب رکھ[1]۔

نبوت کی حیثیت کو چھوڑ کر جہاں تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بشری حیثیت کا تعلق ہے حسنؓ وحسینؓ کی ذات گویا ذات محمدی کا جزو تھی، یعلیٰؓ بن مرہ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حسینؓ مجھ سے ہیں اور میں حسینؓ سے ہوں۔ جو شخص حسینؓ کو دوست رکھتا ہے خدا اس کو دوست رکھتا ہے حسینؓ اسباط کے ایک سبط ہیں[2]۔

حسنؓ وحسینؓ کو آپ اپنے جنت کے گل خنداں فرماتے تھے ابن عمر روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے کہ حسنؓ وحسینؓ میرے جنت کے دو پھول ہیں[3]۔

حسنؓ وحسینؓ نوجوانان جنت کے سردار ہیں۔ حذیفہ راوی ہیں کہ ایک مرتبہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مغرب اور عشاء کی نماز پڑھی عشاء کی نماز کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے چلے میں بھی پیچھے ہولیا میری آواز سن کر آپ نے فرمایا' کون؟ حذیفہ! میں نے عرض کیا' جی' فرمایا خدا تمہاری اور تمہاری ماں کی مغفرت کرے تمہاری کوئی ضرورت ہے؟ دیکھو ابھی یہ فرشتہ نازل ہوا ہے جو اس سے پہلے کبھی نہ آیا تھا۔ اس کو خدا نے اجازت دی ہے کہ وہ مجھے سلام کہے' اور مجھے بشارت دے کہ فاطمہؓ جنت کی عورتوں کی اور حسنؓ وحسینؓ جنت کے نوجوانوں کے سردار ہیں[4]۔

انفرادی فضائل

ان مشترک فضائل کے علاوہ حضرت حسنؓ کے کچھ امتیازی فضائل الگ ہیں جو انہیں حضرت حسینؓ سے ممتاز کرتے ہیں۔ ان فضائل میں سب سے بڑی فضیلت یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے متعلق پیشینگوئی فرمائی تھی کہ ''میرا یہ بیٹا سید ہے خدا اس کے ذریعہ سے مسلمانوں کے دو بڑے گروہوں میں صلح کرائے گا[5]''۔ امیر معاویہؓ سے صلح کے وقت حضرت حسنؓ نے اس پیشین گوئی کی عملی تصدیق فرمائی ایک موقع پر فرمایا کہ حسنؓ کو میرا حلم عطا ہوا ہے۔'' (سیر الصحابہ)

---

[1] ترمذی مناقب الحسن والحسین [2] ایضاً [3] بخاری کتاب المناقب' باب مناقب الحسن والحسین
[4] ترمذی مناقب الحسن والحسین [5] مستدرک حاکم ج ۳ فضائل حسنؓ

ولادت سیدنا حسین رضی اللہ عنہ

حضرت حسین بن علی رضی اللہ عنہما پانچویں شعبان ۴ھ کو پیدا ہوئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شہد چٹایا اور ان کے دہن پاک کو اپنی زبان بابرکت سے تر کیا' ان کو دعائیں دیں اور حسین رضی اللہ عنہ نام رکھا' حضرت حسین رضی اللہ عنہ کا چہرہ مبارک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چہرۂ انور سے مشابہ تھا اور حضرت حسین رضی اللہ عنہ کا جسم پاک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جسد اطہر کے مشابہ تھا' وفات نبوی کے وقت (جو ۱۲ ربیع الاول ۱۱ھ میں ہوئی) حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی عمر ساڑھے چھ سال ۲/۱-۶) کی تھی۔

حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ "ایک روز میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا' حسن و حسین (رضی اللہ عنہما) دونوں آپؐ کے صدر مبارک پر چڑھے کھیل رہے تھے' میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! کیا آپ ان دونوں سے اس درجہ محبت کرتے ہیں؟ فرمایا "کیوں نہیں' یہ دونوں دنیا میں میرے پھول ہیں۔ (الطبرانی فی المعجم)

حارث علی رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "حسنؓ اور حسینؓ جوانانِ جنت کے سردار ہیں۔۔ یزید بن ابی زیاد کی روایتوں میں ہے کہ ایک بار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حسین رضی اللہ عنہما کے رونے کی آواز سنی تو ان کی والدہ سے کہا: "کیا تم کو معلوم نہیں کہ ان کا رونا مجھے اندوہگیں کرتا ہے۔ (الطبرانی)

حضرت حسین رضی اللہ عنہما نے اس جنگ میں بھی شرکت فرمائی تھی جس نے ۵۱ھ میں قسطنطنیہ پر حملہ کیا تھا' اس حملہ میں یزید بن معاویہ بھی تھے۔ (البدایۃ والنہایۃ) حضرت حسین رضی اللہ عنہ بہت عبادت گزار تھے' نماز' روزہ اور حج کا بہت اہتمام فرماتے تھے' آپ نے بیس حج پاپیادہ کیے تھے۔ (الجوہرۃ) حضرت حسین بن علی (رضی اللہ عنہما) انتہائی متواضع تھے' ایک مرتبہ گھوڑے پر سوار گزر رہے تھے' غربا کی ایک جماعت نظر آئی جو زمین پر بیٹھی

روٹی کے ٹکڑے کھا رہی تھی، آپ نے ان کو سلام کیا، ان لوگوں نے کہا (**هلم يا ابن رسول الله**) فرزند رسول اللہ ہمارے ساتھ کھانا تناول فرمایئے! آپ گھوڑے سے اتر کر ان کے ساتھ بیٹھ گئے اور کھانے میں شریک ہوئے، آپ نے اس موقع پر یہ آیت پڑھی: ''**اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُسْتَكْبِرِيْنَ**'' (سورۃ النحل) یعنی اللہ تعالیٰ تکبر کرنے والوں کو پسند نہیں فرماتا، حضرت حسین رضی اللہ عنہ جب ان لوگوں کی روٹی کے ٹکڑوں پر شرکت فرما چکے اور فارغ ہوئے تو آپ نے فرمایا: بھائیو! آپ نے مجھے دعوت دی میں نے قبول کیا، اب آپ سب میری دعوت قبول کیجئے، ان لوگوں نے بھی دعوت قبول کی، اور آپ کے مکان پر آئے، جب سب آ کر بیٹھے تو آپ نے فرمایا، رباب! لاؤ جو بھی بچا ہوا محفوظ رکھا ہے۔ (الجوہرۃ)

حضرت ابن عیینہ نے کہا کہ عبداللہ بن ابی زید سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا: میں نے حسین بن علیؓ کو اس وقت دیکھا جب آپ کے سر اور ریش مبارک کے بال سیاہ تھے، سوائے چند بالوں کے جو ریش مبارک کے اوپری حصہ میں سفید تھے، عمر بن عطا نے کہا: حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو میں نے وسمہ (ایک طرح کے خضاب) سے بال رنگتے ہوئے دیکھا ہے، ان کے سر اور ریش کے بال بالکل سیاہ تھے۔ (سیر اعلام النبلاء) (المرتضی)

از

شہید اسلام حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی رحمہ اللہ

شہادت فضائل واقسام

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حمد وثنا کے بعد ارشاد فرمایا کہ:

بے شک سب سے سچا کلام۔اللہ کی کتاب ہے' سب سے مضبوط کڑا تقویٰ ہے' سب سے بہتر ملت حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ملت ہے' سب سے بہتر طریقہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا ہے' سب سے اشرف کلام اللہ کا ذکر ہے' سب سے بہتر قصہ یہ قرآن ہے۔تمام کاموں میں سب سے بہتر وہ ہے جس کو عزیمت سے ادا کیا جائے اور بدترین کام وہ ہے جو نئے ایجاد کیے جائیں سب سے بہتر طور طریقہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کا طور طریقہ ہے سب سے اشرف موت شہداء کی شہادت اور ان کا قتل ہے''۔(حیاۃ الصحابہ)

اس حدیث میں فرمایا گیا ہے کہ شہید کا قتل ہونا سب سے اشرف موت ہے' اشرف کے معنی سب سے زیادہ بزرگی والی' سب سے زیادہ لائق عظمت۔

قرآن کریم نے حضرات شہداء کا تیسرا درجہ بیان فرمایا ہے جیسا کہ ارشاد ہے۔

''اور جس نے کہا مان لیا اللہ کا اور رسول اللہ کا تو یہ لوگ ہوں گے نبیوں کے ساتھ اور صدیقین کے ساتھ اور شہداء کے ساتھ اور اعلیٰ درجہ کے نیک لوگوں کے ساتھ اور بہت ہی عمدہ ہیں یہ سب حضرات رفیق ہونے کے اعتبار سے (ان سے زیادہ عمدہ رفیق کس کو میسر آسکتے ہیں؟)''۔سورۃ النساء

قرآن کریم نے پہلا درجہ اللہ کے نبیوں کا بیان فرمایا دوسرا صدیقین کا' تیسرا شہداء کا اور چوتھا صالحین یعنی اعلیٰ درجہ کے نیک لوگوں کا جن کو ہم اولیاء اللہ کہتے ہیں۔ہم جیسے گناہگار مسلمان جو اللہ تعالیٰ کی اور اس کے رسول حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کریں اور اطاعت کی کوشش کرتے رہیں' اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کو خوشخبری دے رہے ہیں کہ قیامت کے دن ان کا حشر نبیوں' صدیقین' شہداء اور صالحین کے ساتھ ہوگا اور یہ بہت اچھے ساتھی ہیں۔''ذلک الفضل من اللہ'' یہ اللہ تعالیٰ کا خاص فضل ہے جس کو اللہ تعالیٰ نصیب فرمادے۔(اللہ تعالیٰ ہم سب کو نصیب فرمادے آمین)

تو بہر حال شہیدوں کا مرتبہ اللہ نے تیسرے نمبر پر فرمایا ہے انبیاء اور صدیقین کے بعد پھر شہداء کا درجہ ہے۔ اس لئے کہ سب سے اشرف و اعلیٰ موت تو حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی ہے اور دوسرے نمبر پر اشرف و اعلیٰ موت صدیقین کی ہے صدیقین حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ ملحق ہوتے ہیں۔ یعنی اپنے اوصاف اور اپنے کمالات کے اعتبار سے یہ حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے مشابہ ہوتے ہیں لیکن ان کے پاس نبوت نہیں ہوتی ان کے بعد پھر جتنے امتی ہیں ان سب میں سے سب سے زیادہ شریف تر موت حضرات شہداء کی ہے۔

شہید کسے کہتے ہیں؟

ا:...... شہید کس کو کہا جاتا ہے؟

اصل شہید تو آپ کو معلوم ہے کہ وہ ہے جو اللہ تعالیٰ کے راستے میں جہاد کرتے ہوئے کافروں کے ہاتھ سے قتل ہو جائے۔ میدان جہاد میں کافروں کے ہاتھ سے جو مسلمان قتل ہو جائے تو وہ شہید ہے۔

الف:...... حضرات فقہاء کہتے ہیں کہ اگر کوئی شخص میدان جہاد میں مقتول پایا گیا اور اس کے بدن پر زخم کا نشان تھا لیکن ہمیں معلوم نہیں کہ اس کو کسی کافر نے قتل کیا ہے تو وہ بھی شہید کہلائے گا۔

ب:...... اسی طرح میدان جہاد سے کسی شخص کو زخمی ہونے کی حالت میں زندہ اٹھالیا گیا ہو لیکن دوا دارو کی مرہم پٹی کی، کھانے پینے کی نوبت نہیں آئی تھی کہ اس نے دم توڑ دیا تو وہ بھی شہید ہے۔

ج:...... اسی طرح جس شخص کو ڈاکوؤں نے قتل کر دیا یا ڈاکوؤں سے مقابلہ کرتے ہوئے وہ مارا گیا یا باغیوں سے مقابلہ کرتے ہوئے مارا گیا تو وہ بھی شہید ہے۔

د:...... اسی طرح جس شخص کو کسی مسلمان نے بغیر کسی وجہ کے ظلماً قتل کر دیا ہو تو وہ بھی شہید ہے۔

یہ شہداء کی پانچ قسمیں ہوئیں جو دنیا کے احکام کے اعتبار سے بھی شہید ہیں اور آخرت کے اعتبار سے بھی شہید ہیں۔

شہید کے احکام

شہید کا حکم یہ ہے کہ شہید کو انہی کپڑوں میں بغیر غسل کے دفن کیا جاتا ہے، اس کو کفن نہیں

پہنایا جاتا اور اس کے بدن کے کپڑے نہیں اتارے جاتے' البتہ کوئی زائد کپڑے ہوں جیسا کہ سردیوں کے موسم میں پوستین وغیرہ پہن لیتے ہیں' جیسے صدری وغیرہ پہن لیتے ہیں یا کوئی اور بھائی کپڑا پہن لیتے ہیں ایسا کپڑا اگر کوئی پہنا ہوا ہو تو اس کو اتار دیا جائے گا اسی طرح اگر اوپر چادر دینے کی ضرورت ہو تو وہ بھی دے دی جائے گی لیکن معروف طریقے سے جیسا کہ کفن کے تین کپڑے ہوتے ہیں وہ کفن شہید کو نہیں دیا جاتا اب اس کے وجود کو ڈھانکنے کے لئے اوپر ایک چادر ڈال دیں گے شہید کے اپنے کپڑے اس کا کفن ہیں حالانکہ میت کو سلے ہوئے کپڑے تو نہیں پہنائے جاتے لیکن شہید کے لئے اس کے سلے ہوئے کپڑے اس کا کفن ہیں۔

حدیث شریف میں فرمایا ہے کہ:

''وان یدفنوا بدمائهم وثیابهم'' (مشکوۃ ص:۱۴۴)

ترجمہ:...... ''ان کو ان کے زخموں سمیت اور ان کے کپڑوں سمیت دفن کیا جائے۔''

ایک حدیث شریف میں آتا ہے کہ:

''جو شخص اللہ کے راستے میں شہید ہوا وہ قیامت کے دن بارگاہ الٰہی میں اس طرح حاضر ہوگا کہ اس کے بدن سے جہاں زخم آیا تھا خون کا فوارہ پھوٹ رہا ہوگا۔ رنگ تو خون کا ہوگا لیکن خوشبو کستوری کی ہوگی۔'' (مشکوۃ)

شہید کی نماز جنازہ پڑھی جائے

لیکن شہید کی نماز جنازہ پڑھی جائے گی امام شافعیؒ تو فرماتے ہیں کہ اس کا جنازہ بھی نہیں ہے ویسے ہی دفن کر دو تمہاری شفاعت کی اب اس کو ضرورت نہیں رہی ہے کیونکہ حدیث شریف میں فرمایا گیا ہے کہ: ''السیف محاء للخطایا''.

یعنی تلوار گناہوں کو مٹانے والی ہے۔ (کنز العمال)

کافر کی تلوار نے ہی اس کی شفاعت کر دی اور وہ بخشا گیا۔ یہ بھی ارشاد فرمایا کہ:

''شہید کے خون کا قطرہ زمین پر گرنے سے پہلے اللہ تعالیٰ اس کی بخشش فرما دیتے ہیں''۔

قبر میں اس سے حساب و کتاب نہیں ہوتا' جیسا عام مردوں سے سوال و جواب ہوتا ہے اس سے نہیں ہوتا۔

لیکن ہمارے امام ابو حنیفہؒ فرماتے ہیں کہ شہید کا جنازہ ہے (اس پر طویل گفتگو ہے' اس علمی بحث کو یہاں ذکر کرنے کی ضرورت نہیں) کہنے کا مدعا یہ ہے کہ شہید کا یہ حکم ہے' شہید کی موت اتنی قیمتی ہے کہ جس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اشرف موت فرما رہے ہیں۔

شہادت کی موت کا درجہ

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے نبوت عطا فرمائی تھی اور شہداء آپ کے جوتوں کی خاک ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم تمام انبیاء کے سردار ہیں۔ اس کے باوجود آپ صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:

''میرا جی چاہتا ہے کہ میں اللہ کے راستے میں قتل ہو جاؤں پھر زندہ کیا جاؤں پھر قتل ہو جاؤں پھر زندہ کیا جاؤں' پھر قتل ہو جاؤں پھر زندہ کیا جاؤں (یہ سلسلہ چلتا ہی رہے)۔'' (مشکوٰۃ شریف)

ذرا اندازہ فرمالیں! جس موت کی تمنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے ہیں' وہ موت کتنی اشرف اور کتنی قیمتی ہوگی؟ صحیح احادیث میں حضرات شہداء کے بہت فضائل وارد ہوئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو شہادت کی موت نصیب فرمائے۔ آمین۔

شہید جنت الفردوس میں

ایک روایت میں ہے کہ: ''حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حارثہ بن سراقہ کی ماں ام ربیعہ بنت براء رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئیں اور کہنے لگیں کہ یا رسول اللہ! میرا لڑکا سراقہ آپ کے ساتھ غزوہ بدر میں شہید ہو گیا ہے اگر تو اس کی بخشش ہو گئی ہے اور وہ جنت میں ہے تو میں صبر کروں ورنہ میں اس پر رنج و غم اور صدمہ کا اظہار کروں اور اپنا حق ادا کروں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: حارثہ کی ماں! جنت ایک نہیں بہت ساری جنتیں ہیں' (اوپر نیچے سو جنتیں ہیں اور ہر جنت سے دوسری جنت کا فاصلہ اتنا ہے جتنا آسمان و زمین کا فاصلہ' سو جنتیں اوپر نیچے اتنی ہیں اور سب سے اوپر جو جنت ہے وہ جنت الفردوس ہے) اور تیرا بیٹا سب سے اوپر کی جنت جنت الفردوس میں ہے۔'' (مشکوٰۃ)

شہید زندہ ہیں

قرآن کریم میں ارشاد ہے:۔ ''اور جو اللہ کی راہ میں قتل ہو جاتے ہیں ان کو مردہ نہ کہو بلکہ وہ زندہ ہیں مگر اس کی زندگی کا تم شعور نہیں رکھتے (اس کی زندگی تمہارے حواس سے بالاتر چیز ہے)۔'' (سورۃ بقرہ)

اور دوسری جگہ ارشاد فرمایا:۔

''بَلْ اَحْیَآءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ یُرْزَقُوْنَ''۔ (آل عمران:۱۶۹)

''بلکہ وہ زندہ ہیں اور ان کے رب کے پاس ان کو رزق دیا جاتا ہے۔''

صحیح بخاری کے حوالہ سے مشکوٰۃ میں حدیث ہے کہ:

ترجمہ:...... ''اللہ تعالیٰ کے عرش اعظم کے ساتھ قندیلیں لٹکی ہوئی ہیں اور وہ شہداء کا مستقر ہیں وہ شہداء کے رہنے کی جگہ ہے اور سبز پرندوں کی شکل میں اللہ تعالیٰ ان کو سواریاں عطا فرماتے ہیں اور ان کی روحیں ان سبز پرندوں میں جنت کے اندر پرواز کرتی ہیں اور جہاں چاہتی ہیں کھاتی پیتی ہیں۔'' (مشکوٰۃ)

یہ قیامت سے پہلے کا قصہ ہے قیامت کے دن ان کے ساتھ جو معاملہ ہوگا وہ تو سبحان اللہ! کیا بات ہے!

نذرانہ حیات

لوگ بارگاہ عالی میں مختلف نذرانے پیش کیا کرتے ہیں شہید اپنی جان کا نذرانہ پیش کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ ان کے اس نذرانہ کو قبول فرمالیتے ہیں۔

مرنا تو سب کو ہے

باقی مرنے کو تو بالآخر سب ہی مریں گے جیئے گا کون؟ کوئی مرنا چاہے اس کو بھی موت آئے گی اور کوئی مرنا نہ چاہے تب بھی اس کو موت آئے گی۔

ایک حدیث شریف میں فرمایا کہ۔'' نیک آدمی کے پاس جب ملک الموت آتا ہے تو فرشتہ اس کو خطاب کر کے کہتا ہے کہ اے پاک روح! پاک جسم میں رہنے والی' اپنے رب کی

مغفرت اور رحمت ورضوان کی طرف نکل' جو تجھ پر غضبناک نہیں۔ (جب وہ آدمی اپنے رب کا نام سنتا ہے تو اس وقت اس کی روح کو اللہ تعالیٰ سے ملاقات کا اتنا اشتیاق ہو جاتا ہے کہ وہ روح بے چین ہو جاتی ہے جیسا کہ پنجرہ میں پرندہ' پنجرہ توڑ کر نکلنے کے لئے مشتاق ہوتا ہے اس مومن آدمی کی روح اتنی بے چین ہو جاتی ہے اتنے میں ملک الموت اس کی روح قبض کر لیتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اتنی سہولت کے ساتھ اور آسانی کے ساتھ روح نکل جاتی ہے جیسے مشکیزہ کے منہ سے قطرہ ٹپک جاتا ہے) اور دوسرے قسم کے آدمی کے پاس ملک الموت آتا ہے تو کہتا ہے کہ اے گندی روح! جو گندے جسم میں تھی' نکل اپنے رب کے غضب کی طرف اور اس کے عذاب کی طرف (نعوذ باللہ' اللہ کی پناہ)''۔ (مشکوٰۃ)

روح تو پہلے ہی بدن میں سرایت کی ہوتی ہے لیکن وہ بالوں تک میں سرایت کر جاتی ہے تا کہ وہ نہ نکلے اور وہ فرشتہ پھر اس کو کھینچتا ہے اور فرمایا کہ بالکل ایسی مثال ہو جاتی ہے کہ دھنی ہوئی روئی کے اندر گرم یا بھیگی ہوئی سلائی ماری جائے اور پھر اس کو کھینچا جائے بدن اور روح کا رشتہ چھڑانے کے لئے اس کی یہ کیفیت ہوتی ہے۔

تو میں عرض یہ کر رہا تھا کہ کوئی اس دنیا سے جانا چاہے روح اس کی بھی نکلتی ہے اور جو نہ جانا چاہے روح اس کی بھی نکلتی ہے۔ لیکن شہید اپنی جان ہتھیلی پر رکھ کر بارگاہ الٰہی میں اپنی جان کا نذرانہ پیش کرتا ہے حق تعالیٰ شانہ اس کی قدر افزائی فرماتے ہیں۔ اس کو قبول فرماتے ہیں اس لئے فرمایا کہ: شہید کی موت اشرف موت ہے۔

یہاں پر یہ ذکر کر دینا بھی ضروری ہے کہ شہید تین قسم کے ہوتے ہیں:

دنیا و آخرت کے اعتبار سے شہید

۱- ایک تو وہ جو دنیا و آخرت دونوں کے اعتبار سے شہید ہیں۔

آخرت کے اعتبار سے شہید

۲- اور ایک وہ جو دنیاوی اعتبار سے شہید نہیں لیکن آخرت میں اس کا نام بھی شہیدوں کی فہرست میں لکھا جاتا ہے۔ ایک حدیث میں آتا ہے کہ:

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: تم شہید کس کو سمجھتے ہو؟ (جو جواب دیا جا سکتا تھا وہی دیا گیا کہ) یا رسول اللہ! جو اللہ کے راستے میں قتل ہو جائے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: پھر تو میری امت کے شہید بہت تھوڑے رہ جائیں گے۔ اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: جو اللہ کے راستے میں قتل کیا جائے وہ شہید ہے اور جو اللہ کے راستہ میں مر جائے وہ بھی شہید ہے اور جو طاعون کی بیماری سے مر جائے وہ بھی شہید ہے اور جو پیٹ کی بیماری سے مرے وہ بھی شہید ہے۔" (مشکوٰۃ)

اسی طرح کوئی دریا میں ڈوب کر مر گیا وہ بھی شہید، کسی پر دیوار گر گئی یا کسی حادثہ میں مر گیا وہ بھی شہید ہے، عورت زچگی کی حالت میں مر گئی وہ بھی شہید ہے، بچہ جنتے ہوئے مر گئی وہ بھی شہید۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان شہیدوں کی بہت سی قسمیں بیان فرمائی ہیں جن کو معنوی شہید کہا جاتا ہے۔ یہ لوگ دنیا کے احکام کے اعتبار سے شہید نہیں ہوتے ان کو غسل دیا جائے گا ان کو کفن پہنایا جائے گا ان کی نماز جنازہ پڑھی جائے گی یہ لوگ دنیا کے اعتبار سے شہید نہیں لیکن اللہ تعالیٰ کی فہرست میں ان کا نام بھی شہیدوں میں لکھا جائے گا۔

دنیا والوں کے اعتبار سے شہید

۳:...... تیسری قسم شہیدوں کی وہ ہے جن کو ہم اور آپ شہید کہتے ہیں مگر اللہ کی فہرست میں ان کا نام شہیدوں میں نہیں ہے۔ نعوذ باللہ من ذالک! وجہ یہ تھی کہ اندر ایمان صحیح نہیں تھا جان کا نذرانہ اللہ کو راضی کرنے کے لئے پیش نہیں کیا گیا بلکہ قومی عصبیت کی بنا پر قتل کیا گیا یا اپنی جواں مردی اور شجاعت کے جوہر دکھلانے کے لئے مرا، بہادر کہلوانے کے لئے مرا، بھائی! ان کے دلوں کو تو ہم نہیں جانتے کہ کس کی نیت کیا ہے؟ ہم تو اس کے ساتھ معاملہ شہیدوں کا ہی کریں گے مگر اللہ تعالیٰ دلوں کی کیفیت کو خوب جانتے ہیں وہ صرف ظاہری عمل کو نہیں دیکھتے۔ یہ لوگ جو ریا کاری کے لئے یا دکھلاوے کے لئے یا کسی اور غرض اور مقصد کے لئے قتل ہوئے چاہے میدان جہاد میں ہی قتل کیوں نہ ہوئے ہوں یہ لوگ اللہ کی فہرست میں شہید نہیں ہیں۔ دنیاوی اور اپنے علم کے اعتبار سے ہم لوگ ان کو شہید ہی

کہیں گے۔ باقی راہ حق میں شہادت کی تمنا ہر مومن کو رکھنی چاہئے اللہ تعالیٰ شہادت کی موت نصیب فرمائے اور اللہ تعالیٰ شہیدوں میں اٹھائے۔ آمین۔

شہادت کی موت کی دعا

حضرت عمر رضی اللہ عنہ دعا فرماتے یا اللہ! شہادت کی موت نصیب فرما اور اپنے رسولؐ کے شہر میں موت نصیب فرما۔ پھر فرماتے کہ عمر دو باتیں اکٹھی کیسے ہوں گی؟ شہادت کی موت بھی مانگتے ہو اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے شہر میں بھی مانگتے ہو جہاد تو باہر ہوتا ہے مدینہ میں بیٹھ کر کیسے شہادت مل جائے گی؟ خود ہی سوال کرتے تھے اور خود ہی فرماتے تھے کہ: اگر اللہ چاہے تو دونوں کو جمع کر سکتے ہیں۔ اور واقعی اللہ تعالیٰ نے دونوں کو جمع کر کے دکھلا دیا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی دعا اللہ تعالیٰ نے قبول فرمالی۔

حصول شہادت کا وظیفہ

ایک حدیث شریف میں آتا ہے کہ جو شخص روزانہ پچیس مرتبہ یہ پڑھا کرے:

اللھم بارک لی فی الموت و فی مابعد الموت" (الاتحاف ج:۱۰ ص:۲۲۷)

ترجمہ:...... "یا اللہ! برکت فرما میرے لئے موت میں ظاہری آنکھیں سیاہ و سفید کو دیکھتی ہیں اور دل کی آنکھیں اللہ تعالیٰ نے صحیح اور غلط کو دیکھنے کے لئے دی ہیں۔ ظاہری آنکھوں کو اور ان کی بینائی کو عربی زبان میں بصارت کہا جاتا ہے اور دل کی آنکھوں کو اور اس کی بینائی کو عربی زبان میں "بصیرت" کہا جاتا ہے اور اسی قوت بصیرت سے آدمی حق اور باطل کو پہچانتا ہے اور اسی بصیرت سے انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی شناخت ہوتی ہے اسی بصیرت کی بنا پر اللہ تعالیٰ ایمان کی توفیق عطا فرماتے ہیں اور اسی بصیرت کی بنا پر اس معرکہ کون وفساد میں حق اور باطل کی پہچان ہوتی ہے۔ (اصلاحی مواعظ)

هوالمعین

شاہ است حسینؑ بادشاہ است حسینؑ
دین است حسینؑ دین پناہ است حسینؑ
سر داد نداد دست در دست یزید
حقا کہ بنائے لا الٰہ است حسینؑ

کتبہ محمد یوسف سدیدی علوی

سید شباب اھل الجنة ریحانة رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت حسینؓ اوران کے اصحاب کی مظلومانہ دردانگیز شہادت کا واقعہ کچھ ایسا نہیں جس کو بھلایا جا سکے، نہ صرف مسلمان بلکہ ہر انسان اس سے اپنے دل میں ایک درد محسوس کرنے پر مجبور ہے اور اس میں اہل نظر کے لئے بہت سی عبرتیں اور نصائح ہیں اس لیے اس واقعہ کے بیان میں سینکڑوں بلکہ شاید ہزاروں کی تعداد میں مفصل ومختصر کتابیں ہر زبان میں لکھی گئی ہیں لیکن ان میں بکثرت ایسے رسائل ہیں جن میں صحیح روایات اور مستند کتب سے مضامین لینے کا اہتمام نہیں کیا گیا، اس لیے زمانہ دراز سے بعض احباب کا تقاضا تھا کہ اس موضوع پر ایک مختصر مگر جامع رسالہ لکھا جائے مگر مشاغل سے فرصت نہ تھی۔ اس وقت اتفاقاً ایک مختصر مضمون ''اسوہ حسینی'' لکھنے کے قصد سے قلم اٹھایا، مگر واقعہ کے تسلسل نے بہت اختصار پر قائم نہ رہنے دیا اور یہ ایک مستقل رسالہ بن گیا جس میں ان حضرات کی خواہش کی بھی تکمیل ہوگئی۔

مُفتی اعظم

حضرت مولانا محمد شفیع صاحبؒ رحمہ اللہ

شہید کربلا

یوں تو دنیا کی تاریخ کا ہر ورق انسان کے لئے عبرتوں کا مرقع ہے۔ خصوصاً اس کے اہم واقعات تو انسان کے ہر شعبہء زندگی کے لئے ایسے اہم نتائج سامنے لاتے ہیں جو کسی دوسری تعلیم و تلقین سے حاصل نہیں ہو سکتے۔ اسی لئے قرآن کریم کا ایک بہت بڑا حصہ قصص اور تاریخ پر مشتمل ہے۔ قرآن مجید نے تاریخ کو تاریخ کی حیثیت سے یا کسی قصہ وافسانہ کی صورت سے مدون و مرتب شکل میں پیش کیا۔ اس میں یہی اشارہ ہے کہ تاریخ خود اپنی ذات میں کوئی مقصد نہیں بلکہ وہ نتائج ہیں جو تاریخ اقوام اور ان میں پیش آنے والے واقعات سے حاصل ہوتے ہیں۔ اس لئے قرآن کریم نے قصص کے ٹکڑے ٹکڑے کر کے نتائج کے لئے پیش فرمائے ہیں۔ سیدنا و سید شباب اہل الجنۃ حضرت حسین بن علی رضی اللہ عنہما کا واقعہ شہادت نہ صرف اسلامی تاریخ کا ایک اہم واقعہ ہے بلکہ پوری دنیا کی تاریخ میں بھی اس کو ایک خاص امتیاز حاصل ہے۔ اس میں ایک طرف ظلم و جور اور سنگدلی و بے حیائی و فحش کشی کے ایسے ہولناک اور حیرت انگیز واقعات ہیں کہ انسان کو ان کا تصور بھی دشوار ہے۔ اور دوسری طرف آل اطہار رسول اللہ علیہ کے چشم و چراغ اور ان کے ستر بہتر متعلقین کی چھوٹی سی جماعت کا باطل کے مقابلہ پر جہاد اور اس پر ثابت قدمی اور قربانی و جانثاری کے ایسے محیر العقول واقعات ہیں۔ جن کی نظیر تاریخ میں ملنا مشکل ہے۔ اور ان دونوں میں آنے والی نسلوں کے لئے ہزاروں عبرتیں اور حکمتیں پوشیدہ ہیں۔

خلافت اسلامیہ پر ایک حادثہ عظیمہ

حضرت ذی النورین عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی شہادت سے فتنوں کا ایک غیر منقطع سلسلہ شروع ہو جاتا ہے۔ اس میں منافقین کی سازشیں، بھولے بھالے مسلمانوں کے جذبات سے کھیلنے کے واقعات پیش آتے ہیں مسلمانوں کی آپس میں تلوار چلتی ہے۔ مسلمان بھی وہ جو خیر الخلائق بعد الانبیاء کہلانے کے مستحق ہیں۔

خلافت کا سلسلہ جب امیر معاویہ رضی اللہ عنہ پر پہنچتا ہے تو خلافت راشدہ کا رنگ نہیں رہتا ملوکیت کی صورتیں پیدا ہو جاتی ہیں۔ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو مشورہ دیا جاتا ہے کہ زمانہ سخت فتنہ کا ہے آپ اپنے بعد کے لئے کوئی ایسا انتظام کریں کہ مسلمانوں میں پھر تلوار نہ نکلے اور خلافت اسلامیہ پارہ پارہ ہونے سے بچ جائے۔ باقتضاء حالات یہاں تک کوئی نامعقول یا غیر شرعی بات بھی نہ تھی۔

لیکن اس کے ساتھ ہی آپ کے بیٹے یزید کا نام مابعد کی خلافت کے لئے پیش کیا جاتا ہے۔ کوفہ سے چالیس مسلمان خوشامد پسند آتے ہیں یا بھیجے جاتے ہیں کہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے اس کی درخواست کریں کہ آپ کے بعد آپ کے بیٹے یزید سے کوئی قابل اور ملکی سیاست کا ماہر نظر نہیں آتا۔ اس کے لئے بیعت خلافت لی جائے۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو شروع میں کچھ تامل بھی ہوتا ہے۔ اپنے مخصوصین سے مشورہ کرتے ہیں۔ ان میں اختلاف ہوتا ہے کوئی موافقت میں رائے دیتا ہے کوئی مخالفت میں۔ یزید کا فسق و فجور بھی اس وقت کھلا نہیں تھا۔ بالآخر بیعت یزید کا قصد کیا جاتا ہے اور اسلام پر یہ پہلا حادثہ عظیم ہے کہ خلافت نبوت ملوکیت میں منتقل ہوتی ہے۔

اسلام پر بیعت یزید کا واقعہ

شام و عراق میں معلوم نہیں کس کس طرح خوشامد پسند لوگوں نے یزید کے لئے بیعت کا چرچا کیا۔ اور یہ شہرت دی گئی کہ شام و عراق کوفہ و بصرہ یزید کی بیعت پر متفق ہو گئے۔

اب حجاز کی طرف رخ کیا گیا۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے امیر مکہ و مدینہ کو اس کام کے لئے مامور کیا گیا۔ مدینہ کا عامل مروان تھا۔ اس نے خطبہ دیا اور لوگوں سے کہا کہ امیر المومنین معاویہ رضی اللہ عنہ ابوبکر رضی اللہ عنہ وعمر رضی اللہ عنہ کی سنت کے مطابق یہ چاہتے ہیں کہ اپنے بعد کے لئے یزید کی خلافت پر بیعت لی جائے۔ عبدالرحمٰن بن ابی بکر رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے اور کہا کہ یہ غلط ہے یہ ابوبکر رضی اللہ عنہ وعمر رضی اللہ عنہ کی سنت نہیں بلکہ کسریٰ اور قیصر کی سنت ہے۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ وعمر رضی اللہ عنہ نے خلافت اپنی اولاد میں منتقل نہیں کی۔ اور نہ اپنے کنبہ و رشتہ میں۔

حجاز کے عام مسلمانوں کی نظریں اہل بیت اطہار پر لگی ہوئی تھیں۔ خصوصاً حضرت حسین بن علی رضی اللہ عنہما پر جن کو وہ بجا طور پر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے بعد مستحق خلافت سمجھتے

تھے۔ وہ اس میں حضرت حسین ؓ، حضرت عبداللہ بن عمر ؓ، عبدالرحمن بن ابی بکر ؓ، عبداللہ بن زبیر ؓ عبداللہ بن عباس ؓ کی رائے کے منتظر تھے کہ وہ کیا کرتے ہیں۔

ان حضرات کے سامنے اول تو کتاب وسنت کا یہ اصول تھا کہ خلافت اسلامیہ خلافت نبوت ہے۔ اس میں وراثت کا کچھ کام نہیں۔ کہ باپ کے بعد بیٹا خلیفہ ہو۔ بلکہ ضروری ہے کہ آزادانہ انتخاب سے خلیفہ کا تقرر کیا جائے۔

دوسرے یزید کے ذاتی حالات بھی اس کی اجازت نہ دیتے تھے۔ کہ اس کو تمام ممالک اسلامیہ کا خلیفہ مان لیا جائے۔ ان حضرات نے اس سازش کی مخالفت کی اور ان میں سے اکثر آخر دم تک مخالفت پر ہی رہے۔ اسی حق گوئی اور حمایت حق کے نتیجہ میں مکہ و مدینہ میں دار ورسن اور کوفہ و کربلا میں قتل عام کے واقعات پیش آئے۔

حضرت معاویہ ؓ مدینہ میں

حضرت معاویہ ؓ نے خود ۵۱ھ میں حجاز کا سفر کیا مدینہ طیبہ تشریف لائے ان سب حضرات سے نرم وگرم گفتگو ہوئی سب نے کھلے طور پر مخالفت کی۔

ام المؤمنین حضرت عائشہ ؓ سے شکایت اور ان کی نصیحت

امیر معاویہ ؓ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے پاس تشریف لے گئے اور ان سے یہ شکایت کی یہ حضرات میری مخالفت کرتے ہیں۔ ام المؤمنین رضی اللہ عنہا نے ان کو نصیحت کی کہ میں نے سنا ہے کہ آپ ان پر جبر کرتے ہیں اور قتل کی دھمکی دیتے ہیں۔ آپ کو ہرگز ایسا نہ کرنا چاہئے۔ معاویہ ؓ نے فرمایا کہ غلط ہے وہ حضرات میرے نزدیک واجب الاحترام ہیں۔ میں ایسا نہیں کرسکتا۔ لیکن بات یہ ہے کہ شام وعراق اور عام اسلامی شہروں کے باشندے یزید کی بیعت پر متفق ہوچکے ہیں۔ بیعت خلافت مکمل ہوچکی ہے۔ اب یہ چند حضرات مخالفت کررہے ہیں۔ اب آپ ہی بتلایئے کہ مسلمانوں کا کلمہ ایک شخص پر متفق ہوچکا ہے اور ایک بیعت مکمل ہوچکی ہے کیا میں اس بیعت کو مکمل ہونے کے بعد توڑ دوں؟

ام المؤمنین رضی اللہ عنہا نے فرمایا یہ تو آپ کی رائے ہے آپ جانیں۔ لیکن میں یہ

کہتی ہوں کہ ان حضرات پر تشدد نہ کیجئے۔ احترام و رفق کے ساتھ ان سے گفتگو کیجئے۔ حضرت معاویہ ؓ نے ان سے وعدہ کیا کہ میں ایسے ہی کروں گا۔ (ابن کثیر)

حضرت حسین ؓ اور عبداللہ بن زبیر ؓ حضرت معاویہ ؓ کے قیام مدینہ کے زمانے میں یہ محسوس کرتے تھے کہ ہمیں مجبور کیا جائے گا اس لئے مع اہل و عیال مکہ مکرمہ پہنچ گئے۔ عبداللہ بن عمر ؓ اور عبدالرحمٰن ابن ابی بکر ؓ حج کے لئے مکہ تشریف لے گئے۔

حضرت عبداللہ ابن عمرؓ نے حمد و ثناء کے بعد فرمایا کہ

آپ سے پہلے بھی خلفاء تھے اور ان کے بھی اولاد تھی۔ آپ کا بیٹا کچھ ان کے بیٹوں سے بہتر نہیں ہے۔ مگر انہوں نے اپنے بیٹوں کے لئے وہ رائے قائم نہیں کی۔ جو آپ اپنے بیٹے کے لئے کر رہے ہیں۔ بلکہ انہوں نے مسلمانوں کے اجتماعی مفاد کو سامنے رکھا۔ آپ مجھے تفریق ملت سے ڈراتے ہیں۔ سو آپ یاد رکھیں کہ میں فرقہ بین المسلمین کا سبب ہرگز نہیں بنوں گا۔ مسلمانوں کا ایک فرد ہوں اگر سب مسلمان کسی راہ پر پڑ گئے تو میں بھی ان میں شامل رہوں گا۔ (تاریخ الخلفاء للسیوطی)

اس کے بعد عبدالرحمٰن بن ابی بکر ؓ سے اس معاملہ میں گفتگو فرمائی۔ انہوں نے شدت سے انکار کیا کہ میں کبھی اس کو قبول نہیں کروں گا۔ پھر عبداللہ بن زبیر ؓ کو بلا کر خطاب کیا انہوں نے بھی ویسا ہی جواب دیا۔

اجتماعی طور پر معاویہؓ کو صحیح مشورہ

اس کے بعد حضرت حسین بن علی رضی اللہ عنہما اور عبداللہ ابن زبیر رضی اللہ عنہما وغیرہ خود جا کر حضرت معاویہ ؓ سے ملے اور ان سے کہا کہ آپ کے لئے یہ کسی طرح مناسب نہیں ہے کہ آپ اپنے بیٹے یزید کے لئے بیعت پر اصرار کریں۔ ہم آپ کے سامنے تین صورتیں رکھتے ہیں جو آپ کے پیشرووں کی سنت ہے۔

۱- آپ وہ کام کریں جو رسول اللہ ﷺ نے کیا کہ اپنے بعد کسی کو متعین نہیں فرمایا بلکہ مسلمانوں کی رائے عامہ پر چھوڑ دیا۔

۲- یا وہ کام کریں جو ابو بکر ؓ نے کیا کہ ایک ایسے شخص کا نام پیش کیا جو نہ ان کے

خاندان کا ہے نہ ان کا کوئی قریبی رشتہ دار ہے اور اس کی اہلیت پر بھی سب مسلمان متفق ہیں۔
۳-یا وہ صورت اختیار کریں جو حضرت عمرؓ نے کی کہ اپنے بعد کا معاملہ چھ آدمیوں پر دائر کر دیا۔
اس کے سوا ہم کوئی چوتھی صورت نہیں سمجھتے نہ قبول کرنے کے لئے تیار ہیں۔ مگر معاویہ ؓ کو اس پر اصرار رہا کہ اب تو یزید کے ہاتھ پر بیعت مکمل ہو چکی ہے اس کی مخالفت آپ لوگوں کو جائز نہیں ہے۔

سادات اہل حجاز کا بیعت یزید سے انکار

حضرت امیر معاویہؓ کی زندگی میں تو یہ معاملہ یہیں تک رہا کہ شام وعراق کے عام لوگوں نے تو یزید کی بیعت کو قبول کر لیا اور دوسرے حضرات نے جب یہ دیکھا کہ یزید پر مسلمانوں کی بڑی تعداد مجتمع ہو گئی تو بحالت مجبوری انہوں نے بھی مسلمانوں کو انتشار اور تفرقہ سے بچانے کے لئے اس کی بیعت قبول کر لی۔ مگر اہل مدینہ اور خصوصاً حضرت حسین ؓ، حضرت عبداللہ بن عمرؓ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ بیعت یزید سے انکار پر ثابت قدم رہے۔ اور کسی کی پرواہ کئے بغیر حق بات کا اعلان کرتے رہے۔ کہ یزید ہرگز اس قابل نہیں کہ اس کو خلیفۃ المسلمین بنایا جائے۔ یہاں تک کہ حضرت معاویہؓ کی وفات ہو گئی اور یزید بن معاویہؓ نے ان کی جگہ لے لی۔

حضرت معاویہؓ کی وفات اور وصیت

وفات سے پہلے حضرت معاویہؓ نے یزید کو کچھ وصیتیں فرمائیں۔ ان میں ایک یہ بھی تھی کہ میرا اندازہ یہ ہے کہ اہل عراق حسین ؓ کو تمہارے خلاف آمادہ کر دیں گے۔ اگر ایسا ہو اور مقابلہ میں تم کامیاب ہو جاؤ تو ان سے درگزر کرنا اور ان کی قرابت رسول اللہ ﷺ کا پورا احترام کرنا۔ ان کا سب مسلمانوں پر بڑا حق ہے۔ (تاریخ کامل ابن اثیر صفحہ ۱ جلد ۴)

یزید کا خط ولید کے نام

یزید نے تخت خلافت پر آتے ہی والی مدینہ ولید بن عتبہ بن ابی سفیان کو خط لکھا کہ حضرت حسین ؓ اور عبداللہ بن عمرؓ، عبداللہ بن زبیرؓ کو بیعت خلافت پر مجبور

کرے۔ اوران کواس معاملہ میں مہلت نہ دے۔ ولید کے پاس جب یہ خط پہنچا تو فکر میں پڑ گیا۔ کہ اس حکم کی تعمیل کس طرح کرے۔ مروان بن حکم جوان سے پہلے والی مدینہ رہ چکا تھا اس کومشورہ کے لئے بلایا اس نے مشورہ دیا کہ ابھی تک حضرت امیر معاویہ ﷺ کی وفات کی خبر مدینہ میں شائع نہیں ہوئی۔ مناسب یہ ہے کہ ان لوگوں کو فوراً بلا لیا جائے اگر وہ یزید کی بیعت کرلیں تو مقصد حاصل ہے ورنہ سب کو وہیں قتل کردیا جائے۔

ولید نے اسی وقت عبداللہ بن عمرو بن عثمان ﷺ کو حضرت حسین ﷺ اور عبداللہ بن زبیر ﷺ کے پاس بلانے کے لئے بھیجا۔ اس نے ان دونوں حضرات کو مسجد میں پایا۔ اور امیر مدینہ ولید کا حکم پہنچا دیا۔ اس سے ان دونوں نے کہا تم جاؤ ہم آتے ہیں۔ اس کے جانے کے بعد حضرت عبداللہ بن زبیر ﷺ نے حضرت حسین ﷺ سے کہا کہ یہ وقت امیر کی مجلس کا نہیں۔ اس وقت ہمیں بلانے میں کوئی خاص راز ہے۔ حضرت حسین ﷺ اپنی ذکاوت سے پوری بات سمجھ گئے تھے۔ فرمایا ایسا معلوم ہوتا ہے کہ معاویہ ﷺ کا انتقال ہوگیا ہے اوراب وہ چاہتے ہیں کہ لوگوں میں انتقال کی خبر مشہور ہونے سے پہلے وہ ہمیں یزید کی بیعت پر مجبور کریں۔ عبداللہ بن زبیر ﷺ نے بھی ان کی رائے سے اتفاق کیا اور کہا اب کیا رائے ہے؟ حضرت حسین ﷺ نے فرمایا کہ میں جا کر اپنے جوانوں کو جمع کرلیتا ہوں اور پھر ان کو ساتھ لیکر ولید کے پاس پہنچتا ہوں میں اندر جاؤں گا اور نوجوانوں کو دروازہ پر چھوڑ جاؤں گا۔ کہ کوئی ضرورت پڑے تو ان کی امداد حاصل کرسکوں۔ اس پر قرارداد کے مطابق حضرت حسین ﷺ ولید کے پاس پہنچے وہاں مروان بھی موجود تھا۔ حضرت حسین ﷺ نے سلام کے بعد اول تو ولید اور مروان کو نصیحت کی کہ تم دونوں میں پہلے کشیدگی تھی اب میں آپ دونوں کو مجتمع دیکھ کر خوش ہوا اور دعا کی کہ اللہ تعالیٰ آپ دونوں کے تعلقات خوشگوار رکھے۔

▪ اس کے بعد ولید نے یزید کا خط حضرت حسین ﷺ کے سامنے رکھ دیا جس میں حضرت معاویہ ﷺ کی وفات کی خبر اور اپنی بیعت کا تقاضا تھا۔ حضرت حسین ﷺ نے معاویہ ﷺ کی وفات پر اظہار افسوس کیا اور بیعت کے متعلق یہ فرمایا کہ میرے جیسے آدمی کے لئے یہ مناسب نہیں کہ خلوت میں پوشیدہ طور پر بیعت کرلوں۔ مناسب یہ ہے کہ آپ سب کو جمع کر

نیں اور بیعت خلافت کا معاملہ سب کے سامنے رکھیں اس وقت میں حاضر ہوں گا جو کچھ ہوگا سب کے سامنے ہو جائے گا۔ ولید ایک عافیت پسند انسان تھا اس بات کو قبول کر کے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو واپسی کی اجازت دے دی۔

حضرت حسین وزبیر رضی اللہ عنہما مکہ چلے گئے

حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما اپنے بھائی جعفر رضی اللہ عنہ کو ساتھ لیکر راتوں رات مدینہ سے نکل گئے۔ جب وہ تلاش کرنے پر ہاتھ نہ آئے۔ تو حضرت حسین رضی اللہ عنہ کا تعاقب کیا۔ حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے بھی یہی صورت اختیار کی کہ اپنی اولاد اور متعلقین کو لیکر مدینہ سے نکل گئے۔ اور دونوں مکہ مکرمہ پہنچ کر پناہ گزین ہو گئے۔ یزید کو جب اس واقعہ کی اطلاع ملی تو ولید بن عتبہ کی سستی پر محمول کر کے ان کو معزول کر دیا۔ ان کی جگہ عمرو بن سعید اشدق کو امیر مدینہ بنایا اور ان کی پولیس کا افسر حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کے بھائی عمرو کو بنایا۔ کیونکہ اس کو معلوم تھا کہ ان دونوں بھائیوں میں شدید اختلاف ہے۔ عمرو بن زبیر، عبداللہ بن زبیر کی گرفتاری میں کوتاہی نہ کرے گا۔

گرفتاری کے لئے فوج کی روانگی

عمرو بن زبیر نے پہلے تو روساء مدینہ میں جو لوگ حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کے حامی تھے ان سب کو بلا کر سخت تشدد کیا اور مار پیٹ کے ذریعہ ان پر رعب جمانا چاہا۔ اس کے بعد بمشورہ عمرو بن سعید دو ہزار جوانوں کا لشکر لیکر حضرت حسین رضی اللہ عنہ اور حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کی گرفتاری کے لئے مکہ مکرمہ روانہ ہوا۔ ابو شریح خزاعی نے عمرو بن سعید کو اس حرکت سے روکا کہ مکہ مکرمہ میں قتل وقتال جائز نہیں۔ جو لوگ حرم مکہ میں پناہ گزین ہیں ان کی گرفتاری کے لئے بھیجنا خدائے تعالیٰ کی حدود کو توڑنا ہے۔ مگر عمرو بن سعید نے ان کی بات نہ مانی۔ اور حدیث میں تاویلیں کرنے لگا۔ (صحیح بخاری)

عمرو بن زبیر دو ہزار کا لشکر لیکر روانہ ہو گیا۔ اور مکہ سے باہر قیام کر کے اپنے بھائی عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کے پاس آدمی بھیجے کہ مجھے یزید کا حکم ہے کہ تمہیں گرفتار کروں۔ میں مناسب نہیں سمجھتا کہ مکہ مکرمہ کے اندر قتال ہو۔ اس لئے تم خود کو میرے حوالے کر دو۔

عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے اپنے چند نوجوانوں کو اس کے مقابلہ کے لئے بھیج دیا۔ جنہوں نے اس کو شکست دی اور عمرو بن زبیر رضی اللہ عنہ نے ابن علقمہ کے گھر میں پناہ لی۔ دوسری طرف جب حضرت حسین رضی اللہ عنہ مدینہ سے نکلے تو راستہ میں عبداللہ بن مطیع رضی اللہ عنہ ملے۔ دریافت کیا کہ آپ کہاں جاتے ہیں۔ فرمایا اس وقت تو مکہ مکرمہ کا قصد ہے۔ اس کے بعد استخارہ کروں گا کہ کہاں جاؤں۔ عبداللہ بن مطیع نے کہا کہ میں آپ کو خیر خواہانہ مشورہ دیتا ہوں کہ آپ مکہ ہی میں رہیں۔ خدا کے لئے آپ کوفہ کا رخ نہ کریں۔ وہ بڑا منحوس شہر ہے۔ اس میں آپ کے والد ماجد قتل کئے گئے اور آپ کے بھائی کو بے یار و مددگار چھوڑا گیا۔ حضرت حسین رضی اللہ عنہ مکہ میں پہنچ کر مقیم ہو گئے۔ اور اطراف کے مسلمان ان کی خدمت میں آنے جانے لگے۔

اہل کوفہ کے خطوط

ادھر جب اہل کوفہ کو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی وفات کی خبر ملی اور یہ کہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ اور عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ وغیرہ نے بیعت یزید سے انکار کر دیا تو کچھ شیعہ سلیمان بن صرد خزاعی کے مکان پر جمع ہوئے اور حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو خط لکھا کہ ہم بھی یزید کے ہاتھ پر بیعت کرنے پر تیار نہیں۔ آپ فوراً کوفہ آ جائیے۔ ہم سب آپ کے ہاتھ پر بیعت کریں گے۔ یزید کی طرف سے کوفہ کا امیر جو نعمان ابن بشیر ہے اس کو یہاں سے نکال دیں گے۔

اس کے دو روز بعد اسی مضمون کا ایک خط لکھا اور دوسرے خطوط حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے پاس بھیجے۔ جسمیں یزید کی شکایات اور اس کے خلاف اپنی نصرت و تعاون اور حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت کرنے کا یقین دلایا گیا۔ اور چند وفود بھی حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچے۔ حضرت حسین رضی اللہ عنہ وفود اور خطوط سے متاثر ہوئے۔ مگر حکمت و دانشمندی سے یہ کیا کہ بجائے خود جانے کے اپنے چچازاد بھائی مسلم بن عقیل کو کوفہ روانہ کیا۔ اور ان کے ہاتھ یہ خط لکھ بھیجا کہ:

"بعد سلام مسنون! مجھے آپ لوگوں کے خط ملے اور حالات کا اندازہ ہوا۔ میں اپنے معتمد چچازاد بھائی مسلم بن عقیل کو تمہارے پاس بھیجتا ہوں تا کہ وہ حالات کا جائزہ لیکر مجھے خط لکھے۔ اگر وہ حالات کی تحقیق کے بعد مجھے خط لکھیں گے تو میں فوراً کوفہ پہنچ جاؤں گا۔

مسلم بن عقیل کوفہ جانے سے پہلے مدینہ طیبہ پہنچے تو مسجد نبوی ﷺ میں نماز ادا کی۔ اوراپنے اہل وعیال سے رخصت ہوئے۔کوفہ پہنچ کر مختار کے گھر پر مقیم ہوئے۔ یہاں کے حضرات ان کے پاس آنے جانے لگے۔ جب کوئی نیا آدمی آتا تو مسلم بن عقیل اس کو حضرت حسین رضی اللہ عنہ کا خط پڑھ کرسناتے تھے۔جس کوسن کرسب پر گریہ طاری ہوجاتا تھا۔

مسلم بن عقیل رضی اللہ عنہ نے چندروز کے قیام سے یہ اندازہ لگالیا کہ یہاں کے عام مسلمان یزید کی بیعت سے متنفر اور حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی بیعت کے لئے بے چین ہیں۔ آپ نے یہ دیکھ کر حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے لئے بیعت خلافت شروع کردی۔ چندروز میں صرف کوفہ سے اٹھارہ ہزار مسلمانوں نے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے لئے بیعت کرلی۔اور یہ سلسلہ روز بروز بڑھتا جارہا تھا۔

مسلم بن عقیل رضی اللہ عنہ نے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو کوفہ کیلئے دعوت دے دی

اس وقت مسلم بن عقیل کو یہ اطمینان ہوگیا کہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ تشریف لائیں تو بے شک پوراعراق ان کی بیعت میں آجائے گا۔حجاز کے لوگ ان کے پہلے ہی تابع اور دلدادہ ہیں۔اس لئے ملت اسلام کے سر سے باسانی یزید کی مصیبت ٹل جائے گی۔اور ایک صحیح معیاری خلافت قائم ہوجائے گی۔انہوں نے ہدایت کے موافق حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو کوفہ آنے کی دعوت دے دی۔ (کامل ابن اثیر)

حالات میں انقلاب

مگر یہ خط لکھنے کے بعد بحکم قضاءقدر اس طرف حالات بدلنا شروع ہوگئے۔یزید کی طرف سے نعمان بن بشیر کوفہ کے حاکم تھے۔ان کو جب یہ اطلاع ملی کہ مسلم بن عقیل حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے لیے بیعت خلافت لے رہے ہیں۔لوگوں کو جمع کرکے ایک خطبہ دیا جس میں کہا کہ:

''ہم کسی سے لڑنے کے لیے تیار نہیں۔ اور نہ محض شبہ یا تہمت پر کسی کو پکڑتے ہیں لیکن اگر تم نے سرکشی اختیار کی اوراپنے امام (یزید) کی بیعت توڑی تو قسم ہے اس ذات

کی جس کے سوا کوئی معبود نہیں کہ تلوار سے تم لوگوں کو سیدھا کردوں گا۔ جب تک تلوار کا دستہ میرے ہاتھ میں قائم رہے گا۔" (ابن کثیر)

عبداللہ بن مسلم نے براہ راست ایک خط یزید کو بھیج دیا جس میں مسلم بن عقیل کے آنے اور حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے لئے بیعت لینے کا واقعہ ذکر کر کے لکھا کہ:

"اگر تمہیں کوفہ کی کچھ ضرورت ہے اور اس کو اپنے قبضہ میں رکھنا چاہتے ہو تو یہاں کے لیے کوئی قوی آدمی کو فوراً بھیجئے جو آپ کے احکامات کو قوت کے ساتھ نافذ کر سکے۔ موجودہ حاکم نعمان بن بشیر یا تو کمزور ہیں یا قصداً کمزروی کا معاملہ کر رہے ہیں"۔

یزید نے کہا بے شک اس وقت سرجون نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا ایک فرمان نکالا جس میں کوفہ کی امارت پر عبیداللہ بن زیاد کو مقرر کیا گیا تھا۔

کوفہ پر ابن زیاد کا تقرر... مسلم بن عقیل کے قتل کا حکم

یزید نے اس کے مشورے کو قبول کر کے عبیداللہ ابن زیاد کو کوفہ اور بصرہ دونوں کا حاکم بنا دیا۔ اور اس کو خط لکھا کہ فوراً کوفہ پہنچ کر مسلم بن عقیل کو گرفتار کرے اور قتل کر دے۔ یا کوفہ سے نکال دے۔ ابن زیاد کو یہ خط ملا تو فوراً کوفہ جانے کا عزم کر لیا۔

حضرت حسینؓ کا خط اہل بصرہ کے نام

ادھر ایک واقعہ پیش آیا کہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کا ایک خط اشراف اہل بصرہ کے نام پہنچا۔ جس کا مضمون یہ تھا: "آپ لوگ دیکھ رہے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت مٹ رہی ہے اور بدعات پھیلائی جا رہی ہیں۔ میں تمہیں دعوت دیتا ہوں۔ کہ کتاب اللہ اور سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت کرو۔ اور اس کے احکام کی تنفیذ کے لیے کوشش کرو۔ (کامل ابن اثیر ص ۹ ج ۴)

یہ خط خفیہ بھیجا گیا تھا اور سب نے اس خط کو راز میں رکھا۔ لیکن منذر بن جارود کو یہ خیال ہوا کہ کہیں ایسا تو نہیں کہ یہ خط لانے والا خود ابن زیاد کا جاسوس ہو اس لیے اس نے یہ خط ابن زیاد تک پہنچا دیا۔ اور جو شخص خط لے کر آیا تھا۔ اس کو بھی ابن زیاد کے سامنے پیش کر دیا۔ ابن

زیاد نے اس قاصد کو قتل کر ڈالا۔ اور اس کے بعد تمام اہل بصرہ کو جمع کر کے ایک خطبہ دیا۔ جس میں کہا کہ: ''جو شخص میری مخالفت کرے میں اس کے لیے عذاب الیم ہوں۔ اور جو موافقت کرے اس کے لیے راحت ہوں۔ مجھے امیر المؤمنین نے کوفہ جانے کا حکم دیا ہے''

ابن زیاد کوفہ میں

اس کے بعد ابن زیاد اپنے ساتھ مسلم بن عمر باہلی اور شریک بن اعور کو لے کر کوفہ کی طرف روانہ ہو گیا۔ کوفہ کے لوگ پہلے سے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی آمد کے منتظر تھے۔ اور ان میں سے بہت سے لوگ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو پہچانتے بھی نہ تھے۔ جب ابن زیاد کوفہ پہنچا تو ان لوگوں نے یہی سمجھا کہ یہی حسین رضی اللہ عنہ ہیں۔ وہ جس مجلس سے گذرتا سب یہ کہہ کر اس کا استقبال کرتے تھے کہ:

مرحبابک یا ابن رسول اللہ

ابن زیاد یہ منظر خاموشی کے ساتھ دیکھ رہا تھا۔ اور دل میں کڑھتا تھا کہ کوفہ پر تو حضرت حسین رضی اللہ عنہ کا پورا تسلط ہو چکا ہے۔

اب پورے شہر کوفہ میں حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے آنے کی خبر مشہور ہو گئی۔ لوگ جوق در جوق زیارت کے لیے آنے لگے۔ ادھر نعمان بن بشیر والی کوفہ کو یہ خبر ملی تو باوجود یزید کا ملازم ہونے کے اہل بیت کا احترام دل میں رکھتے تھے۔ اپنے گھر کے دروازے بند کر کے بیٹھ گئے۔

ابن زیاد خاموشی کے ساتھ یہ سب مظاہرے اور والی کوفہ کا معاملہ دیکھ رہا تھا۔ اب اس نے دروازے کے قریب پہنچ کر نعمان کو آواز دی کہ دروازہ کھولو میں ابن زیاد ہوں یزید کی طرف سے مامور ہو کر آیا ہوں اس وقت دروازہ کھولا گیا۔ اور وہ اندر جانے کے بعد پھر بند کر دیا گیا۔

کوفہ میں ابن زیاد کی پہلی تقریر

اگلے روز صبح ہی ابن زیاد نے اہل کوفہ کو جمع کر کے ایک تقریر کی جس میں کہا کہ امیر المؤمنین نے مجھے تمہارے شہر کا حاکم بنایا ہے اور یہ حکم دیا ہے کہ تم میں سے جو شخص مظلوم ہو اس کے ساتھ انصاف کیا جائے۔ اور جو اپنے حق سے محروم کر دیا گیا ہے اس کو اس کا حق دیا جائے اور جو شخص اطاعت اور فرمانبرداری کرے اس کے ساتھ اچھا سلوک کیا جائے۔ اور جو سرکشی

اور نافرمانی کرے یا جس کی حالت اس معاملہ میں مشتبہ ہو اس پر تشدد کیا جائے۔ خوب سمجھ لو۔ کہ میں امیر المؤمنین کا تابع فرمان رہ کر ان کے احکام ضرور نافذ کروں گا۔ میں نیک چلن لوگوں کے لیے مہربان باپ اور اطاعت کرنے والوں کے لیے حقیقی بھائی ہوں۔ اور میرا کوڑا اور میری تلوار صرف ان لوگوں کے لیے ہے جو میری اطاعت سے بغاوت کریں۔ اور میرے احکام کی مخالفت کریں۔ اب آپ لوگ اپنی جانوں پر رحم کھائیں اور بغاوت سے باز آئیں۔

مسلم بن عقیل کے تاثرات

ادھر مسلم بن عقیل جو مختار ابن ابی عبید کے گھر مقیم تھے۔ اور حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے لیے بیعت خلافت لے رہے تھے۔ ان کو جب زیاد کی اس تقریر کا علم ہوا تو یہ خطرہ ہوا کہ ان کی مخبری کر دی جائے گی۔ اس لیے وہ مختار کا گھر چھوڑ کر ہانی بن عروہ کے مکان پر آگئے۔ دروازہ پر پہنچ کر ہانی بن عروہ کو باہر بلایا وہ باہر آئے۔ تو مسلم بن عقیل کو اپنے دروازہ پر دیکھ کر پریشان ہو گئے۔ مسلم بن عقیل نے کہا کہ میں تمہارے پاس پناہ لینے کے لیے آیا ہوں۔ ہانی بن عروہ نے جواب دیا کہ آپ مجھ پر بڑی مصیبت ڈال رہے ہیں اگر آپ میرے گھر کے اندر نہ آگئے ہوتے تو میں یہی پسند کرتا کہ آپ واپس لوٹ جائیں۔ مگر اب کہ آپ داخل ہو چکے تو میں اپنی ذمہ داری محسوس کرتا ہوں۔ اچھا آجایئے۔ مسلم ان کے مکان میں روپوش ہو گئے۔ کوفہ کے مسلمان ان کی خدمت میں خفیہ آتے جاتے رہے۔

مسلم کی گرفتاری کے لئے ابن زیاد کی چالاکی

ادھر ابن زیاد نے اپنے ایک خاص دوست کو بلا کر تین ہزار درہم دیئے اور اس کام پر مامور کیا کہ مسلم بن عقیل کا پتہ لگائے۔ یہ شخص مسجد میں مسلم بن عوسجہ اسدی کے پاس پہنچا جن کے متعلق کچھ لوگوں سے سنا تھا کہ وہ مسلم بن عقیل کے رازدار ہیں۔ جب وہ نماز سے فارغ ہوئے۔ تو اس شخص نے علیحدہ لے جا کر ان سے کہا کہ میں شام کا باشندہ ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے مجھ پر کرم فرمایا ہے کہ مجھے اہل بیت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت عطاء فرمائی۔ یہ تین ہزار درہم میں اس لیے لایا ہوں کہ اس شخص کے سپرد کر دوں جو حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے لیے

بیعت لے رہا ہے۔ مجھے لوگوں سے پتہ چلا ہے کہ آپ کو اس شخص کا علم ہے بہر حال مسلم ابن عوسجہ نے اس شخص سے حلف اور عہد لیا کہ راز فاش نہ کرے گا۔ یہ شخص چند روز تک ان کے پاس آتا جاتا رہا۔ کہ وہ اس کو مسلم بن عقیل سے ملا دیں گے۔

ابن زیاد: ہانی بن عروہ کے گھر میں

اتفاقاً ہانی بن عروہ جن کے گھر میں مسلم بن عقیل روپوش تھے بیمار ہو گئے۔ ابن زیاد ان کی بیماری کی خبر پا کر عیادت کے لیے ان کے گھر پہنچا۔ اس وقت عمارہ بن عبد سلولی نے ان سے کہا کہ یہ موقع غنیمت ہے کہ اس وقت دشمن (ابن زیاد) تمہارے قابو میں ہے۔ قتل کرا دو۔ ہانی بن عروہ نے کہا کہ شرافت کے خلاف ہے کہ میں اس کو اپنے گھر میں قتل کر دوں۔ یہ موقع نکل گیا۔

مسلم بن عقیلؓ کی انتہائی شرافت اور اتباع سنت

شریک ابن اعور نے بھی اس موقع کو غنیمت جان کر مسلم بن عقیل سے کہا کہ یہ فاجر آج شام کو میری عیادت کے لیے آنے والا ہے جب یہ آ کر بیٹھے تو آپ یکبارگی اس پر حملہ کر کے قتل کر دیں۔ پھر آپ مطمئن ہو کر قصر امارت پر بیٹھیں اگر میں تندرست ہو گیا تو بصرہ پہنچ کر وہاں کا انتظام آپ کے حق میں درست کر دوں گا۔

شام ہوئی اور ابن زیاد کے آنے کا وقت ہوا۔ تو مسلم بن عقیل رضی اللہ عنہ اندر جانے لگے۔ اس وقت شریک بن اعور نے کہا کہ آج موقع ہاتھ سے جانے نہ دینا جب وہ بیٹھ جائے تو فوراً قتل کر دینا مگر اس وقت بھی ان کے میزبان ہانی بن عروہ نے کہا کہ مجھے پسند نہیں کہ وہ میرے گھر میں مارا جائے۔

اہل حق اور اہل باطل میں فرق

یہاں یہ بات قابل ملاحظہ ہے کہ مسلم بن عقیل رضی اللہ عنہ کو اپنی موت سامنے نظر آ رہی ہے اور نہ صرف اپنی موت بلکہ اپنے پورے خاندان اہل بیت کی موت اور اس کے ساتھ ایک صحیح اسلامی مقصد کی ناکامی دیکھ رہے ہیں۔ اور جس شخص کے ہاتھوں یہ سب کچھ ہونے والا ہے وہ اسی طرح ان کے قابو میں ہے کہ بیٹھے بیٹھے ان کو ختم کر سکتے ہیں۔ مگر اہل حق اور خصوصاً اہل بیت اطہار کا جوہر شرافت اور تقاضائے اتباع سنت دیکھنے اور یاد رکھنے کے قابل ہے۔

کہ اس وقت بھی ان کا ہاتھ نہیں اٹھتا۔ یہی اہل حق کی علامت ہے کہ وہ اپنی ہر حرکت وسکون اور ہر قدم پر سب سے پہلے یہ دیکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے نزدیک ہمارا یہ قدم صحیح ہے یا نہیں۔ اور اگر کتاب وسنت سے یا تقاضائے شرافت سے ان کی اجازت نظر آتی ہو تو اپنا سب کچھ قربان کرنے اور مقصد کو نظر انداز کرنے کے لیے تیار ہو جاتے ہیں۔

ہانی بن عروہ پر تشدد مار پیٹ

جب ہانی کی یہ پختگی دیکھی تو ابن زیاد نے اور اس کے مصاحب خاص مہران نے ہانی کے بال پکڑ کر ان کو مارنا شروع کیا۔ یہاں تک کہ ان کے ناک اور منہ سے خون بہنے لگا اور کہا کہ اب بھی تم مسلم کو ہمارے حوالے کر دو۔ ورنہ تمہیں قتل کر دیں گے۔

ہانی نے کہا میرا قتل تیرے لیے آسان نہیں اگر ایسا کرو گے تو تمہارے قصر امارت کو تلواریں گھیر لیں گی اس پر ابن زیاد اور برافروختہ ہوا۔ اور مار پیٹ شدید کر دی۔

اسماء بن خارجہ جو ہانی کو گھر سے بلا کر لائے تھے۔ اور ان کو اطمینان دلایا تھا کہ آپ کوئی فکر نہ کریں وہ اس وقت کھڑے ہوئے۔ سختی سے ابن زیاد سے کہا کہ اے غدار تو نے ہمیں ایک شخص کو لانے کو کہا جب ہم اسے لے آئے تو تو نے اس کا یہ حال کر دیا۔ اس پر ابن زیاد نے ہاتھ روکا۔

ہانی کی حمایت میں ابن زیاد کے خلاف ہنگامہ

ادھر شہر میں مشہور ہو گیا کہ ہانی بن عروہ قتل کر دیئے گئے ہیں۔ جب یہ خبر عمرو بن حجاج کو پہنچی تو وہ قبیلہ مذحج کے بہت سے جوانوں کو لے کر موقع پر پہنچے اور ابن زیاد کے مکان کا محاصرہ کر لیا۔ اب تو ابن زیاد کو اور فکر پڑ گئی۔ قاضی شریح کو کہا کہ آپ باہر جا کر لوگوں کو بتلائیں کہ ہانی بن عروہ صحیح سالم ہیں۔ قتل نہیں کیے گئے میں خود ان کو دیکھ کر آیا ہوں اور شریح کے ساتھ اپنا ایک آدمی بطور جاسوس لگا دیا کہ ابن زیاد کے کہنے کے خلاف کوئی بات نہ کریں۔ قاضی شریح کا یہ قول سن کر عمرو بن حجاج نے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ اب اطمینان ہے تم واپس چلے جاؤ۔

ہانی بن عروہ کے متعلق شہادت کی خبر اور اس کے خلاف قبیلہ مذحج کے ہنگامہ اور ابن زیاد کے قصر کے محاصرہ کی اطلاع جب مسلم بن عقیل رضی اللہ عنہ کو ملی تو وہ بھی مقابلہ کے لیے تیار ہو کر نکلے

اور جن اٹھارہ ہزار مسلمانوں نے ان کے ہاتھ پر بیعت کی تھی۔ ان کو جمع کیا چار ہزار آدمی جمع ہو گئے۔ اور جمع ہوتے جا رہے تھے۔ یہ لشکر ابن زیاد کے قصر کی طرف بڑھا۔ تو ابن زیاد نے قصر کے دروازوں کو مقفل کر دیا۔ مسلم بن عقیل اور ان کے ساتھیوں نے قصر کا محاصرہ کر لیا اور مسجد اور بازار ان لوگوں سے بھر گیا۔ جو ابن زیاد کے مقابلے پر آئے تھے۔ اور شام تک اس میں اضافہ ہوتا رہا۔

ابن زیاد کے ساتھ قصر امارت میں صرف تیس سپاہی اور کچھ خاندان کے سادات تھے۔ ابن زیاد نے ان میں چند ایسے لوگوں کو منتخب کیا جن کا اثر و رسوخ ان قبائل پر تھا جو مسلم بن عقیل کے ساتھ محاصرہ کئے ہوئے تھے۔ اور ان کو کہا کہ تم باہر جا کر اپنے اپنے حلقہ اثر کے لوگوں کو مسلم بن عقیل کا ساتھ دینے سے روکو۔ مال و حکومت کا لالچ دے کر یا حکومت کی سزا کا خوف دلا کر۔ جس طرح بھی ممکن ہو ان کو مسلم سے جدا کر دو۔

ادھر سادات اور شیعہ کو حکم دیا کہ تم لوگ قصر کی چھت پر چڑھ کر لوگوں کو اس بغاوت سے روکو۔ اور اسی خوف و طمع کے ذریعہ انکو محاصرہ سے واپس جانے کی تلقین کرو۔

محاصرہ کرنیوالوں کا فرار اور مسلم بن عقیلؓ کی بے بسی

جب لوگوں نے اپنے سادات شیعہ کی زبانی باتیں سنیں تو متفرق ہونا شروع ہو گئے۔ عورتیں اپنے بیٹوں بھائیوں کو محاذ سے واپس بلانے کے لیے آنے لگیں۔ یہاں تک کہ مسجد میں مسلم بن عقیل کے ساتھ صرف تیس لوگ رہ گئے۔ یہ صورت حال دیکھ کر مسلم بن عقیلؓ بھی یہاں سے واپس ابواب کندہ کی طرف چلے۔ جب وہ دروازے پر پہنچے تو دیکھا کہ ان کے ساتھ ایک آدمی بھی نہ رہا تھا۔

مسلم بن عقیل رضی اللہ عنہ تن تنہا کوفہ کے گلی کوچوں میں سراسیمہ پھر رہے تھے کہ اب کہاں جائیں۔ بالآخر کندہ کی عورت طوعہ کے گھر پہنچے انکے لڑکے بلال اسی ہنگامہ میں باہر گئے ہوئے تھے۔ وہ دروازے پر واپسی کا انتظار کر رہی تھی مسلم نے اس سے پانی مانگا۔ پانی پی کر وہیں بیٹھ گئے۔ عورت نے کہا کہ اب آپ پانی پی چکے اب اپنے گھر جائیے۔ مسلم خاموش رہے۔ اسی طرح تین مرتبہ کہا تو مسلم خاموش رہے پھر اس نے ذرا سختی سے کہا کہ میں آپ کو

دروازہ پر نہ بیٹھنے دوں گی۔آپ اپنے گھر جایئے۔

اس وقت مسلم نے مجبور ہو کر کہا کہ اس شہر میں نہ میرا کوئی گھر ہے نہ خاندان تو کیا تم مجھے پناہ دو گی۔ میں مسلم بن عقیلؓ ہوں میرے ساتھ میرے ساتھیوں نے دھوکہ کیا ہے عورت کو رحم آ گیا۔اور مسلم کو اپنے گھر میں داخل کر لیا۔اور شام کا کھانا پیش کیا۔مسلم نے کھانا نہ کھایا۔اسی عرصہ میں عورت کے لڑکے بلال واپس آ گئے دیکھا کہ ان کی والدہ بار بار کمرے کے اندر جاتی ہیں بات پوچھی تو عورت نے اپنے لڑکے سے بھی چھپایا۔اس نے اصرار کیا تو اس شرط پر بتلا دیا کہ کسی سے اظہار نہ کرے۔اس طرف ابن زیاد نے دیکھا کہ لوگوں کا شور و شغب قصر کے اردگرد نہیں ہے۔تو اپنے سپاہی کو بھیجا کہ دیکھو کیا حال ہے اس نے آ کر بتایا کہ میدان صاف ہے کوئی نہیں۔

اس وقت ابن زیاد اپنے قصر سے اتر کر مسجد میں آیا اور منبر کے گرد اپنے خواص کو بٹھلایا اور اعلان کرایا کہ سب لوگ مسجد میں جمع ہو جائیں۔مسجد بھر گئی۔تو ابن زیاد نے یہ خطبہ دیا۔

"ابن عقیل بے وقوف جاہل نے جو کچھ کیا وہ تم نے دیکھ لیا اب ہم یہ اعلان کرتے ہیں کہ ہم جس شخص کے گھر میں ابن عقیل کو پائینگے ہمارا ذمہ اس سے بری ہے اور جو کوئی اس کو ہمارے پاس پہنچائے گا اس کو انعام ملے گا۔اور اپنی پولیس کے افسر حصین ابن نمیر کو حکم دیا کہ شہر کے تمام گلی کوچوں کے دروازں پر پہرہ لگا دو۔کوئی باہر نہ جا سکے۔اور پھر سب گھروں کی تلاشی لو۔"

اس تلاشی کے درمیان جب اس عورت کے لڑکے بلال نے یہ محسوس کیا کہ بالآخر وہ ہمارے گھر سے گرفتار کیے جائیں گے۔تو اس نے خود مخبری کر کے عبدالرحمٰن بن محمد اشعث کو اس کا پتہ بتلا دیا اس نے اپنے باپ محمد بن اشعث کو اور اس نے ابن زیاد کو اس کی اطلاع دی۔ابن زیاد نے محمد بن اشعث کی سرکردگی میں ستر سپاہیوں کا ایک دستہ اس کے گرفتار کرنے کیلئے بھیج دیا۔

مسلم بن عقیلؓ کا ستر سپاہیوں سے تنہا مقابلہ

مسلم بن عقیلؓ نے جب ان کی آوازیں سنیں تو تلوار لے کر دروازے پر آ گئے۔ اور سب کا مقابلہ کر کے ان کو دروازے سے نکال دیا۔وہ لوگ پھر لوٹے تو پھر مقابلہ کیا۔اس مقابلہ میں زخمی ہو گئے۔مگر ان کے قابو میں نہ آئے۔یہ لوگ چھت پر چڑھ گئے۔اور پتھر

برسانے شروع کیے۔ اور گھر میں آگ لگادی۔ مسلم بن عقیل ان سب حربوں کا تن تنہا مقابلہ کررہے تھے۔ کہ محمد بن اشعث نے ان کے قریب ہو کر پکارا کہ:

''میں تمہیں امن دیتا ہوں اپنی جان کو ہلاک نہ کرو۔ میں تم سے جھوٹ نہیں بول رہا یہ لوگ تمہارے چچازاد بھائی ہیں۔ نہ تمہیں قتل کریں گے نہ تمہیں ماریں گے۔''

مسلم بن عقیلؓ کی گرفتاری

مسلم بن عقیل تن تنہا ستر سپاہیوں کا مقابلہ کرتے ہوئے زخموں سے چور چور ہو کر تھک چکے تھے۔ ایک دیوار سے کمر لگا کر بیٹھ گئے۔ اور ان کو ایک سواری پر سوار کردیا گیا۔ او رہتھیار ان سے لے لیے گئے۔ ہتھیار لینے کے وقت ابن عقیل رضی اللہ عنہ نے ان سے کہا کہ یہ پہلی عہد شکنی ہے کہ امن لینے کے بعد ہتھیار چھینے جارہے ہیں محمد بن اشعث نے ان سے کہا کہ فکر نہ کریں آپ کے ساتھ کوئی ناگوار معاملہ نہ کیا جائے گا۔ ابن عقیل نے فرمایا کہ یہ سب محض باتیں ہیں اور اس وقت محمد بن عقیل کی آنکھوں سے آنسو جاری ہوگئے۔

محمد بن اشعث کے ساتھیوں میں سے عمرو بن عبید بھی تھا جو امان دینے کے خلاف تھا۔ اس نے کہا کہ اے مسلم جو شخص ایسا اقدام کرے۔ جو آپ نے کیا جب پکڑا جائے تو اس کو رونے کا حق نہیں۔

مسلم بن عقیلؓ کی حضرت حسینؓ کو کوفہ آنے سے روکنے کی وصیت

ابن عقیل رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ: ''میں اپنی جان کے لیے نہیں روتا ہوں بلکہ میں حسین رضی اللہ عنہ اور آل حسین رضی اللہ عنہ کی جانوں کے لئے رو رہا ہوں۔ جو میری تحریر پر عنقریب کوفہ پہنچنے والے ہیں۔ اور تمہارے ہاتھوں اسی بلا میں گرفتار ہوں گے جس میں میں گرفتار ہوں۔''

اس کے بعد محمد بن اشعث سے کہا کہ: ''تم نے مجھے امان دیا ہے اور میرا گمان یہ ہے کہ تم اس امان سے عاجز ہوجاؤ گے۔ لوگ تمہاری بات نہیں مانیں گے اور مجھے قتل کردیں گے تو اب کم از کم تم میری ایک بات مان لو۔ وہ یہ کہ ایک آدمی حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے پاس فوراً روانہ کردو۔ کہ جوان کو میری حالت کی اطلاع کرکے یہ کہہ دے کہ آپ راستے ہی سے اپنے

اہل بیت کو لے کر لوٹ جائیں کوفہ والوں کے خطوط سے دھوکہ نہ کھائیں یہ وہی لوگ ہیں جن کی بے وفائی سے گھبرا کر آپ کے والد اپنی موت کی تمنا کیا کرتے تھے۔"
محمد بن اشعث نے حلف کے ساتھ وعدہ کیا کہ میں ایسا ہی کروں گا۔

محمد بن اشعث نے وعدہ کے مطابق حضرت حسین کو روکنے کے لیے آدمی بھیجا

اس کے ساتھ ہی محمد بن اشعث نے اپنا وعدہ پورا کیا ایک آدمی کو خط دے کر حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی طرف بھیج دیا۔ حضرت حسین رضی اللہ عنہ اس وقت تک مقام زیالہ تک پہنچ چکے تھے۔ محمد بن اشعث کے قاصد نے یہاں پہنچ کر خط دیا۔
خط پڑھ کر حضرت حسین نے فرمایا:

كل ما قدر نازل عند الله تحسب انفسنا و فساد امتنا (کامل ابن کثیر ص ۱۷۱ ج ۴)

"جو چیز ہو چکی ہے وہ ہو کر رہے گی۔ ہم صرف اللہ تعالیٰ سے اپنی جانوں کا ثواب چاہتے ہیں۔ اور امت کے فساد کی فریاد کرتے ہیں۔"
الغرض یہ خط پا کر بھی حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے اپنا ارادہ ملتوی نہیں کیا اور جو عزم کر چکے تھے۔ اس کو لیے ہوئے آگے بڑھتے رہے۔
ادھر محمد بن اشعث ابن عقیل کو لے کر قصر امارت میں داخل ہوئے اور ابن زیاد کو اطلاع دی کہ میں ابن عقیل کو امان دے کر آپ کے پاس لایا ہوں۔
ابن زیاد نے غصہ سے کہا کہ تمہیں امان دینے سے کیا واسطہ میں نے تمہیں گرفتار کرنے کے لیے بھیجا تھا یا امان دینے کے لیے۔ محمد بن اشعث خاموش رہ گئے۔ ابن زیاد نے ان کے قتل کا حکم دے دیا۔

مسلم بن عقیل کی شہادت اور وصیت

مسلم بن عقیل پہلے ہی سمجھے ہوئے تھے کہ محمد بن اشعث کا امان دینا کوئی چیز نہیں ابن زیاد مجھے قتل کرے گا۔ مسلم رضی اللہ عنہ نے کہا کہ مجھے وصیت کرنے کی مہلت دو۔ ابن زیاد نے

مہلت دے دی اور انہوں نے عمر بن سعد سے کہا کہ میرے اور آپ کے درمیان قرابت ہے اور میں اس قرابت کا واسطہ دیکر کہتا ہوں کہ مجھے تم سے ایک کام ہے۔ جو راز ہے میں تنہائی میں بتلا سکتا ہوں۔ عمر بن سعد نے اس کو سننے کی ہمت نہ کی۔ ابن زیاد نے کہا کچھ مضائقہ نہیں تم سن لو ان کو علیحدہ کر کے مسلم بن عقیل ﷜ نے کہا کہ کام یہ ہے کہ میرے ذمے سات سو درہم قرض ہیں جو میں نے کوفہ کے فلاں آدمی سے لئے تھے وہ میری طرف سے ادا کر دو۔ دوسرا کام یہ ہے کہ حسین ﷜ کے پاس ایک آدمی بھیج کر ان کو راستہ سے واپس کر دو۔ عمر بن سعد نے ابن زیاد سے ان کی وصیت پورا کرنیکی اجازت مانگی۔ تو انہوں نے کہا بے شک امین آدمی کبھی خیانت نہیں کرتا۔ تم ان کا قرض ادا کر سکتے ہو۔ باقی رہا حسین ﷜ کا معاملہ سو اگر وہ ہمارے مقابلہ کے لئے نہ آئیں تو ہم بھی ان کے مقابلہ کیلئے نہ جائیں گے۔ اور اگر وہ آئے تو ہم مقابلہ کریں گے۔

مسلم بن عقیل اور ابن زیاد کا مکالمہ

ابن زیاد نے کہا کہ اے مسلم تو نے بڑا ظلم کیا کہ مسلمانوں کا نظم مستحکم اور ایک کلمہ تھا۔ سب ایک امام کے تابع تھے۔ تم نے آ کر ان میں تفرقہ ڈالا۔ اور لوگوں کو اپنے امیر کے خلاف بغاوت پر آمادہ کیا۔
مسلم بن عقیل ﷜ نے فرمایا کہ معاملہ یہ نہیں بلکہ اس شہر کوفہ کے لوگوں نے خطوط لکھے۔ کہ تمہارے باپ نے ان کے نیک اور شریف لوگوں کو قتل کر دیا۔ ان کے خون ناحق بہائے اور یہاں کے عوام پر کسریٰ وقیصر جیسی حکومت کرنی چاہی۔ اس لئے ہم اس پر مجبور ہوئے کہ عدل قائم کرنے اور کتاب وسنت کے احکام نافذ کرنے کی طرف لوگوں کو بلائیں اور سمجھائیں۔
اس پر ابن زیاد اور زیادہ برافروختہ ہوا کہ ان کو قصر امارت کی اوپر کی منزل پر لے جاؤ اور سر کاٹ کر نیچے پھینک دو۔ مسلم بن عقیل اوپر لے جائے گئے۔ وہ تسبیح واستغفار پڑھتے ہوئے اوپر پہنچے۔ اور ابن زیاد کے حکم کے موافق ان کو شہید کر کے نیچے ڈال دیا گیا۔

اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ

مسلم بن عقیل کو قتل کرنے کے بعد ہانی بن عروہ کے قتل کرنیکا فیصلہ کیا گیا۔
ان کو بازار میں لے جا کر قتل کر دیا گیا۔

ابن زیاد نے ان دونوں کے سر کاٹ کر یزید کے پاس بھیج دیئے۔ یزید نے شکریہ کا خط لکھا اور ساتھ ہی یہ بھی لکھا مجھے یہ خبر ملی ہے کہ حسین رضی اللہ عنہ عراق کے قریب پہنچ گئے ہیں اس لئے جاسوس اور خفیہ رپورٹر سارے شہر میں پھیلا دو۔ اور جس پر ذرا بھی حسین رضی اللہ عنہ کی تائید کا شبہ ہو اس کو قید کرلو۔ مگر سوا اس شخص کے جو تم سے مقاتلہ کرے کسی کو قتل نہ کرو۔

حضرت حسینؓ کا عزم کوفہ

حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے پاس اہل کوفہ کے ڈیڑھ سو خطوط اور بہت سے وفود پہلے پہنچ چکے تھے۔ پھر مسلم بن عقیل نے یہاں کے اٹھارہ ہزار مسلمانوں کی بیعت کی خبر کے ساتھ ان کو کوفہ کے لئے دعوت دے دی۔ تو حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے کوفہ کا عزم کرلیا۔

جب یہ خبر لوگوں میں مشہور ہوئی تو بجز عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کے اور کسی نے ان کو کوفہ جانے کا مشورہ نہیں دیا۔ بلکہ بہت سے حضرات حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور مشورہ دیا کہ آپ کوفہ ہرگز نہ جائیں۔ اہل عراق و کوفہ کے وعدوں، بیعتوں پر بھروسہ نہ کریں وہاں جانے میں آپ کے لئے بڑا خطرہ ہے۔

عمر بن عبدالرحمٰنؒ کا مشورہ

عمر بن عبدالرحمٰن حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ آپ ایسے شہر میں جا رہے ہیں جہاں یزید کے حکام اور امراء موجود ہیں۔ ان کے پاس بیت المال ہے اور لوگ عام طور پر درہم و دینار کے پرستار ہیں۔ مجھے خطرہ ہے کہ کہیں وہی لوگ آپ کے مقابلہ پر نہ آئیں۔ جنہوں نے آپ سے وعدے کئے اور بلایا ہے۔ اور جن کے قلوب پر بلا شبہ آپ زیادہ محبوب ہیں۔ بہ نسبت ان لوگوں کے جن کے ساتھ ہو کر وہ آپ سے مقابلہ کریں گے۔

حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے شکریہ کے ساتھ ان کی نصیحت کو سنا اور فرمایا کہ میں آپ کی رائے اور مشورہ کا خیال رکھوں گا۔

حضرت عبداللہ ابن عباسؓ کا مشورہ

ابن عباس رضی اللہ عنہما کو جب حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے اس ارادہ کی اطلاع ہوئی تو تشریف

لائے اور فرمایا کہ میں یہ خبریں سن رہا ہوں ان کی کیا حقیقت ہے۔آپ کا کیا ارادہ ہے۔حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہاں میں ارادہ کر چکا ہوں۔اور آج کل میں جانے والا ہوں ان شاء اللہ تعالیٰ۔

ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا بھائی میں اس سے آپ کو خدا کی پناہ میں دیتا ہوں خدا کے لئے آپ مجھے یہ بتلائیں کہ آپ کسی ایسی قوم کے لئے جا رہے ہیں جنہوں نے اپنے اوپر مسلط ہونے والے امیر کو قتل کر دیا ہے۔اور وہ لوگ اپنے شہر پر قابض ہو چکے ہیں۔اور اپنے دشمن کو نکال چکے ہیں تو بیشک آپ کو ان کے بلانے پر فوراً چلے جانا چاہئے۔

حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے اس کے جواب میں فرمایا اچھا میں اللہ تعالیٰ سے استخارہ کرتا ہوں پھر جو کچھ سمجھ میں آئے گا عمل کروں گا۔

ابن عباس رضی اللہ عنہ کا دوبارہ تشریف لانا

دوسرے روز ابن عباس رضی اللہ عنہما پھر تشریف لائے اور فرمایا کہ میرے بھائی میں صبر کرنا چاہتا ہوں مگر صبر نہیں آتا۔مجھے آپ کے اس اقدام سے آپ کی اور اہل بیت کی ہلاکت کا شدید خطرہ ہے۔اہل عراق عہد شکن بے وفا لوگ ہیں۔آپ ان کے پاس نہ جایئے۔آپ اسی شہر مکہ میں اقامت کریں۔آپ اہل حجاز کے مسلم رہنما اور سردار ہیں۔اور اگر اہل عراق آپ سے مزید تقاضا کریں تو آپ ان کو لکھیں کہ پہلے امیر و حکام کو اپنے شہر سے نکال دو پھر مجھے بلاؤ تو میں آجاؤں گا۔

ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ میرے بھائی اگر آپ جانا طے ہی کر چکے ہیں تو خدا کے لئے اپنی عورتوں اور بچوں کو ساتھ نہ لے جایئے۔مجھے خوف ہے کہ کہیں آپ اسی طرح اپنی عورتوں اور بچوں کے سامنے قتل کئے جائیں۔جس طرح عثمان رضی اللہ عنہ قتل کئے گئے ہیں۔

حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی کوفہ کیلئے روانگی

حضرت حسین رضی اللہ عنہ اپنے نزدیک ایک دینی ضرورت سمجھ کر خدا کے لئے عزم کر چکے تھے۔مشورہ دینے والوں نے ان کو خطرات سے آگاہ کیا۔مگر مقصد کی اہمیت نے ان کو خطرات کا مقابلہ کرنے کے لئے مجبور کر دیا۔اور ذی الحجہ ۶۰ھ کی تیسری یا آٹھویں تاریخ کو آپ مکہ سے کوفہ کے لئے روانہ ہوگئے۔اس وقت یزید کی طرف سے مکہ کا حاکم عمرو بن سعید

بن العاص مقرر تھا۔ اس کو ان کی روانگی کی خبر ملی تو چند آدمی راستہ پر ان کو روکنے کے لئے بھیجے۔ حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے واپسی سے انکار فرمایا اور آگے بڑھ گئے۔

فرزوق شاعر کی ملاقات اور حضرت حسینؓ کا ارشاد

راستہ میں فرزوق شاعر عراق کی طرف سے آتا ہوا ملا۔ حضرت حسین کو دیکھ کر پوچھا کہ کہاں کا قصد ہے؟ حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے بات کاٹ کر ان سے پوچھا کہ یہ تو بتلاؤ اہل عراق و کوفہ کو تم نے کس حال میں چھوڑا ہے؟ فرزوق نے کہا کہ اچھا ہوا آپ نے ایک واقف حال تجربہ کار سے بات پوچھی۔ میں آپ کو بتاتا ہوں کہ:

''اہل عراق کے قلوب تو آپ کے ساتھ ہیں مگر ان کی تلواریں بنی امیہ کے ساتھ ہیں۔ اور تقدیر آسمان سے نازل ہوتی ہے۔ اور اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے کرتا ہے''

حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے فرمایا تم سچ کہتے ہو اور فرمایا: ''اللہ ہی کے ہاتھ میں تمام کام وہ جو چاہتا ہے کرتا ہے اور ہمارا رب ہر روز نئی شان میں ہے۔ اور اگر تقدیر الٰہی ہماری مراد کے موافق ہوئی تو ہم اللہ کا شکر کریں گے۔ اور ہم شکر کرنے میں بھی انہی کی اعانت طلب کرتے ہیں۔ کہ ادائے شکر کی توفیق دے۔ اور اگر تقدیر الٰہی ہماری مراد میں حائل ہوگئی۔ تو وہ شخص خطاء پر نہیں جس کی نیت حق کی حمایت ہو اور جس کے دل میں خوف خدا ہو''

عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ کا خط واپسی کا مشورہ

عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ نے جب حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی روانگی کی خبر پائی تو ایک خط لکھ کر اپنے بیٹوں کے ہاتھ روانہ کیا تیزی سے پہنچیں اور راستہ میں حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو دے دیں۔ خط کا مضمون یہ تھا۔

''میں خدا کے لئے آپ سے سوال کرتا ہوں کہ آپ میرا خط پڑھتے ہی مکہ کی طرف لوٹ آئیں۔ میں محض خیر خواہانہ عرض کر رہا ہوں۔ مجھے آپ کی ہلاکت کا خطرہ ہے۔ اور خوف ہے کہ آپ کے سب اہل بیت اور اصحاب کو ختم کر دیا جائے۔ اور اگر خدانخواستہ آپ آج ہلاک ہو گئے تو زمین کا نور بجھ جائے گا۔ کیونکہ آپ مسلمانوں کے پیشوا اور ان کی

آخری امید ہیں۔آپ چلنے میں جلدی نہ کریں اس خط کے پیچھے میں خود بھی آرہا ہوں میرا انتظار فرمائیں۔والسلام (ابن اثیر)

یہ خط لکھ کر عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ نے پہلے یہ کام کیا کہ یزید کی طرف سے والی مکہ عمر بن سعید کے پاس تشریف لے گئے۔اور اس سے کہا کہ آپ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے لئے ایک پروانہ امان کا لکھ دیں۔ان سے اس کا بھی وعدہ تحریری دے دیں۔کہ اگر وہ واپس آجائیں تو ان کے ساتھ مکہ میں اچھا سلوک کیا جائے گا۔عامل مکہ عمر بن سعید نے پروانہ لکھ دیا۔اور عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ کے ساتھ اپنے بھائی یحییٰ بن سعید کو بھی حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی طرف بھیجا۔

یہ دونوں راستہ میں جا کر حضرت حسین رضی اللہ عنہ سے ملے اور عمر بن سعید کا خط ان کو سنایا۔اور اس کی کوشش کی کہ لوٹ جائیں۔اس وقت حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے ان کے سامنے اپنے اس عزم کی ایک اور وجہ بیان کی۔

حضرت حسین رضی اللہ عنہ کا خواب اور انکے عزم مصمم کی ایک وجہ

کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا ہے اور مجھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے حکم دیا گیا ہے میں اس حکم کی بجا آوری کی طرف جا رہا ہوں۔خواہ مجھ پر کچھ بھی گزر جائے

انہوں نے پوچھا کہ وہ خواب کیا ہے۔فرمایا کہ آج تک میں نے وہ خواب کسی سے بیان کیا ہے نہ کروں گا۔یہاں تک کہ میں اپنے پروردگار سے جا ملوں۔(کامل ابن اثیر ص اج ۴)

بالآخر حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو اپنی جان اور اولاد کے خطرات اور سب حضرات کے خیر خواہانہ مشوروں نے بھی ان کے عزم مصمم میں کوئی کمزوری پیدا نہ کی اور وہ کوفہ کے لئے روانہ ہو گئے۔

ابن زیاد حاکم کوفہ کی طرف سے حسین رضی اللہ عنہ سے مقابلہ کی تیاری

ابن زیاد جو کوفہ پر اس لئے حاکم مقرر کیا گیا تھا کہ وہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے مقابلہ میں سخت سمجھا گیا۔اس کو جب حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی روانگی کی اطلاع ملی تو اس نے اپنی پولیس کے افسر حصین بن نمیر کو آگے بھیجا کہ قادسیہ پہنچ کر مقابلہ کی تیاری کرے۔

حضرت حسین رضی اللہ عنہ جب مقام حاجر پر پہنچے تو اہل کوفہ کے نام ایک خط لکھ کر قیس کے ہاتھ روانہ کیا خط میں اپنے آنے کی اطلاع اور جس کام کے لئے ان کو اہل کوفہ نے بلایا تھا اس میں پوری کوشش کرنے کی ہدایت تھی۔

کوفہ والوں کے نام حضرت حسینؓ کا خط اور قاصد کی دلیرانہ شہادت

قیس جب یہ خط لیکر قادسیہ تک پہنچے تو یہاں ابن زیاد کی پولیس کے انتظامات تھے۔ ان کو گرفتار کر کے ابن زیاد کے پاس بھیج دیا گیا۔ ابن زیاد نے ان کو حکم دیا کہ قصر امارت کی چھت پر چڑھ کر (معاذ اللہ) حضرت حسین رضی اللہ عنہ پر سب وشتم اور لعن وطعن کریں۔

قیس چھت پر چڑھ گئے اور اللہ کی حمد وثناء کے بعد با آواز بلند کہا کہ:

"اے اہل کوفہ! حسین بن علی رضی اللہ عنہما حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے صاحبزادے اور اس وقت خلق اللہ میں سب سے بہتر ہیں۔ میں تمہاری طرف ان کا بھیجا ہوا قاصد ہوں۔ وہ مقام حاجر تک پہنچ چکے ہیں تم ان کا استقبال کرو۔"

اس کے بعد ابن زیاد کو برا بھلا کہا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لئے دعائے مغفرت کی۔

ابن زیاد ان کی دلیری اور جانبازی پر حیران رہ گیا۔ حکم دیا کہ ان کو قصر کی بلندی سے نیچے پھینک دیا جائے۔ ظالموں نے اس کے حکم کی تعمیل کی۔ قیس نیچے گر کر ٹکڑے ٹکڑے ہو گئے۔

عبداللہ ابن مطیع سے ملاقات اور ان کا واپسی کیلئے اصرار

حضرت حسین رضی اللہ عنہ کوفہ کی طرف بڑھ رہے تھے راستے میں ایک پڑاؤ پر اچانک عبداللہ ابن مطیع سے ملاقات ہو گئی۔ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو دیکھ کر کھڑے ہو گئے اور عرض کیا کہ میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں آپ کہاں جا رہے ہیں۔ اور کیا مقصد ہے۔

حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے اپنا ارادہ بتلایا۔ عبداللہ نے الحاح وزاری سے عرض کیا کہ:

"اے ابن رسول اللہ! میں تمہیں اللہ کا اور عزت اسلام کا واسطہ دے کر کہتا ہوں۔ کہ آپ اس ارادہ سے رک جائیں۔ میں آپ کو اللہ کی قسم دیتا ہوں اور حرمت قریش اور حرمت عرب کا

واسطہ دیتا ہوں۔ کہ اگر آپ بنی امیہ سے ان کے اقتدار کو لینا چاہیں گے تو وہ آپ کو قتل کر دیں گے۔ آپ ایسا ہرگز نہ کریں۔ اور کوفہ نہ جائیں اپنی جان کو بنی امیہ کے حوالے نہ کریں"۔ (ابن اثیر)

مگر حضرت حسین ﷛ نے اپنا ارادہ ملتوی نہ کیا اور کوفہ کی طرف روانہ ہو گئے۔

مسلم بن عقیلؓ کے قتل کی خبر پا کر حضرت حسینؓ کے ساتھیوں کا مشورہ

جیسا کہ اوپر ذکر ہو چکا ہے کہ مسلم بن عقیل ﷛ نے محمد بن اشعث سے یہ عہد لیا تھا کہ ان کے حالات کی اطلاع حضرت حسین کو پہنچا کر ان کو راستہ سے واپس کر دیں۔ اور محمد بن اشعث نے وعدہ کے مطابق آدمی بھیج کر اس کی اطلاع کرائی۔ یہ خط اور پھر ان کے قتل کی اطلاع دوسرے ذرائع سے حضرت حسین ﷛ کو مقام ثعلبیہ میں پہنچ کر ملی۔ یہ خبر سن کر حضرت حسین ﷛ کے بعض ساتھیوں نے بھی ان سے بااصرار عرض کیا کہ خدا کے لئے اب آپ یہیں سے لوٹ جائیں۔ کیونکہ کوفہ میں آپ کا کوئی ساتھی و مددگار نہیں۔ بلکہ ہمیں قوی اندیشہ ہے کہ کوفہ کے یہی لوگ جنہوں نے دعوت دی تھی آپ کے مقابلہ پر آ جائیں گے۔

مسلم بن عقیلؓ کے عزیزوں کا جوش انتقام

مگر یہ بات سن کر بنو عقیل سب کھڑے ہو گئے۔ اور کہنے لگے واللہ ہم مسلم بن عقیل ﷛ کا قصاص لیں گے۔ یا انہیں کی طرح اپنی جان دے دیں گے۔ حضرت حسین ﷛ بھی اب یہ تو سمجھ چکے تھے کہ کوفہ میں ان کے لئے کوئی گنجائش نہیں۔ اور نہ اس دینی مقصد کا اب کوئی امکان ہے جس کیلئے یہ آہنی عزم لیکر چلے تھے۔ لیکن بنو عقیل کے اس اصرار اور مسلم بن عقیل کے تازہ صدمہ سے متاثر ہو کر فرمایا کہ اب ان کے بعد زندگی میں کوئی خیر نہیں۔ اور ساتھیوں میں سے بعض نے یہ بھی کہا کہ آپ مسلم بن عقیل ﷛ نہیں آپ کی شان کچھ اور ہے۔ ہمیں امید ہے کہ جب اہل کوفہ آپ کو دیکھیں گے تو آپ کے ساتھ ہو جائیں گے۔

یہاں تک کہ پھر آگے بڑھنا طے کر کے سفر کیا گیا اور مقام زبالہ پہنچ کر پڑاؤ ڈالا۔

راستے میں جس مقام پر حضرت حسین ﷛ کا گزر ہوتا اور ان کا قصد معلوم ہوتا تھا ہر مقام سے کچھ لوگ ان کے ساتھ ہو جاتے تھے۔ یہاں بھی کچھ لوگ ساتھ ہو لئے۔

مقام زبالہ پر پہنچ کر یہ خبر ملی کہ آپ کے رضاعی بھائی عبداللہ ابن لقیط جن کو راستہ سے مسلم بن عقیلؓ کی طرف بھیجا تھا وہ بھی قتل کر دیئے گئے۔

حضرت حسینؓ کی طرف سے اپنے ساتھیوں کو واپسی کی اجازت

یہ خبریں پانے کے بعد حضرت حسینؓ نے اپنے ساتھیوں کو جمع کر کے فرمایا کہ اہل کوفہ نے ہمیں دھوکہ دیا اور ہمارے متبعین ہم سے پھر گئے۔ اب جس کا جی چاہے واپس ہو جائے۔ میں کسی کی ذمہ داری اپنے سر لینا نہیں چاہتا۔

اس اعلان کیساتھ راستہ سے ساتھ ہونیوالے بدوی لوگ سب داہنے بائیں چل دیئے۔ اور اب حضرت حسینؓ کے ساتھ صرف وہی لوگ رہ گئے جو مکہ سے ان کے ساتھ آئے تھے۔

یہاں سے روانہ ہو کر مقام عقبہ پر پہنچے تو ایک عرب ملے اور کہا کہ میں آپ کو خدا کی قسم دیتا ہوں کہ آپ لوٹ جائیں۔ آپ نیزوں بھالوں اور تلواروں کی طرف جا رہے ہیں۔ جن لوگوں نے آپ کو بلایا ہے اگر وہ خود اپنے دشمنوں سے نمٹتے اور ان کو اپنے شہر سے نکال کر آپ کو بلاتے تو وہاں جانا ایک صحیح رائے ہوتی۔ لیکن اس حال میں کسی طرح آپ کا جانا مناسب نہیں۔

حضرت حسینؓ نے فرمایا جو تم کہہ رہے ہو مجھ پر بھی پوشیدہ نہیں لیکن تقدیر الٰہی پر کوئی غالب نہیں آ سکتا۔

ابن زیاد کی طرف سے حر بن یزید ایک ہزار کا لشکر لے کر پہنچ گئے

حضرت حسینؓ اور ان کے ساتھی چل رہے تھے۔ کہ دوپہر کے وقت دور سے کچھ چیزیں حرکت کرتی نظر آئیں غور کرنے پر معلوم ہوا کہ گھوڑے سوار فوج ہے۔ یہ دیکھ کر حضرت حسینؓ اور ان کے ساتھیوں نے ایک پہاڑی کے نزدیک پہنچ کر محاذ جنگ بنایا۔

حضرات محاذ کی تیاری میں مصروف ہی تھے کہ ایک ہزار گھوڑے سوار فوج حر بن یزید کی قیادت میں مقابلہ پر آ گئی۔ اور ان کے مقابلہ پر آ کر پڑاؤ ڈال دیا۔

حضرت حسینؓ نے اپنے اصحاب سے فرمایا کہ سب لوگ خوب پانی پی کر اور گھوڑوں کو پلا کر سیراب ہو جاؤ۔ حر بن یزید کو حصین بن نمیر نے ایک ہزار سواروں کی فوج

دے کر قادسیہ سے بھیجا تھا۔ یہ اور اس کا لشکر آ کر حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے مقابل ٹھہر گئے۔ یہاں تک کہ ظہر کی نماز کا وقت آ گیا۔

دشمن کی فوج نے بھی حضرت حسینؓ کے پیچھے نماز ادا کی اور تقریر سنی

حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے اپنے مؤذن کو اذان دینے کا حکم دیا اور سب نماز کے لئے جمع ہو گئے۔ تو حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے فریق مقابل کو سنانے کے لئے ایک تقریر فرمائی۔ جس میں حمد وصلوٰۃ کے بعد فرمایا:

''اے لوگو! میں اللہ تعالیٰ کے سامنے اور تمہارے سامنے یہ عذر رکھتا ہوں کہ میں نے اس وقت تک یہاں آنے کا ارادہ نہیں کیا جب تک تمہارے بے شمار خطوط اور وفود میرے پاس نہیں پہنچے۔ جن میں بیان کیا گیا تھا کہ اس وقت تک ہمارا کوئی امام اور امیر نہیں آپ آ جائیں تو امید ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو ہماری ہدایت کا ذریعہ بنا دیں۔

میں تمہارے بلانے پر آ گیا اب اگر تم اپنے وعدوں اور عہدوں پر قائم ہو تو میں تمہارے شہر کوفہ میں جاتا ہوں۔ اور اگر اب تمہاری رائے بدل گئی ہے اور میرا آنا تمہیں ناگوار ہے تو میں جہاں سے آیا تھا۔ وہیں واپس چلا جاتا ہوں۔

تقریر سن کر سب خاموش رہے۔ حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے مؤذن کو اقامت کہنے کا حکم دیا اور حر بن یزید سے خطاب کر کے فرمایا تم اپنے لشکر کے ساتھ علیحدہ نماز پڑھو گے یا ہمارے ساتھ۔ حر نے کہا کہ نہیں آپ ہی نماز پڑھائیں۔ ہم سب آپ کے پیچھے نماز پڑھیں گے۔ حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے نماز ظہر پڑھائی اور پھر اپنی جگہ تشریف لے گئے۔ حر بن یزید اپنی جگہ چلے گئے۔

اس کے بعد نماز عصر کا وقت آیا تو پھر حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے نماز پڑھائی اور سب شریک جماعت ہوئے۔ عصر کے بعد حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے ایک خطبہ دیا۔

میدان جنگ میں حضرت حسینؓ کا دوسرا خطبہ

خطبے میں حمد وثناء کے بعد فرمایا: ''اے لوگو! تم اللہ سے ڈرو۔ اور اہل حق کا حق پہچانو تو وہ اللہ تعالیٰ کی رضا کا سبب ہوگا۔ ہم اہل بیت اس خلافت کے لئے ان لوگوں سے زیادہ حقدار ہیں جو

حق کے خلاف اس کا دعویٰ کرتے ہیں اور تم پر ظلم و جور کی حکومت کرتے ہیں۔ اور اگر تم ہمیں نا پسند کرتے ہو اور ہمارے حق سے جاہل ہو اور اب تمہاری رائے وہ نہیں رہی جو تمہارے خطوط میں لکھی تھی اور تمہارے قاصدوں نے مجھ تک پہنچائی تھی تو میں لوٹ جاتا ہوں۔ (کامل ابن اثیر ص ۱۹ ج ۴)

اس وقت حر بن یزید نے کہا کہ ہمیں ان خطوط اور وفود کی کچھ خبر نہیں کہ وہ کیا ہیں اور کس نے لکھے ہیں۔ حضرت حسینؓ نے دو تھیلے خطوط سے بھرے ہوئے نکالے اور ان کو ان لوگوں کے سامنے انڈیل دیا۔ حر نے کہا کہ بہر حال ہم ان خطوط کے لکھنے والے نہیں ہیں اور ہمیں امیر کی طرف سے یہ حکم ملا ہے کہ ہم آپ کو اس وقت تک نہ چھوڑیں جب تک ابن زیاد کے پاس کوفہ نہ پہنچا دیں۔ حضرت حسینؓ نے جواب دیا کہ اس سے تو موت بہتر ہے۔

اس کے بعد حسینؓ نے اپنے ساتھیوں کو حکم دیا کہ سوار ہو جائیں اور واپس لوٹ جائیں۔ مگر اب حر بن یزید نے اس ارادہ سے روکا تو حضرت حسینؓ کی زبان سے نکلا۔ ''تمہاری ماں تمہیں روئے تم کیا چاہتے ہو'' حر بن یزید نے کہا بخدا اگر تمہارے سوا کوئی دوسرا آدمی میری ماں کا نام لیتا تو میں اسے بتا دیتا اور اس کی ماں کا اسی طرح ذکر کرتا۔ لیکن تمہاری ماں کو برائی کے ساتھ ذکر کرنا کسی قدرت میں نہیں۔ حضرت حسینؓ نے فرمایا کہ اچھا بتاؤ تمہارا کیا ارادہ ہے۔ حر بن یزید نے کہا ارادہ یہ ہے کہ آپ کو ابن زیاد کے پاس پہنچا دوں۔ حضرت حسینؓ نے فرمایا تو پھر میں تمہارے ساتھ ہرگز نہ جاؤں گا۔ حر نے کہا تو پھر میں بخدا آپ کو نہ چھوڑوں گا۔ کچھ دیر تک یہی ردو کد ہوتی رہی۔

حر بن یزید کا اعتراف

پھر حر نے کہا مجھے آپ کے قتال کا حکم نہیں دیا گیا۔ بلکہ حکم یہ ہے کہ میں آپ سے اس وقت تک جدا نہ ہوں جب تک آپ کو کوفہ نہ پہنچا دوں۔ اس لئے آپ ایسا کر سکتے ہیں کہ کوئی ایسا راستہ اختیار کریں جو نہ کوفہ پہنچائے اور نہ مدینہ یہاں تک کہ میں ابن زیاد کو خط لکھوں اور آپ بھی یزید کو یا ابن زیاد کو لکھیں۔ شاید اللہ تعالیٰ میرے لئے کوئی ایسا مخلص پیدا کر دے کہ میں آپ کے مقابلہ اور آپ کے ایذا سے بچ جاؤں۔

اس لئے حضرت حسینؓ نے عذیب اور قادسیہ کے راستے سے بائیں جانب چلنا

شروع کر دیا اور حر مع اپنے لشکر کے ساتھ چلتا رہا۔ اسی اثناء میں حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے پھر ایک خطبہ دیا جس میں حمد وثناء کے بعد فرمایا۔

حضرت حسین رضی اللہ عنہ کا تیسرا خطبہ

''اے لوگو! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جو شخص کسی ایسے بادشاہ کو دیکھے جو اللہ کے حرام کو حلال سمجھے اور اللہ کے عہد کو توڑ دے سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت کرے۔ اللہ کے بندوں کے ساتھ گناہ اور ظلم وعدوان کا معاملہ کرے۔ اور یہ شخص اس کے لئے ایسے افعال و اعمال دیکھنے کے باوجود کسی قول یا فعل سے اس کی مخالفت نہ کرے تو اللہ تعالیٰ کے ذمے ہے کہ اس کو بھی اس ظالم بادشاہ کے ساتھ اس کے مقام (یعنی دوزخ) میں پہنچادے۔

اور آپ کو یہ بھی معلوم ہے کہ یزید اور اس کے امراء وحکام نے شیطان کی پیروی کو اختیار کر رکھا ہے اور رحمان کی اطاعت کو چھوڑ بیٹھے ہیں اور زمین میں فساد پھیلا دیا ہے۔ حدود الٰہیہ کو معطل کر دیا ہے۔ اسلامی بیت المال کو اپنی ملکیت سمجھ لیا ہے اللہ کے حرام کو حلال کر ڈالا اور حلال کو حرام ٹھہرایا۔

اور میں دوسروں سے زیادہ حقدار ہوں اور میرے پاس تمہارے خطوط اور وفود تمہاری بیعت کا پیغام لیکر پہنچے ہیں اور یہ کہ تم میرا ساتھ نہ چھوڑو گے۔ اور میری جان کو اپنی جانوں کے برابر سمجھو گے۔

اب اگر تم اس بیعت پر قائم ہو تو ہدایت پاؤ گے۔ میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی لخت جگر فاطمہ کا بیٹا ہوں۔ میری جان آپ لوگوں کی جانوں کے ساتھ اور میرے اہل و عیال آپ لوگوں کے اہل وعیال کے ساتھ۔ تم لوگوں کو میرا اتباع کرنا چاہیے۔

اور اگر تم ایسا نہیں کرتے بلکہ میری بیعت کو توڑتے ہو اور میرے عہد سے پھر جاتے ہو تو وہ تم لوگوں سے کچھ بعید نہیں۔ کیونکہ یہی کام تم میرے باپ علی رضی اللہ عنہ اور بھائی حسن رضی اللہ عنہ اور چچازاد بھائی مسلم بن عقیل رضی اللہ عنہ کے ساتھ کر چکے ہو۔

اور وہ آدمی بڑا فریب میں ہے۔ جو تمہارے عہد و پیمان سے دھوکہ کھائے۔ سو تم نے خود

اپنا آخرت کا حصہ ضائع کر دیا اور اپنے حق میں ظلم کیا۔ اور جو شخص بیعت کر کے توڑتا ہے وہ اپنا نقصان کرتا ہے۔ اور قریب ہے کہ اللہ تعالیٰ مجھے تم سے مستغنی فرما دیں۔ والسلام (کامل ابن اثیر)

خود ابن یزید نے خطبہ سن کر کہا کہ میں آپ کو اپنی جان کے بارے میں خدا کی قسم دیتا ہوں کیونکہ میں یقین کے ساتھ جانتا ہوں کہ اگر آپ قتال کریں گے تو قتل کئے جائیں گے۔

حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ تم مجھے موت سے ڈرانا چاہتے ہو۔ جو میں کہہ رہا ہوں اس پر توجہ نہیں دیتے۔ آپ کے جواب میں صرف وہی کہہ سکتا ہوں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی امداد کے لئے نکلنے والے ایک صحابی نے اپنے بھائی کی نصیحت کے جواب میں کہا تھا۔ بھائی نے اسے کہا کہ تم کہاں جاتے ہو۔ قتل کر دیئے جاؤ گے۔ تو صحابی نے جواب میں یہ شعر پڑھا۔

سأمضي و ما بالموت عار على الفتى اذا مانوى خيرا و جاهد مسلما

فان عشت لم اندم وان مت لم الم كفى بك فلا ان تعيش و ترغما

''یعنی میں اپنے ارادہ کو پورا کروں گا اور موت میں کسی جوان کے لئے کوئی عار نہیں جبکہ اس کی نسبت خیر ہو۔ اور مسلمان ہو کر جہاد کر رہا ہو۔ پھر اگر میں زندہ رہ گیا تو نادم نہ ہوں گا اور اگر مر گیا تو قابل ملامت نہ ہوں گا۔ اور تمہارے لئے اس سے بڑی ذلت کیا ہے کہ ذلیل وخوار ہو کر زندہ رہو''۔

حر بن یزید کچھ تو پہلے سے اہل بیت کا احترام دل میں رکھتا تھا کچھ خطبوں سے متاثر ہو رہا تھا۔ یہ کلام سن کر ان سے علیحدہ ہو گیا اور ساتھ ساتھ چلنے لگا۔

طرماح بن عدی کا معرکہ میں پہنچنا

اس حال میں چار آدمی کوفہ سے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے مددگار پہنچے جن کا سردار طرماح بن عدی تھا۔ حر بن یزید نے چاہا کہ انہیں گرفتار کرے یا واپس کر دے۔ مگر حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ یہ میرے مددگار اور رفیق ہیں ان کی ایسی ہی حفاظت کروں گا جیسی اپنی جان کی کرتا ہوں۔ حر بن یزید نے ان کو آنے کی اجازت دے دی۔

حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے ان لوگوں سے کوفہ کے حال دریافت کئے۔ انہوں نے بتلایا

کہ کوفے کے جتنے سردار تھے۔ان سب کو بڑی بڑی رشوتیں دے دی گئیں اوران کے تھیلے بھر دیئے گئے۔اب وہ سب آپ کے مخالف ہیں البتہ عوام کے قلوب آپ کے ساتھ ہیں۔ مگراس کے باوجود جب مقابلہ ہوگا تو تلواریں ان کی بھی آپ کے مقابلہ پر آئیں گی۔

طرماح بن عدی کا مشورہ

طرماح بن عدی جب حسین رضی اللہ عنہ کے ساتھیوں میں آکر شامل ہوئے تو آپ نے عرض کیا کہ میں دیکھتا ہوں کہ آپ کے ساتھ تو کوئی قوت اور جماعت نہیں۔اگر آپ کے قتال کے لئے حر بن یزید کے موجودہ لشکر کے سوا کوئی بھی نہ آئے تب بھی آپ ان پر غالب نہیں آسکتے۔اور میں تو کوفہ سے نکلنے سے پہلے کوفہ کے سامنے آپ کے مقابلہ پر آنے والا اتنا بڑا لشکر دیکھ چکا ہوں جو اس سے پہلے کبھی میری آنکھ نے نہ دیکھا تھا۔میں آپ کو خدا کی قسم دیتا ہوں کہ ایک بالشت بھی ان کی طرف نہ بڑھیں۔آپ میرے ساتھ چلیں آپ کو اپنے پہاڑ آجا میں ٹھہرادوں گا۔جو نہایت محفوظ قلعہ جیسا ہے۔ہم نے ملوک،غسان اور ضمیر اور لقمان بن منذر کے مقابلے میں اسی پہاڑ میں پناہ لی۔اور ہمیشہ کامیاب ہوئے۔آپ یہاں جاکر مقیم ہوجائیں۔پھر آجا اور سلمی دونوں پہاڑوں پر بسنے والے قبیلہ طے کے لوگوں کو بلائیں۔ بخدا دس دن نہ گزریں گے کہ اس قبیلہ کے لوگ پیادہ اور سوار آپ کی مدد کے لئے آجائیں گے۔اس وقت اگر آپ کی رائے مقابلے ہی کی ہو تو میں آپ کے لئے بیس ہزار بہادر سپاہیوں کا ذمہ لیتا ہوں۔جو آپ کے سامنے اپنی بہادری کے جوہر دکھائیں گے۔اور جب تک ان میں سے کسی ایک کی آنکھ بھی کھلی رہے گی کسی کی مجال نہیں کہ آپ تک پہنچ سکے۔

حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔اللہ تعالیٰ آپ کو اور آپ کی قوم کو جزائے خیر عطاء فرمائے۔مگر ہمارے اور حر بن یزید کے درمیان ایک بات ہو چکی ہے۔اب ہم اس کے پابند ہیں۔اس کے ساتھ کہیں جا نہیں سکتے۔اور ہمیں کچھ پتہ نہیں کہ ہمارے ساتھ کیا ہونے والا ہے۔طرماح بن عدی رخصت ہوگئے اور اپنے ساتھ سامان رسد لے کر دوبارہ آنے کا وعدہ کر گئے۔اور پھر آئے بھی مگر راستے میں حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کی غلط خبر سن کو لوٹ گئے۔

حضرت حسینؓ کا خواب

اس طرف حضرت حسین ؓ چلتے رہے اور نصر بنی مقاتل تک پہنچ گئے۔ یہاں پہنچ کر آپ کو ذرا غنودگی ہوئی تو انا للہ و انا الیہ راجعون کہتے ہوئے بیدار ہوئے۔ آپ کے صاحبزادے علی اکبر نے سنا تو گھبرا کر سامنے آئے اور پوچھا ابا جان کیا بات ہے۔ آپ نے فرمایا کہ میں نے خواب میں دیکھا کہ کوئی گھوڑ سوار میرے پاس آیا اور اس نے کہا کہ کچھ لوگ چل رہے ہیں اور ان کی موتیں ان کے ساتھ چل رہی ہیں۔ اس سے میں سمجھا کہ یہ ہماری موت ہی کی خبر ہے۔

حضرت علی اکبر کا مومنانہ ثبات قدم

صاحبزادے نے عرض کیا ابا جان کیا ہم حق پر نہیں۔ آپ نے فرمایا قسم ہے اسی ذات کی جس کی طرف سب بندگان خدا کا رجوع ہے کہ بلاشبہ ہم حق پر ہیں۔ صاحبزادے نے عرض کیا پھر ہمیں کیا ڈر ہے۔ جبکہ ہم حق پر مر رہے ہیں۔ حضرت حسین ؓ نے ان کو شاباش دی اور فرمایا کہ اللہ تعالیٰ تم کو جزائے خیر عطاء فرمائے تم نے اپنے باپ کو صحیح حق ادا کیا۔

اسکے بعد حضرت حسین ؓ پھر روانہ ہوئے۔ مقام نینوی تک پہنچے تو ایک سوار کوفہ کی طرف سے آتا ہوا نظر آیا۔ یہ سب اس کی انتظار میں اتر گئے۔ اس نے آ کر حر بن یزید کو سلام کیا۔ حضرت حسین ؓ کو سلام بھی نہ کیا۔ اور حر کو ابن زیاد کا ایک خط پہنچایا جس میں لکھا تھا کہ: ”جس وقت تمہیں میرا یہ خط ملے تو حسین ؓ پر میدان تنگ کر دو اور ان کو کھلے میدان کے سوا کسی پناہ کی جگہ میں نہ اترنے دو۔ اور ایسے میدان کی طرف لے جاؤ جہاں پانی نہ ہو اور میں نے اپنے قاصد کو حکم دیا ہے کہ جب تک میرے اس حکم کی تعمیل نہ کر دو گے تمہارے ساتھ رہے گا۔“

یہ خط پڑھ کر حر نے اس کا مضمون حضرت حسین ؓ کو سنا دیا اور اپنی مجبوری ظاہر کی۔ کہ اس وقت میرے سر پر جاسوس مسلط ہیں۔ میں کوئی مصالحت نہیں کر سکتا۔

اصحاب حسینؓ کا ارادہ قتال اور حسین کا جواب کہ میں قتال میں پہل نہیں کروں گا

اسوقت حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے ساتھیوں میں سے زبیر بن القین رضی اللہ عنہ نے عرض کیا آپ دیکھ رہے ہیں کہ ہر آنے والی گھڑی مشکلات میں اضافہ کر رہی ہے اور ہمارے لئے موجودہ لشکر سے قتال کرنا آسان ہے بنسبت اس کے جو اس کے بعد آئے گا۔ حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں قتال میں پہل نہیں کرنا چاہتا۔ زبیر بن القین رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ آپ قتال کی ابتداء نہ کریں۔ بلکہ ہمیں اس بستی میں لے جائیں جو حفاظت کی جگہ ہے اور دریائے فرات کے کنارے پر ہے۔ اس پر اگر یہ لوگ ہمیں وہاں جانے سے روکیں تو ہم قتال کریں۔ آپ نے پوچھا کہ یہ کونسی بستی ہے۔ کہا گیا کہ عقر ہے۔ آپ نے فرمایا کہ میں عقر سے خدا کی پناہ مانگتا ہوں۔ عقر کے لفظی معنی ہلاکت کے ہیں۔

عمر بن سعد چار ہزار کا مزید لشکر لے کر مقابلے پر پہنچ گیا

ابھی یہ حضرات اسی گفتگو میں تھے کہ ابن زیاد نے عمر بن سعد کو مجبور کر کے چار ہزار فوج کے ساتھ مقابلے کے لئے بھیج دیا۔ عمر بن سعد نے ہر چند چاہا کہ اس کو حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے مقابلے کی مصیبت سے نجات مل جائے۔ مگر ابن زیاد نے کوئی بات نہ سنی اور ان کو مقابلہ کے لئے بھیج دیا۔ عمر بن سعد یہاں پہنچا تو حضرت حسین رضی اللہ عنہ سے کوفہ آنے کی وجہ پوچھی۔ آپ نے پورا قصہ بتلایا اور یہ کہ میں اہل کوفہ کا بلایا ہوا آیا ہوں۔ اگر اب بھی ان کی رائے بدل گئی ہے تو میں واپس جانے کے لئے تیار ہوں۔ عمر بن سعد نے ابن زیاد کو اس مضمون کا خط لکھا کہ حسین رضی اللہ عنہ واپس جانے کے لئے تیار ہیں۔

حضرت حسینؓ کا پانی بند کر دینے کا حکم

ابن زیاد نے جواب دیا کہ حسین رضی اللہ عنہ کے سامنے صرف ایک بات رکھو کہ یزید کے ہاتھ پر بیعت کریں۔ جب وہ ایسا کریں تو پھر ہم غور کریں گے۔ کہ ان کے ساتھ کیا معاملہ کیا

جائے اور عمر کو حکم دیا کہ حسین رضی اللہ عنہ اور ان کے رفقاء پر پانی بالکل بند کر دو۔ یہ واقعہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت سے تین روز پہلے کا ہے۔ ان حضرات پر پانی بالکل بند کر دیا گیا۔ یہاں تک کہ جب یہ سب حضرات پیاس سے پریشان ہو گئے تو حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے اپنے بھائی عباس بن علی رضی اللہ عنہ کو تیس سوار اور تیس پیادوں کے ساتھ پانی لانے کے لئے بھیج دیا۔ پانی لانے پر عمر بن سعد کی فوج سے مقابلہ بھی ہوا۔ مگر بالآخر بیس مشکیں پانی کی بھر لائے۔

حضرت حسین رضی اللہ عنہ اور عمر بن سعد کی ملاقات کا مکالمہ

اس کے بعد حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے عمر بن سعد کے پاس پیغام بھیجا کہ آج رات کو ہماری ملاقات اپنے اپنے لشکر کے ساتھ ہو جانی چاہئے۔ تا کہ ہم سب کے سامنے گفتگو کریں۔ عمر بن سعد اس پیغام کے مطابق رات کو ملے۔

حضرت حسین رضی اللہ عنہ کا ارشاد کہ تین باتوں میں سے کوئی ایک اختیار کر لو

حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ہمارے بارے میں آپ تین صورتوں میں سے کوئی اختیار کر لو۔

۱۔ میں جہاں سے آیا ہوں وہیں واپس چلا جاؤں۔

۲۔ یا میں یزید کے پاس پہنچ جاؤں اور خود اس سے اپنا معاملہ طے کروں

۳۔ یا مجھے مسلمانوں کی کسی سرحد پر پہنچا دو۔ جو حال وہاں کے عام لوگوں کا ہو گا میں اسی میں بسر کرونگا۔

بعض لوگوں نے آخری دو صورتوں کا انکار کیا کہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے یہ دو صورتیں پیش نہیں فرمائیں۔ عمر بن سعد نے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی یہ تقریر سن کر پھر ابن زیاد کو خط لکھا کہ اللہ تعالیٰ نے جنگ کی آگ بجھا دی اور مسلمانوں کا کلمہ متفق کر دیا۔ مجھے حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے تین صورتوں کا اختیار دیا ہے اور ظاہر ہے ان میں آپ کا مقصد پورا ہوتا ہے اور امت کی اس میں صلاح و فلاح ہے۔

ابن زیاد کا ان شرطوں کو قبول کرنا اور شمر کی مخالفت

ابن زیاد بھی عمر بن سعد کے اس خط سے متاثر ہوا اور کہا کہ یہ خط ایک ایسے شخص کا ہے جو امیر کی اطاعت بھی چاہتا ہے اور اپنی قوم کی عافیت کا بھی خواہشمند ہے۔ ہم نے اس کو قبول کر لیا۔

شمر ذی الجوشن نے کہا کہ کیا آپ حسین رضی اللہ عنہ کو مہلت دینا چاہتے ہیں کہ قوت حاصل کر کے پھر تمہارے مقابلہ پر آ ئے۔ وہ اگر آج تمہارے ہاتھ سے نکل گئے تو پھر کبھی تم ان پر قابو نہ پا سکو گے۔ مجھے اس میں عمر بن سعد کی سازش معلوم ہوتی ہے۔ کیونکہ میں نے سنا ہے کہ وہ راتوں کو آپس میں باتیں کرتے ہیں ہاں آپ حسین رضی اللہ عنہ کو اس پر مجبور کریں کہ وہ آپ کے پاس آ جائیں پھر آپ چاہیں سزا دیں چاہیں معاف کریں۔

ابن زیاد نے شمر کی رائے قبول کر کے عمر بن سعد کو اسی مضمون کا خط لکھا اور خود شمر ذی الجوشن ہی کے ہاتھ عمر بن سعد کے پاس بھیجا اور یہ ہدایت کر دی کہ اگر عمر بن سعد اس حکم کی تعمیل فوراً نہ کریں تو اس کو قتل کر دیا جائے اور اس کی جگہ تم خود لشکر کے امیر ہو۔

ابن زیاد کا خط عمر بن سعد کے نام

''امابعد! میں نے تمہیں اس لئے نہیں بھیجا کہ تم جنگ سے بچو یا ان کو مہلت دو یا ان کی سفارش کرو۔ اگر حسین اور ان کے ساتھی میرے حکم پر صلح کرنا اور میرے پاس آنا چاہتے ہیں تو ان کو صحیح سالم یہاں پہنچا دو۔ ورنہ ان سے جنگ کرو یہاں تک کہ ان کو قتل کرو۔ مثلہ کرو کیونکہ وہ اس کے مستحق ہیں اور پھر قتل کے بعد ان کو گھوڑوں کی ٹاپوں میں روند ڈالو۔ اگر تم نے ہمارے اس حکم کی تعمیل کی تو تم کو ایک فرمانبردار کی طرح انعام ملے گا اور اگر اس کی تعمیل نہیں کرتے تو ہمارے لشکر کو فوراً چھوڑ دو اور چارج شمر کے سپرد کر دو۔ والسلام۔

شمر یہ حکم اور یہ خط لیکر روانہ ہونے لگا تو اس کو خیال آیا کہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے ساتھیوں میں اس کے پھوپھی زاد بھائی عباس جعفر عثمان بھی ہیں۔ ابن زیاد سے ان چاروں کے لئے امان حاصل کیا اور روانہ ہو گئے۔ شمر نے یہ پروانہ امان کسی قاصد کے ہاتھ ان چاروں بزرگوں کے پاس بھیج دیا۔ یہ پروانہ دیکھ کر یک زبان ہو کر بولے ''ہمیں امان دیا جاتا ہے۔ اور ابن رسول اللہ کو امن نہیں دیا جاتا ہمیں تمہارے امان کی حاجت نہیں۔ اللہ کا امان تمہارے امان سے بہتر ہے تجھ پر لعنت ہے اور تیرے امان پر بھی''

شمر یہ خط لیکر جب عمر بن سعد کے پاس پہنچا تو سمجھ گیا کہ شمر کے مشورے سے یہ

صورت عمل میں آئی ہے۔ کہ میرا مشورہ رد کر دیا گیا۔ اس کو کہا کہ تم نے بڑا ظلم کیا کہ مسلمانوں کا کلمہ متفق ہو رہا تھا اس کو ختم کر کے قتل و قتال کا بازار گرم کر دیا۔ بالآخر حسین رضی اللہ عنہ کو یہ پیغام پہنچایا گیا۔ آپ نے اس کو قبول کرنے سے انکار فرمادیا کہ اس ذلت سے موت بہتر ہے۔

حضرت حسینؓ کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھنا

شمر ذی الجوشن اس محاذ پر محرم کی نویں تاریخ کو پہنچا۔ حضرت حسین رضی اللہ عنہ اس وقت اپنے خیمے کے سامنے بیٹھے ہوئے تھے اسی حالت میں کچھ اونگھ آ کر آنکھ بند ہو گئی اور پھر ایک آواز کے ساتھ بیدار ہو گئے۔ آپ کی ہمشیرہ زینب نے یہ آواز سنی تو دوڑی آئیں اور وجہ پوچھی فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا ہے فرمایا کہ اب ہمارے پاس آنے والے ہو۔

ہمشیرہ یہ سن کر رو پڑیں۔ حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے تسلی دی۔ اسی حالت میں شمر کا لشکر سامنے آ گیا۔ آپ کے بھائی عباس رضی اللہ عنہ آگے بڑھے اور حریف مقابل سے گفتگو ہوئی۔ اس نے بلا مہلت قتال کا اعلان سنایا۔ عباس رضی اللہ عنہ نے آ کر حسین رضی اللہ عنہ کو اطلاع دی۔

حضرت حسینؓ نے ایک رات عبادت میں گزارنے کے لئے مہلت مانگی

حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ان سے کہو کہ آج کی رات قتال ملتوی کر دو۔ تاکہ میں آج کی رات میں وصیت اور نماز و دعا اور استغفار کر سکوں۔ شمر اور عمر بن سعد نے اور لوگوں سے مشورہ کرنے کے بعد مہلت دے دی اور واپس ہو گئے۔

حضرت حسینؓ کی تقریر اہل بیت کے سامنے

حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے اپنے اہل بیت اور اصحاب کو جمع کر کے ایک خطبہ دیا جس میں فرمایا:

"میں اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتا ہوں راحت میں بھی اور مصیبت میں بھی۔ یا اللہ میں آپ کا شکر ادا کرتا ہوں کہ آپ نے ہمیں شرافت نبوت سے نوازا۔ اور ہمیں کان، آنکھ، دل

دیئے۔ جن سے ہم نے آپ کی آیات سمجھیں اور ہمیں آپ نے قرآن سکھایا اور دین کی سمجھ عطا فرمائی۔ ہمیں آپ اپنے شکر گزار بندوں میں داخل فرما لیجئے''۔

اس کے بعد فرمایا: ''میرے علم میں آج کسی شخص کے ساتھی ایسے وفا شعار نیکوکار نہیں ہیں جیسے میرے ساتھی اور نہ کسی کے اہل بیت میرے اہل بیت سے زیادہ ثابت قدم نظر آتے ہیں۔ آپ لوگوں کو اللہ تعالیٰ میری طرف سے جزائے خیر عطا فرمائے۔ میں سمجھتا ہوں کہ کل ہمارا آخری دن ہے۔ میں آپ سب کو خوشی سے اجازت دیتا ہوں کہ سب اس رات کی تاریکی میں متفرق ہو جاؤ اور جہاں پناہ ملے چلے جاؤ۔ اور میرے اہل بیت میں سے ایک ایک کا ہاتھ پکڑو اور مختلف علاقوں میں پھیل جاؤ۔ کیونکہ دشمن میرا طلب گار ہے۔ وہ مجھے پائے گا تو دوسروں کی طرف التفات نہ کرے گا''۔

یہ تقریر سن کر آپ کے بھائی اور اولاد اور آپ کے بھائیوں کی اولاد اور عبداللہ بن جعفر کے صاحبزادے یک زبان ہو کر بولے کہ واللہ ہم ہرگز ایسا نہیں کریں گے۔ ہمیں اللہ تعالیٰ آپ کے بعد باقی نہ رکھے۔

پھر بنو عقیل کو خطاب کر کے فرمایا کہ تمہارے ایک بزرگ مسلم بن عقیل شہید ہو چکے ہیں۔ وہی کافی ہیں۔ تم سب واپس ہو جاؤ۔ میں تمہیں خوشی سے اجازت دیتا ہوں۔ انہوں نے کہا کہ ہم لوگوں کو کیا منہ دکھلائیں گے کہ اپنے بزرگوں اور بڑوں کو موت کے سامنے چھوڑ کر اپنی جان بچالائے۔ بلکہ واللہ ہم اپنی جانیں اور اولاد و اموال قربان کر دیں گے۔

مسلم بن عوسجہ نے اسی طرح کی ایک جوشیلی تقریر کی کہ جب تک میرے دم میں دم ہے میں آپ کے سامنے قتال کرتا ہوا جان دے دوں گا۔

آپ کی ہمشیرہ حضرت زینب رضی اللہ عنہا بے قرار ہو کر رونے لگیں تو آپ نے تسلی دی۔ اور یہ وصیت فرمائی۔

حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی وصیت اپنی ہمشیرہ اور اہل بیت کو

''میری بہن میں تمہیں خدا کی قسم دیتا ہوں کہ میری شہادت پر تم کپڑے نہ پھاڑنا اور سینہ کوبی وغیرہ ہرگز نہ کرنا۔ آواز سے رونے چلانے سے بچنا''

یہ وصیت فرما کر باہر آ گئے اور اپنے اصحاب کو جمع کر کے تمام شب تہجد اور دعا و استغفار میں مشغول رہے۔ یہ عاشوراء کی رات تھی۔ صبح کو یوم عاشوراء اور روز جمعہ اور ایک روایت کے مطابق شنبہ۔ صبح نماز سے فارغ ہوتے ہی عمر بن سعد لشکر لے کر سامنے آ گیا۔ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے ساتھ اس وقت کل بہتر اصحاب تھے۔ تیئس سوار اور چالیس پیادہ۔ آپ نے بھی مقابلہ کے لئے اپنے اصحاب کی صف بندی فرمائی۔

حر بن یزید حضرت حسینؓ کے ساتھ

عمر بن سعد نے اپنے لشکر کو چار حصوں پر تقسیم کر کے ہر ایک حصہ کا ایک امیر بنایا تھا۔ ان میں سے ایک حصہ کا امیر حر بن یزید تھا۔ جو سب سے پہلے ایک ہزار کا لشکر لے کر مقابلہ کے لئے بھیجا گیا تھا۔ اور حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے ساتھ ساتھ چل رہا تھا۔ اس کے دل میں اہل بیت اطہار کی محبت کا جذبہ بھی بیدار ہو چکا تھا۔ اس وقت اپنی سابقہ کاروائی پر نادم ہو کر حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے قریب ہوتے ہوئے یکبارگی گھوڑا دوڑا کر حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے لشکر میں آ ملے اور عرض کیا کہ میری ابتدائی غفلت اور آپ کو واپسی کے لئے راستہ نہ دینے کا نتیجہ اس صورت میں ظاہر ہوا جو ہم دیکھ رہے ہیں۔ واللہ مجھے یہ اندازہ نہ تھا کہ یہ لوگ آپ کے خلاف اس حد تک پہنچ جائیں گے۔ اور آپ کی بات نہ مانیں گے۔ اگر میں یہ جانتا تو ہرگز آپ کو نہ روکتا۔ اب تائب ہو کر آیا ہوں۔ اس لئے اب میری سزا تو یہی ہے کہ میں آپ کے ساتھ قتال کرتا ہوا جان دے دوں اور ایسا ہی ہوا۔

دونوں لشکروں کا مقابلہ، حضرت حسینؓ کا لشکر کو خطاب

حضرت حسین رضی اللہ عنہ گھوڑے پر سوار ہوئے اور آگے بڑھ کر باآواز بلند فرمایا:

''لوگو! میری بات سنو جلدی نہ کرو۔ تاکہ میں حق نصیحت ادا کر دوں۔ جو میرے ذمہ ہے۔ اور تاکہ میں تمہیں اپنے یہاں آنے کی وجہ بتلا دوں۔ پھر اگر تم میرا عذر قبول کر و اور میری بات کو سچا جانو اور میرے ساتھ انصاف کرو تو اس میں تمہاری فلاح و سعادت ہے۔ اور پھر تمہارے لئے میرے قتال کا کوئی راستہ نہیں۔ اور اگر تم میرا عذر قبول نہ کرو تو تم سب مل کر مقرر

کروا پنا کام اور جمع کرلو اپنے شریکوں کو پھر نہ رہے تم کو اپنے کام میں شبہ پھر کر گزرو میرے ساتھ اور مجھ کو مہلت نہ دو۔ (یہ وہ الفاظ ہیں جو نوح علیہ السلام نے اپنی قوم کو کہے تھے۔ مترجم)

بہنوں کی گریہ وزاری اور حضرت حسینؓ کا اس سے روکنا

حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے یہ الفاظ بہنوں اور عورتوں کے کانوں میں پڑے تو ضبط نہ کر سکیں۔ رونے کی آوازیں بلند ہوگئیں۔ حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے اپنے بھائی عباس رضی اللہ عنہ کو بھیجا کہ ان کو نصیحت کر کے خاموش کر دیں اور اس وقت فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ابن عباس رضی اللہ عنہ پر رحم فرمائے انہوں نے صحیح کہا تھا کہ عورتوں کو ساتھ نہ لے جاؤ۔

حضرت حسینؓ کا دردانگیز خطبہ

حضرت حسین رضی اللہ عنہ جب دشمن کی فوج کو مخاطب کر کے متوجہ کر چکے اور عورتوں کو خاموش کر دیا تو ایک دردانگیز و نصیحت آمیز بلیغ و بے نظیر خطبہ دیا۔

حمد وثناء اور درود وسلام کے بعد فرمایا: "اے لوگو! تم میرا نسب دیکھو میں کون ہوں۔ پھر اپنے دلوں میں غور کرو کیا تمہارے لئے جائز ہے کہ تم مجھے قتل کرو۔ اور میری عزت پر ہاتھ ڈالو۔ کیا میں تمہارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی رضی اللہ عنہا کا بیٹا نہیں ہوں۔ کیا میں اس باپ کا بیٹا نہیں ہوں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا چچازاد بھائی وصی اولیٰ المومنین باللہ تھا۔ کیا سید الشہداء حمزہ رضی اللہ عنہ میرے باپ کے چچا نہیں۔ کیا جعفر طیار رضی اللہ عنہ میرے چچا نہیں تھے۔ کیا تمہیں یہ حدیث مشہور نہیں پہنچی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے اور میرے بھائی حسن رضی اللہ عنہ کو سید اشباب اہل الجنۃ اور قرۃ عین اہل السنۃ فرمایا ہے۔ اگر تم میری بات کی تصدیق کرتے ہو اور واللہ میری بات بالکل حق ہے میں نے عمر بھر کبھی جھوٹ نہیں بولا۔ جب سے مجھے یہ معلوم ہوا کہ اس سے اللہ تعالیٰ ناراض ہوتا ہے۔ اور اگر تمہیں میری بات کا یقین نہیں تو تمہارے اندر ایسے لوگ موجود ہیں جن سے اس کی تصدیق ہو سکتی ہے۔ پوچھو جابر بن عبداللہ سے دریافت کرو ابو سعید یا سہل بن سعد سے معلوم کرو زید بن ارقم یا انس سے وہ تمہیں بتلائیں گے کہ بیشک انہوں نے یہ بات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی ہے۔ کیا یہ چیزیں تمہارے

لئے میرا خون بہانے سے روکنے کو کافی نہیں۔ مجھے بتلاؤ کہ میں نے کسی کو قتل کیا ہے کہ جس کے قصاص میں مجھے قتل کر رہے ہو۔ یا میں نے کسی کا مال لوٹا ہے یا کسی کو زخم لگایا ہے"۔

اس کے بعد حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے رؤساء کوفہ کا نام لیکر پکارا۔ اے شیث بن ربعی اے حجاز بن الجراء اے قیس ابن اشعث اے زید بن حارث کیا تم لوگوں نے مجھے بلانے کے لئے خطوط نہیں لکھے۔ یہ سب لوگ مکر گئے کہ ہم نے نہیں لکھے۔ حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میرے پاس تمہارے خطوط موجود ہیں"۔

اس کے بعد فرمایا: "اے لوگو! اگر تم میرا آنا پسند نہیں کرتے تو مجھے چھوڑ دو میں کسی ایسی زمین میں چلا جاؤں گا جہاں مجھے امن ملے"۔

قیس بن اشعث نے کہا کہ آپ اپنے چچازاد بھائی ابن زیاد کے حکم پر کیوں نہیں اتر آتے۔ وہ پھر آپ کے بھائی ہیں آپ کے ساتھ برا سلوک نہ کریں گے۔ حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ مسلم بن عقیل رضی اللہ عنہ کے قتل کے بعد بھی تمہاری یہی رائے ہے۔ واللہ میں اس کو کبھی قبول نہ کروں گا۔ یہ فرما کر حضرت حسین رضی اللہ عنہ گھوڑے سے اتر آئے۔

اس کے بعد زہیر بن القین رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے اور ان لوگوں کو نصیحت کی۔ کہ آل رسول کے خون سے باز آجائیں۔ اور بتلایا کہ اگر تم اپنی اس حرکت سے باز نہ آئے اور ابن زیاد کا ساتھ دیا تو خوب سمجھ لو کہ تم کو بھی ابن زیاد سے کوئی فلاح نہ پہنچے گی۔ وہ تم کو بھی قتل و غارت کرے گا۔ ان لوگوں نے زہیر رضی اللہ عنہ کو برا بھلا کہا اور ابن زیاد کی تعریف کی اور کہا کہ ہم تم سب کو قتل کر کے ابن زیاد کے پاس بھیجیں گے۔

زہیر رضی اللہ عنہ نے پھر کہا کہ ظالمو! اب بھی ہوش میں آؤ۔ فاطمہ رضی اللہ عنہا کا بیٹا سمیہ کے بیٹے (ابن زیاد) سے زیادہ محبت و اکرام کا مستحق ہے۔ اگر تم ان کی امداد نہیں کرتے تو ان کو اور ان کے چچازاد بھائی یزید کو چھوڑ دو کہ وہ آپس میں نبٹ لیں بخدا یزید بن معاویہ رضی اللہ عنہ تم سے اس پر ناراض نہ ہوگا۔

جب گفتگو طویل ہونے لگی تو شمر نے پہلا تیر ان پر چلا دیا اس کے بعد حر بن زید رضی اللہ عنہ جو اب تائب ہو کر حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے لشکر میں شامل ہو گئے تھے آگے بڑھے اور لوگوں کو

خطاب کیا: ''اے اہل کوفہ تم ہلاک و برباد ہو جاؤ۔ کیا تم نے ان کو اس لئے بلایا تھا کہ وہ آ جائیں تو تم ان کو قتل کر دو۔ تم نے کہا تھا کہ ہم اپنی مال و جان آپ پر قربان کریں گے۔ اور اب تم ہی ان کے قتل کے در پے ہو۔ ان کو اس کی بھی اجازت نہیں دیتے۔ کہ خدا کی طویل و عریض زمین میں کہیں چلے جائیں جہاں ان کو اور اہل بیت کو امن ملے۔ ان کو تم نے قیدیوں کی مثل بنالیا ہے۔ اور دریائے فرات کا جاری پانی ان پر بند کر دیا ہے۔ جس کو یہودی نصرانی، مجوسی سب پیتے ہیں۔ اور جس میں اس علاقے کے خنزیر لوٹتے ہیں۔ حسین رضی اللہ عنہ اور انکے اہل بیت پیاس سے بے ہوش ہو رہے ہیں۔ تم نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ان سے ان کی اولاد کے بارے میں نہایت شرمناک سلوک کیا۔ اللہ تعالیٰ قیامت کے روز تم کو پیاسا رکھے۔ اگر توبہ نہ کرو اور اپنی حرکت سے باز نہ آؤ۔

اب حر بن یزید پر بھی تیر پھینکے گئے۔ وہ واپس آ گئے اور حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے آگے کھڑے ہو گئے۔ اور اس کے بعد تیر اندازی کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ پھر گھمسان کی جنگ ہوئی۔ فریق مخالف کے بھی کافی آدمی مارے گئے۔ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے رفقاء بھی بعض شہید ہوئے۔ حر بن یزید نے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے ساتھ ہو کر شدید قتال کیا۔ بہت سے دشمنوں کو قتل کیا۔ مسلم بن عوسجہ رضی اللہ عنہ زخمی ہو کر گر پڑے۔ حبیب بن مظہر رضی اللہ عنہ ان کے پاس آئے اور کہا کہ جنت کی خوشخبری تمہارے لئے ہے۔ اگر میں یہ جانتا کہ میں بھی تمہارے پیچھے شہید ہونے والا ہوں تو میں تم سے تمہاری وصیت دریافت کرتا۔ انہوں نے کہا ہاں میں ایک وصیت کرتا ہوں اور حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی طرف اشارہ کر کے کہا کہ جب تک زندہ ہو ان کی حفاظت کرنا۔

اس کے بعد شقی و بدبخت شمر نے چاروں طرف سے حضرت حسین رضی اللہ عنہ اور ان کے رفقاء پر حملہ بول دیا۔ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے رفقاء نے بڑی بہادری سے مقابلہ کیا کوفہ کے لشکر پر جس طرف حملہ کرتے تھے۔ میدان صاف ہو جاتا تھا۔ جب عروہ بن قیس نے یہ حالت دیکھی تو عمر بن سعید سے مزید کمک طلب کی۔ اور شیث بن ربعی سے کہا کہ تم کیوں آگے نہیں بڑھتے اس وقت شیث سے رہا نہ گیا اور کہا کہ تم سب گمراہ ہو۔ ابن علی رضی اللہ عنہ جو اس وقت روئے زمین پر سب سے بہتر ہیں ان سے قتال کرتے ہو۔ اور سمیہ زانیہ کے لڑکے ابن زیاد کا ساتھ دیتے ہو۔

عمرو بن سعد نے جو کمک اور تازہ دم سپاہی بھیجے یہ آ کر مقابلہ پر ڈٹ گئے۔اصحاب حسین رضی اللہ عنہ نے بھی نہایت بہادری سے مقابلہ کیا اور گھوڑے چھوڑ کر میدان میں پیادہ آ گئے۔ اس وقت حر بن یزید نے سخت قتال کیا۔اب دشمنوں نے خیموں میں آگ لگانا شروع کی۔

گھمسان کی جنگ میں نماز ظہر کا وقت

حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے اکثر رفقاء شہید ہو چکے تھے۔اور دشمن کے دستے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے قریب پہنچ چکے تھے۔ابو ثمامہ صائدی نے عرض کیا کہ میری جان آپ پر قربان ہو میں چاہتا ہوں کہ آپ کے سامنے قتل کیا جاؤں۔لیکن دل یہ چاہتا ہے کہ ظہر کا وقت ہو چکا ہے یہ نماز ادا کر کے پروردگار کے سامنے جاؤں۔حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ نے آواز بالند فرمایا کہ جنگ ملتوی کرو یہاں تک کہ ہم نماز پڑھ لیں۔ایسی گھمسان جنگ میں کون سنتا۔ طرفین سے قتل وقتال جاری تھا۔اور ابو ثمامہ رضی اللہ عنہ اسی حالت میں شہید ہو گئے۔اس کے بعد حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے اپنے چند اصحاب کے ساتھ نماز ظہر صلوٰۃ الخوف کے مطابق ادا فرمائی۔نماز کے بعد پھر قتال شروع ہوا۔اب یہ لوگ حضرت حسین رضی اللہ عنہ تک پہنچ چکے تھے۔حنفی حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے سامنے آ کر کھڑے ہو گئے۔سب تیر اپنے بدن پر کھاتے رہے۔ یہاں تک کہ زخموں سے چور ہو کر گر گئے۔اس وقت زبیر بن القین رضی اللہ عنہ نے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی مدافعت میں سخت قتال کیا۔یہاں تک کہ وہ بھی شہید ہو گئے۔اس وقت حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے پاس بجز چند رفیقوں کے کوئی نہ رہا تھا۔اور یہ رفقاء بھی دیکھ رہے تھے کہ ہم نہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو بچا سکتے ہیں نہ خود بچ سکتے ہیں تو اب ان میں سے ہر شخص کی یہ خواہش تھی کہ میں حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے سامنے پہلے شہید ہو جاؤں اس لئے ہر شخص نہایت شدت وشجاعت سے مقابلہ کر رہا تھا۔اس میں حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے بڑے صاحبزادے حضرت علی اکبرؓ یہ شعر پڑھتے ہوئے آگے بڑھے۔

انا ابن علی بن الحسین بن علی   نحن و رب البیت اولی بالنبی

یعنی میں حسین بن علی رضی اللہ عنہما کا بیٹا ہوں قسم ہے رب البیت کی کہ ہم رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم سے قریب تر ہیں۔ کم بخت مرہ ابن منقذ نے ان کو نیزہ مار کر گرا دیا۔ پھر کچھ اور شقی آگے بڑھے اور لاش کے ٹکڑے کر دیئے۔ حضرت حسین رضی اللہ عنہ سامنے آئے اور کہا خدا تعالیٰ اس قوم کو برباد کرے جسنے تجھ کو قتل کیا ہے۔ یہ لوگ اللہ تعالیٰ کے معاملہ میں کیسے بے وقوف ہیں۔ تیرے بعد اب زندگی پر خاک ہے۔ ان کی لاش اٹھا کر خیمے کے پاس لائی گئی۔ عمر بن سعد نے قاسم بن حسن رضی اللہ عنہ کے سر پر تلوار ماری وہ گرے اور ان کے منہ سے نکلا یا عماہ۔ تو حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے دوڑ کر ان کو سنبھالا اور عمر پر تلوار سے حملہ کیا۔ کہنی سے اس کا ہاتھ کٹ گیا۔ حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے اپنے بھتیجے قاسم رضی اللہ عنہ کی لاش کو اپنے کاندھے پر اٹھا کر لائے اور اپنے بیٹے اور دوسرے اہل بیت کے برابر لٹا دیا۔ اب حضرت حسین رضی اللہ عنہ تقریباً تنہا بے یارومددگار رہ گئے۔ لیکن ان کی طرف بڑھنے کی کسی کو ہمت نہیں ہوئی۔ اس طرح بہت دیر تک یہی کیفیت رہی کہ جو شخص آپ کی طرف بڑھتا اسی طرح لوٹ جاتا اور حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے قتل اور اس کے گناہ کو اپنے سر لینا نہ چاہتا تھا۔ یہاں تک کہ قبیلہ کندہ کا ایک شقی القلب مالک بن نسیر آگے بڑھا اور حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے سر پر تلوار سے حملہ کیا۔ آپ شدید زخمی ہو گئے۔ اپنے چھوٹے صاحبزادے عبداللہ رضی اللہ عنہ کو بلایا اور اپنی گود میں بٹھالیا۔ بنی اسد کے ایک بدنصیب نے ان کو بھی تیر مار کر ہلاک کر دیا۔ حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے اس معصوم بچہ کا خون لیکر زمین پر بکھیر دیا اور دعا کی یا اللہ تو ہی ان ظالموں سے ہمارا انتقام لے۔

اس وقت حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی پیاس حد کو پہنچ چکی تھی۔ آپ پانی پینے کیلئے دریائے فرات کے قریب تشریف لے گئے۔ ظالم حصین بن نمیر نے آپ کے منہ پر نشانہ کر کے تیر پھینکا جو آپ کو لگا اور دہن مبارک سے خون جاری ہوا گیا اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔

حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت

اس کے بعد شمر دس آدمی ساتھ لیکر حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی طرف بڑھا۔ حضرت حسین رضی اللہ عنہ شدید پیاس اور اپنے زخموں کے باوجود ان کا دلیرانہ مقابلہ کر رہے تھے۔ اور جس طرف حضرت حسین رضی اللہ عنہ بڑھتے، یہ بھاگتے نظر آتے تھے۔ اہل تاریخ نے کہا کہ یہ ایک بے نظیر واقعہ ہے کہ جس شخص کی اولاد اور اہل بیت قتل کر دیئے گئے ہیں اس کو خود شدید زخم لگے ہوں

اور وہ پانی کے ایک ایک قطرے سے محروم ہو اور وہ اس وقت ثبات قدمی سے مقابلہ کر رہا ہے کہ جس طرف رخ کرتا ہے مسلح سپاہی بھیڑ بکریوں کی طرح بھاگنے لگتے ہیں۔

شمر نے جب یہ دیکھا کہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے قتل کرنے سے ہر شخص بچنا چاہتا ہے تو آواز دی کہ سب یکبارگی حملہ کرو۔ اس پر بہت سے بدنصیب آگے بڑھے۔ نیزوں اور تلواروں سے یکبارگی حملہ کیا اور یہ ابن رسول اللہ خیر خلق اللہ فی الارض ظالموں کا دلیرانہ مقابلہ کرتے ہوئے شہید ہوگئے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ.

شمر نے خولی بن یزید سے کہا کہ ان کا سر کاٹ لو وہ آگے بڑھا مگر ہاتھ کانپ گئے۔ پھر شقی بد بخت سنان بن انس نے یہ کام انجام دیا۔ آپ کی لاش کو دیکھا تو تینتیس زخم نیزوں کے اور چونتیس زخم تلواروں کے ان کے علاوہ فرضی اللہ عنہم و ارضاہ ورزقنا حبہ وحب من والدہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ اور عام اہل بیت کے قتل سے فارغ ہو کر یہ ظالم علی اصغر حضرت زین العابدین کی طرف متوجہ ہوئے شمر نے ان کو بھی قتل کرنا چاہا۔ حمید بن مسلم نے کہا کہ سبحان اللہ تم بچہ کو قتل کرتے ہو اور جب کہ وہ مریض بھی ہے۔ شمر نے چھوڑ دیا۔ عمر بن سعد آگے آئے اور کہا کہ ان عورتوں کے خیمہ کا پاس کوئی نہ جائے اور اس مریض بچہ سے کوئی تعرض نہ کرے۔

لاش کو روندا گیا

ابن زیاد شقی کا حکم تھا کہ قتل کے بعد لاش کو گھوڑوں کی ٹاپوں میں روندا جائے عمر بن سعد نے چند سواروں کو حکم دیا انہوں نے یہ بھی کر ڈالا اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ.

مقتولین اور شہداء کی تعداد

جنگ کے خاتمہ پر مقتولین کی شمار کی گئی تو حضرت حسین کے اصحاب میں بہتر حضرات شہید ہوئے اور عمر بن سعد کے لشکر کے اٹھاسی سپاہی مارے گئے۔ حضرت حسین رضی اللہ عنہ اور ان کے رفقاء کو اہل غاضریہ نے ایک روز بعد دفن کیا۔

حضرت حسینؓ اور ان کے رفقاء کے سر ابن زیاد کے دربار میں

خولی بن یزید اور حمید بن مسلم ان حضرات کے سر کو لیکر کوفہ روانہ ہوئے۔ اور ابن زیاد کے

سامنے پیش کئے۔ ابن زیاد نے لوگوں کو جمع کر کے سب سروں کو سامنے رکھا۔ اور ایک چھڑی سے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے دہن مبارک کو چھونے لگا۔ زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے نہ رہا گیا اور بول اٹھے کہ چھڑی ان متبرک ہونٹوں کے اوپر سے ہٹالیں۔ قسم ہے اس ذات کی جس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا ہے کہ ان ہونٹوں کو بوسہ دیتے تھے۔ یہ کہہ کر رو پڑے۔ ابن زیاد نے کہا کہ اگر تم سن رسیدہ بوڑھے نہ ہوتے تو میں تمہاری بھی گردن مار دیتا۔ زید بن ارقم رضی اللہ عنہ یہ کہتے ہوئے باہر آ گئے۔ کہ اے قوم عرب تم نے سیدۃ النساء فاطمہ رضی اللہ عنہا کے بیٹے کو قتل کر دیا۔ اور مرجانہ کے بیٹے کو اپنا امیر بنالیا۔ وہ تمہارے اچھے لوگوں کو قتل کرے گا۔ اور شریروں کو غلام بنائے گا تمہیں کیا ہوا کہ اس ذلت پر راضی ہو گئے۔

بقیہ اہلِ بیت کو کوفہ میں ...... اور ...... ابن زیاد سے مکالمہ

عمر ابن سعد دو روز کے بعد بقیہ اہل بیت حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی بیٹیوں اور بہنوں اور بچوں کو ساتھ لے کر کوفہ کے لئے نکلے تو حضرت حسین رضی اللہ عنہ اور ان کے اصحاب کی لاشیں پڑی ہوئی تھیں عورتوں بچوں کے سامنے یہ منظر آیا تو کہرام مچ گیا اور گویا زمین و آسمان رونے لگے۔ عمر بن سعد نے ان سب اہل بیت کو ابن زیاد کے سامنے پیش کیا تو حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی ہمشیرہ زینب رضی اللہ عنہا بہت میلے اور خراب کپڑے پہن کر پہنچیں اور ان کی باندیاں ان کے گرد تھیں اور ایک طرف جا کر خاموش بیٹھ گئیں۔ ابن زیاد نے پوچھا یہ علیحدہ بیٹھنے والی کون ہے۔ زینب رضی اللہ عنہا نے کوئی جواب نہ دیا۔ کئی مرتبہ اسی طرح دریافت کیا۔ مگر زینب رضی اللہ عنہا خاموش رہیں جب کسی لونڈی نے کہا کہ یہ زینب رضی اللہ عنہا بنت فاطمہ رضی اللہ عنہا ہیں۔ ابن زیاد بولا شکر ہے اللہ کا جس نے تمہیں رسوا کیا اور قتل کیا اور تمہاری بات کو جھوٹا کیا اس پر حضرت زینب رضی اللہ عنہا کڑک کر بولیں شکر ہے اللہ کا جس نے ہمیں محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے نسب سے شرف بخشا اور قرآن ہمارے پاک کرنے کو بیان کیا۔ رسوا وہ ہوتا ہے جو اللہ کی نافرمانی کرے۔

ابن زیاد نے غصہ میں آ کر کہا کہ اللہ نے مجھے تمہارے غیظ سے شفادی۔ اور تمہارے سرکش کو ہلاک کیا۔ حضرت زینب رضی اللہ عنہا کا دل بھر آیا۔ رونے لگیں اور کہا کہ تو نے

ہمارے سب چھوٹوں بڑوں کو قتل کر دیا۔ اگر یہی تیری شفا ہے تو شفا سمجھ لے۔

اس کے بعد ابن زیاد علی اصغر ﷺ کی طرف متوجہ ہوا۔ ان کا نام پوچھا بتلایا کہ علی نام ہے۔ اس نے کہا وہ تو قتل کر دیا گیا۔ علی اصغر ﷺ نے بتلایا کہ وہ میرے بڑے بھائی تھے۔ ان کا نام بھی علی تھا۔ ابن زیاد نے ان کو بھی قتل کرنے کا ارادہ کیا تو علی اصغر ﷺ نے کہا میرے بعد ان عورتوں کا کون کفیل ہوگا۔ ادھر حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا ان کی پھوپھی ان کو لپٹ گئیں اور کہنے لگیں۔ کہ اے ابن زیاد! کیا ابھی تک ہمارے خون سے تیری پیاس نہیں بجھی۔ میں تجھے خدا کی قسم دیتی ہوں اگر ان کو قتل کرے تو ہم کو بھی ان کے ساتھ قتل کر دے۔

علی اصغر ﷺ نے فرمایا اے ابن زیاد! اگر تیرے اور ان عورتوں کے درمیان کوئی قرابت ہے تو ان کے ساتھ کسی صالح متقی مسلمان کو بھیجنا۔ جو اسلام کی تعلیم کے مطابق ان کی رفاقت کرے۔ یہ سن کر ابن زیاد نے کہا۔ اچھا اس لڑکے کو چھوڑ دو کہ خود اپنی عورتوں کے ساتھ جائے۔

اس کے ابن زیاد نے ایک نماز کے بعد خطبہ دیا جس میں حسین ﷺ اور علی ﷺ پر سب وشتم کیا۔ مجمع میں عبداللہ بن عفیف ازدی بھی تھے۔ کھڑے ہو گئے جو نابینا تھے اور ہمہ وقت مسجد میں رہتے تھے۔ کہا اے ابن زیاد تو کذاب بن کذاب ہے۔ تم انبیاء کی اولاد کو قتل کرتے ہو اور صدیقین کی سی باتیں بناتے ہو۔ ابن زیاد نے ان کو گرفتار کرنا چاہا تو ان کے قبیلہ کے لوگ چھڑانے کے لئے کھڑے ہو گئے اس لئے چھوڑ دیئے گئے۔

حضرت حسینؓ کے سر مبارک کو کوفہ کے بازاروں میں پھرایا گیا پھر یزید کے پاس شام بھیجا گیا

ابن زیاد کی شقاوت نے اسی پر بس نہیں کیا بلکہ حکم دیا کہ حضرت حسین ﷺ کے سر کو ایک لکڑی پر رکھ کر کوفہ کے بازاروں اور گلی کوچوں میں گھمایا جائے کہ سب لوگ دیکھ لیں۔ اس کے بعد اس کو اور دوسرے اصحاب کے سروں کو یزید کے پاس ملک شام بھیج دیا۔ اور اسی کے ساتھ عورتوں بچوں کو بھی روانہ کیا۔ یہ لوگ شام پہنچے تو انعام کے شوق میں حر بن قیس جو ان کو لیکر گیا تھا فوراً یزید کے پاس پہنچا۔ یزید نے پوچھا کیا خبر ہے۔ اس نے میدان کربلا

کے معرکہ کی تفصیل بتلا کر کہا کہ امیر المومنین کو بشارت ہو کہ مکمل فتح حاصل ہوئی۔ یہ سب مارے گئے اور ان کے سر عورتیں اور بچے حاضر ہیں۔

یہ حال سن کر یزید کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے اور کہا کہ میں تم سے اتنی ہی اطاعت چاہتا تھا کہ بغیر قتل کے گرفتار کر لو۔ اللہ تعالیٰ ابن سمیہ پر لعنت کرے۔ اس نے ان کو قتل کرا دیا۔ خدا کی قسم اگر میں وہاں ہوتا تو میں معاف کر دیتا۔ اللہ تعالیٰ حسین رضی اللہ عنہ پر رحم فرماوے یہ کہا اور اس شخص کو کوئی انعام نہیں دیا۔

سر مبارک جس وقت یزید کے سامنے رکھا گیا تو یزید کے ہاتھ میں چھڑی تھی۔ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے دانتوں پر چھڑی لگا کر حصین بن ہمام کے یہ اشعار پڑھے

الی قومنا ان ینصفونا فانصفت   خواصب فی ایماننا تقطر الدما
یخرقن ھا ما من رجال اعزۃ   علینا ولھم کانوا اعق و اظلما

"یعنی ہماری قوم نے ہمارے لئے انصاف نہ کیا تو ہماری خونچکاں تلواروں نے انصاف کیا۔ جنہوں نے ایسے مردوں کے سر پھاڑ دیئے جو ہم پر سخت تھے۔ اور وہ تعلقات قطع کرنے والے ظالم تھے"۔

ابو برزہ اسلمی رضی اللہ عنہ موجود تھے۔ آپ نے کہا اے یزید تو اپنی چھڑی حسین رضی اللہ عنہ کے دانتوں پر لگاتا ہے اور میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا ہے کہ ان کو بوسہ دیتے تھے۔ اے یزید قیامت کے روز تو آئے گا۔ تو تیری شفاعت ابن زیاد ہی کرے گا۔ اور حسین رضی اللہ عنہ آئیں گے تو ان کے شفیع محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہوں گے۔ یہ کہہ کر ابو برزہ رضی اللہ عنہ مجلس سے نکل گئے۔

یزید کے گھر میں ماتم

جب یزید کی بیوی ہندہ بنت عبداللہ نے یہ خبر سنی کہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ قتل کر دیئے گئے اور ان کا سر لایا گیا ہے اور کپڑا اوڑھ کر باہر نکل آئیں اور کہنے لگیں امیر المومنین کیا ابن بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ یہ معاملہ کیا گیا ہے۔ اس نے کہا ہاں۔ خدا ابن زیاد کو ہلاک کرے اس نے جلدی کی اور قتل کر ڈالا۔ ہندہ سن کر رو پڑی

یزید نے کہا کہ حسین رضی اللہ عنہ نے یہ کہا تھا کہ میرا باپ یزید کے باپ سے اور میری ماں یزید کی ماں سے اور میرے دادا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یزید کے دادا سے بہتر ہیں۔ ان میں پہلی بات کہ میرا باپ بہتر ہے یا ان کا اس کا فیصلہ تو اللہ تعالیٰ کرے گا۔ وہ دونوں وہاں پہنچ چکے ہیں اللہ ہی جانتا ہے کہ اس نے کس کے حق میں فیصلہ کیا ہے۔

اور دوسری بات کہ ان کی والدہ میری ماں سے بہتر ہیں تو میں قسم کھاتا ہوں کہ بے شک صحیح ہے ان کی والدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا میری والدہ سے بہتر ہیں۔

رہی تیسری بات کے ان کے دادا میرے دادا سے بہتر ہیں سو یہ ایسی بات ہے کہ کوئی مسلمان جس کا اللہ اور یوم آخرت پر ایمان ہے اس کے خلاف نہیں کہہ سکتا۔ ان کی یہ سب باتیں صحیح و درست تھیں مگر جو آفت آئی وہ ان کی سمجھ کی وجہ سے آئی۔ انہوں نے اس آیت پر غور نہیں کیا

قُلِ اللّٰهُمَّ مَالِكَ الْمُلْكِ تُؤْتِي الْمُلْكَ
مَنْ تَشَاءُ وَ تَنْزِعُ الْمُلْكَ مِمَّنْ تَشَاءُ

اس کے بعد عورتیں، بچے یزید کے سامنے لائے گئے۔ اور سر مبارک اس مجلس میں رکھا ہوا تھا۔ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی دونوں صاحبزادیاں فاطمہ رضی اللہ عنہا اور سکینہ رضی اللہ عنہا پنجوں کے بل کھڑے ہو کر سر مبارک کو دیکھنا چاہتی تھیں۔ اور یزید ان کے سامنے کھڑا ہو کر چاہتا تھا کہ نہ دیکھیں۔ جب ان کی نظر اپنے والد ماجد کے سر پر پڑی تو بے ساختہ رونے کی آواز نکل گئی۔ ان کی آواز سن کر یزید کی عورتیں بھی چلا اٹھیں اور یزید کے محل میں ایک ماتم برپا ہو گیا۔

یزید کے دربار میں زینب رضی اللہ عنہا کی دلیرانہ گفتگو

ایک شامی شخص نے صاحبزادی کے متعلق ناشائستہ الفاظ کہے تو ان کی پھوپھی زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے نہایت سختی سے کہا کہ نہ تو تجھے کوئی حق ہے نہ یزید کو اس پر۔ یزید برہم ہو کر کہنے لگا کہ مجھے سب اختیار حاصل ہے۔ زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا کہ واللہ جب تک تو ہماری ملت و مذہب سے نہ نکل جائے تجھے کوئی اختیار نہیں۔ یزید اس پر اور زیادہ برہم ہوا۔ حضرت زینب رضی اللہ عنہا نے پھر تیزی سے جواب دیا، بالآخر خاموش ہو گیا۔

اہل بیت کی عورتیں یزید کی عورتوں کے پاس

اس کے بعد ان کو زنان خانہ میں اپنی عورتوں کے پاس بھیج دیا یزید کی عورتوں میں سے کوئی نہ رہی جس نے ان کے پاس آ کر گریہ وبکاء اور ماتم نہ کیا ہو۔ اور جو زیورات وغیرہ ان سے لے لئے گئے تھے۔ ان سے زائد ان عورتوں نے ان کی خدمت میں پیش کئے۔ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی سکینہ کہنے لگی کہ میں نے کوئی کافر یزید سے بہتر نہیں دیکھا۔

علی بن حسینؓ یزید کے سامنے

اس کے بعد علی اصغرؒ ہتھکڑیوں اور بیڑیوں میں سامنے لائے گئے۔ انہوں نے سامنے آ کر کہا کہ اگر ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس طرح قید میں دیکھتے تو ہماری قید کھول دیتے۔ یزید نے کہا سچ ہے۔ اور قید کھول دینے کا حکم دے دیا۔ اس کے بعد علی اصغرؒ نے فرمایا کہ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں اس طرح مجلس میں بیٹھا ہوا دیکھتے تو اپنے قریب بلا لیتے۔ یزید نے ان کو اپنے قریب بلا لیا۔ اور کہا کہ اے علی بن حسین رضی اللہ عنہما تمہارے والد نے ہی مجھ سے قطع رحمی کی اور میرے حق کو نہ پہچانا۔ اور میری سلطنت کے خلاف بغاوت کی۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے یہ معاملہ کیا جو تم نے دیکھا۔ علی اصغرؒ نے قرآن کی آیت پڑھی جس کا ترجمہ یہ ہے:

''یعنی اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ''جو کوئی مصیبت تمہیں پہنچتی ہے زمین میں یا تمہاری جانوں پر سو وہ کتاب تقدیر میں لکھی ہوئی ہے زمین کے پیدا کرنے سے قبل اور یہ کام اللہ کے لئے آسان ہے (اور تمام کاموں کا تابع تقدیر ہوتا) اس لئے بیان کیا گیا ہے کہ جو چیز تم سے فوت ہو جائے اس پر زیادہ غم نہ کرو۔ اور جو چیز مل جائے اس پر زیادہ خوش نہ ہو۔ اللہ تعالیٰ فخر کرنے والے متکبر کو پسند نہیں کرتا''۔

یزید یہ سن کر خاموش ہو گیا۔ پھر حکم دیا کہ ان کو اور ان کی عورتوں کو مستقل مکان میں رکھا جائے۔ اور یزید کوئی ناشتہ اور کھانا نہ کھاتا تھا جس میں علی بن حسین رضی اللہ عنہ کو نہ بلاتا ہو۔ ایک روز ان کو بلایا تو ان کے ساتھ ان کے چھوٹے بھائی عمرو ابن الحسین رضی اللہ عنہ بھی آ گئے۔ یزید نے عمرو بن الحسین رضی اللہ عنہ سے بطور مزاح کہا کہ تم اس لڑکے (یعنی اپنے لڑکے

خالد) سے مقابلہ کر سکتے ہو۔ عمرو رضی اللہ عنہ نے کہا ہاں کر سکتا ہوں بشرطیکہ آپ ایک چھری ان کو دے دیں اور ایک مجھے۔ یزید نے کہا کہ آخر سانپ کا بچہ سانپ ہی ہوتا ہے۔

بعض روایات میں ہے کہ یزید شروع میں حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے قتل پر راضی تھا۔ اور ان کا سر مبارک لایا گیا تو خوشی کا اظہار کیا۔ اس کے بعد جب یزید کی بدنامی سارے عالم اسلام میں پھیل گئی اور وہ سب مسلمانوں میں مبغوض ہو گیا تو بہت نادم ہوا اور کہنے لگا۔ کاش میں تکلیف اٹھا لیتا۔ اور حسین رضی اللہ عنہ کو اپنے ساتھ اپنے گھر میں رکھتا اور ان کو اختیار دے دیتا کہ جو وہ چاہیں کریں۔ اگرچہ اس میں میرے اقتدار کو نقصان ہی پہنچتا۔ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اور ان کا ان کی قرابت کا یہی حق تھا۔ اللہ تعالیٰ ابن مرجانہ پر لعنت کرے۔ اس نے مجبور کر کے قتل کر دیا حالانکہ انہوں نے کہا تھا کہ مجھے یزید کے پاس جانے دو یا کسی سرحدی مقام پر پہنچا دو مگر اس نالائق نے قبول نہ کیا اور ان کو قتل کر کے ساری دنیا کے مسلمانوں میں مجھے مبغوض کر دیا ان کے دلوں میں میری عداوت کا بیج بو دیا کہ ہر نیک و بد مجھ سے بغض رکھنے لگا۔ اللہ اس ابن مرجانہ پر لعنت کرے۔

اہل بیت کی مدینہ کو واپسی

اس کے بعد جب یزید نے ارادہ کیا کہ اہل بیت اطہار کو مدینہ واپس بھیج دیں تو نعمان بن بشیر کو حکم دیا کہ ان کے لیئے ان کے مناسبِ شان ضروریات سفر مہیا کریں اور ان کے ساتھ کسی امانت دار متقی آدمی کو بھیجے۔ اور اس کے ساتھ ایک حفاظتی دستہ فوج کا بھی بھیج دے جو ان کو مدینہ تک بحفاظت پہنچا ئے۔ اور علی بن حسین رضی اللہ عنہ کو رخصت کرنے کے لیئے اپنے پاس بلایا اور کہا کہ اللہ ابن مرجانہ پر لعنت کرے۔ بخدا اگر میں خود اس جگہ ہوتا تو حسین رضی اللہ عنہ جو کچھ کہتے میں قبول کر لیتا۔ اور جہاں تک ممکن ہوتا تو ان کو ہلاکت سے بچاتا۔ اگرچہ مجھے اپنی اولاد کو قربان کرنا پڑتا لیکن جو مقدر تھا وہ ہو گیا۔ صاحبزادے تمہیں کوئی ضرورت ہو مجھے خط لکھنا اور میں نے تمہارے ساتھ جانے والوں کو بھی یہ ہدایت کر دی ہے۔

تنبیہ: یزید کی یہ زود پشیمانی اور بقیہ اہل بیت کے ساتھ بظاہر اکرام کا معاملہ محض

اپنی بدنامی کا داغ مٹانے کیلئے تھا۔ یا حقیقت میں کچھ خدا کا خوف اور آخرت کا خیال آ گیا۔ یہ تو علیم وخبیر ہی جانتا ہے۔ مگر یزید کے اعمال اور کارنامے اس کے بعد بھی سب سیہ کاریوں ہی سے لبریز ہیں۔ مرتے مرتے بھی مکہ مکرمہ پر چڑھائی کے لئے لشکر بھیجے ہیں۔ اسی حال میں مرا ہے۔ عاملہ اللہ بما ہو اہلہ (مؤلف)

اس کے بعد اہل بیت ان لوگوں کی حفاظت میں مدینہ کی طرف روانہ ہوئے ان لوگوں نے راستہ میں اہل بیت کی خدمت بڑی ہمدردی سے کی۔ رات کو ان کی سواریاں اپنے سامنے رکھتے تھے اور جب کسی منزل پر اترتے تو ان سے علیحدہ ہو جاتے اور چاروں طرف پہرہ دیتے تھے اور ہر وقت ان کی ضروریات کو دریافت کر کے پورا کرنے کا اہتمام رکھتے تھے۔ یہاں تک کہ یہ سب حضرات اطمینان کے ساتھ مدینہ پہنچ گئے۔

وطن پہنچ کر حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اپنی بہن زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے کہا کہ اس شخص نے ہم پر احسان کیا ہے کہ سفر میں راحت پہنچائی۔ ہمیں کچھ اس کو صلہ دینا چاہئے۔ زینب رضی اللہ عنہا نے کہا اب ہمارے پاس اپنے زیور کے سوا تو کچھ ہے نہیں۔ دونوں نے اپنے زیوروں میں سے دو کنگن اور دو بازو بند سونے کے نکالے اور ان کے سامنے پیش کئے اور اپنی بے مائگی کا عذر پیش کیا۔ اس شخص نے کہا واللہ اگر میں نے یہ کام دنیا کے لئے کیا ہوتا تو میرے لئے یہ انعام بھی کم نہ تھا۔ لیکن میں نے اپنا فرض ادا کیا ہے۔ جو کہ قرابت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وجہ سے مجھ پر عائد ہوتا ہے۔

آپ کی زوجہ محترمہ کا غم وصدمہ اور انتقال

حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی زوجہ محترمہ رباب بنت امری القیس بھی آپ کے ساتھ اسی سفر میں تھیں۔ اور شام بھیجی گئیں۔ پھر سب کے ساتھ مدینہ پہنچیں۔ تو باقی عمر اسی طرح گزار دی۔ کہ کبھی مکان کے سایہ میں نہ رہتی تھیں۔ کوئی کہتا کہ دوسری شادی کر لو تو جواب دیتی تھیں۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اور کسی کو اپنا خسر بنانیکے لئے تیار نہیں۔ بالآخر ایک سال بعد وفات ہو گئی۔

حضرت حسین رضی اللہ عنہ اوران کے اصحاب کے قتل کی خبریں مدینہ میں پہنچیں تو مدینہ میں کہرام تھا۔ مدینہ کے درو دیوار رو رہے تھے۔ اور جب خاندان اہل بیت کے یہ بقیہ نفوس مدینہ پہنچے تو مدینہ والوں کے زخم از سر نو تازہ ہو گئے۔

عبداللہ بن جعفر کو انکے دو بیٹوں کی تعزیت

جس وقت عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ کو یہ خبر ملی کہ ان کے دو بیٹے بھی حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے ساتھ شہید ہو گئے تو بہت لوگ ان کی تعزیت کو آئے۔ ایک شخص کی زبان سے نکل گیا کہ ہم پر یہ مصیبت حسین رضی اللہ عنہ کی وجہ سے آئی ہے۔ حضرت عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ کو غصہ آ گیا اس کو جوتا پھینک کر مارا کہ کمبخت تو یہ کہتا ہے واللہ اگر میں وہاں ہوتا تو میں بھی ان کے ساتھ قتل کیا جاتا۔ واللہ آج میرے بیٹوں کا قتل ہی میرے لئے تسلی ہے۔ کہ اگر میں حسین رضی اللہ عنہ کی کوئی مدد نہ کر سکا تو میری اولاد نے یہ کام کر دیا۔

واقعہ شہادت کا اثر فضائے آسمانی پر

عام مؤرخین ابن اثیر وغیرہ نے لکھا ہے کہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد دو تین مہینہ تک فضا کی یہ کیفیت رہی کہ جب آفتاب طلوع ہوتا اور دھوپ درو دیوار پر پڑتی تو سرخ ہوتی تھی۔ جیسے دیواروں کو خون لپیٹ دیا گیا ہو۔

شہادت کے وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا گیا

بیہقی نے دلائل میں بسند روایت لکھا ہے کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے ایک رات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا کہ دوپہر کا وقت ہے اور آپ پراگندہ بال پریشان حال ہیں آپ کے ہاتھ میں ایک شیشی ہے جس میں خون ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ میں نے عرض کیا کہ اس میں کیا ہے۔ فرمایا! حسین رضی اللہ عنہ کا خون ہے۔ میں اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش کروں گا۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے اسی وقت لوگوں کو خبر دے دی کہ حسین رضی اللہ عنہ شہید ہو گئے۔ اس خواب سے چند روز کے بعد حضرت حسین کی شہادت کی اطلاع پہنچی اور حساب کیا گیا تو ٹھیک وہی دن اور وہی وقت آپ کی شہادت کا تھا۔

اور ترمذی نے سلمی سے روایت کیا ہے کہ وہ ایک روز ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے پاس گئیں تو دیکھا کہ وہ رو رہی ہیں۔ میں نے سبب پوچھا تو فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں اسطرح دیکھا کہ آپ کے سر مبارک اور ڈاڑھی پر مٹی پڑی ہوئی ہے۔ میں نے پوچھا کہ یہ کیا حال ہے۔ فرمایا کہ میں ابھی حسین رضی اللہ عنہ کے قتل پر موجود تھا۔

ابونعیم نے دلائل میں حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے قتل پر میں نے جنات کو روتے دیکھا ہے۔

حضرت حسینؓ کے بعض حالات وفضائل

آپ ہجرت کے چوتھے سال ۵ شعبان کو مدینہ طیبہ میں رونق افروز عالم ہوئے اور ۱۰ محرم ۶۱ھ میں بعمر ۵۵ سال شہید ہوئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کی تحنیک فرمائی یعنی کھجور چبا کر اس کا رس ان کے منہ میں ڈالا اور کان میں اذان دی اور ان کے لئے دعا فرمائی اور حسین رضی اللہ عنہ نام رکھا ساتویں روز عقیقہ کیا۔ آپ بچپن ہی سے شجاع و دلیر تھے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کے بارہ میں فرمایا

''حسین رضی اللہ عنہ مجھ سے ہے اور میں حسین رضی اللہ عنہ سے یا اللہ جو حسین رضی اللہ عنہ کو محبوب رکھے تو اسے محبوب رکھ''۔

ابن حبان، ابنِ سعد، ابویعلیٰ، ابنِ عساکر ائمہ حدیث نے حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا انہوں نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ آپ نے فرمایا ہے:

من سره ان ينظر الى رجل من اهل الجنةو فى لفظ سيدى شباب اهل الجنة فلينظر الى حسين بن على

''جو چاہے کہ اہل جنت میں سے کسی کو دیکھے یا یہ فرمایا کہ نوجوان اہل جنت کے سردار کو دیکھے وہ حسین رضی اللہ عنہ بن علی رضی اللہ عنہ کو دیکھ لے''۔

ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں تشریف رکھتے تھے فرمایا وہ شوخ لڑکا کہاں ہے۔ یعنی حسین رضی اللہ عنہ، حسین رضی اللہ عنہ آئے۔ آپ کی گود میں

گر پڑے۔ اور آپ کی داڑھی میں انگلیاں ڈالنے لگے۔ آپ نے حسین رضی اللہ عنہ کے منہ پر بوسہ دیا اور فرمایا۔ یا اللہ میں حسین رضی اللہ عنہ سے محبت کرتا ہوں۔ آپ بھی اس سے محبت کریں اور اس شخص سے بھی جو حسین رضی اللہ عنہ سے محبت کرے۔

ایک روز ابن عمر رضی اللہ عنہما کعبہ کے سائے میں بیٹھے ہوئے تھے۔ دیکھا کہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ سامنے سے آرہے ہیں۔ ان کو دیکھ کر فرمایا کہ یہ شخص اس زمانہ میں اہل آسمان کے نزدیک سارے اہل زمین سے زیادہ محبوب ہے۔

حضرت حسین رضی اللہ عنہ نہایت سخی اور لوگوں کی امداد میں اپنی جان و مال پیش کرنے والے تھے اور فرمایا کرتے تھے کہ اللہ کے لئے کسی کی حاجت پوری کرنا میں اپنے ایک مہینہ کے اعتکاف سے بہتر سمجھتا ہوں۔

حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی زریں نصیحت

فرمایا کہ لوگ اپنی حاجات تمہارے پاس لائیں تو ان سے ملول نہ ہو کیونکہ ان کے حوائج تمھاری طرف یہ اللہ تعالیٰ کی نعمتیں ہیں اگر تم ان سے ملول و پریشان ہو گئے تو یہ نعمت مبدل بہ قہر ہو جائے گی۔ (یعنی تمہیں لوگوں کا محتاج کر دیا جائے گا کہ تم ان کے دروازوں پر جاؤ)

حضرت حسین رضی اللہ عنہ ایک روز حرم مکہ میں حجر اسود کو پکڑے ہوئے یہ دعا کر رہے تھے۔

"یا اللہ آپ نے مجھ پر انعام فرمایا مجھے شکر گزار نہ پایا میری آزمائش کی تو مجھے صابر نہ پایا مگر اس پر بھی آپ نے نہ اپنی نعمت مجھ سے سلب کی اور نہ مصیبت کو مجھ پر قائم رہنے دیا۔ یا اللہ کریم سے تو کرم ہی ہوا کرتا ہے۔"

حضرت حسین رضی اللہ عنہ اپنے والد ماجد حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ کوفہ چلے گئے تھے اور ان کے ساتھ جہاد میں شریک رہے اور ان کی صحبت میں رہے۔ یہاں تک کہ وہ شہید کر دیئے گئے۔ اس کے بعد اپنے بھائی حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے ساتھ رہے یہاں تک کہ وہ امارت چھوڑ کر مدینہ چلے آئے تو آپ بھی ان کے ساتھ مدینہ میں آ گئے اور جب تک بیعت یزید کا فتنہ شروع نہیں ہوا مدینہ ہی میں مقیم رہے۔

حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے ساتھ کربلا میں آپ کے اہل بیت کے تینتیس حضرات شہید ہوئے۔ (اسعاف الراغبین)

قاتلان حسین کا عبرتناک انجام

چندیں اماں نداد کہ شب راسحر کند

جس وقت حضرت حسین رضی اللہ عنہ پیاس سے مجبور ہو کر دریائے فرات پر پہنچے اور پانی پینا چاہتے تھے کہ کم بخت حصین بن نمیر نے تیر مارا جو آپ کے دہن مبارک پر لگا اس وقت آپ کی زبان سے بے ساختہ بددعا نکلی کہ:

"یا اللہ رسول اللہ کی بیٹی کے فرزند کے ساتھ جو کچھ کیا جا رہا ہے میں اس کا شکوہ آپ ہی سے کرتا ہوں یا اللہ ان کو چن چن کر قتل کر ان کے ٹکڑے ٹکڑے فرمادے۔ ان میں سے کسی کو باقی نہ چھوڑ۔"

اول تو ایسے مظلوم کی بددعا پھر سبط رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کی قبولیت میں کیا شبہ تھا دعا قبول ہوئی اور آخرت سے پہلے دنیا ہی میں ایک ایک کر کے بری طرح مارے گئے۔

امام زہری فرماتے ہیں کہ جو لوگ قتل حسین میں شریک تھے ان میں سے ایک بھی نہیں بچا جس کو آخرت سے پہلے دنیا میں سزا نہ ملی ہو۔ کوئی قتل کیا گیا۔ کسی کا چہرہ سخت سیاہ ہو گیا یا مسخ ہو گیا۔ یا چند ہی روز میں ملک سلطنت چھن گئے اور ظاہر ہے کہ یہ ان کے اعمال کی اصلی سزا نہیں۔ بلکہ اس کا ایک نمونہ ہے جو لوگوں کی عبرت کے لئے دنیا میں دکھا دیا گیا ہے۔

قاتل حسین رضی اللہ عنہ اندھا ہو گیا

سبط ابن جوزیؒ نے روایت کیا ہے کہ ایک بوڑھا آدمی حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے قتل میں شریک تھا وہ دفعتاً نابینا ہو گیا تو لوگوں نے سبب پوچھا اس نے کہا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا کہ آستین چڑھائے ہوئے ہیں۔ ہاتھ میں تلوار ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے چمڑے کا وہ فرش ہے جس پر کسی کو قتل کیا جاتا ہے اور اس پر قاتلان حسین رضی اللہ عنہ میں سے دس آدمیوں کی لاشیں ذبح کی ہوئی پڑی ہیں۔ اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے ڈانٹا اور خون حسین رضی اللہ عنہ کی ایک سلائی میری آنکھوں میں لگا دی صبح اٹھا تو اندھا تھا۔ (اسعاف)

منہ کالا ہو گیا

نیز ابن جوزی نے نقل کیا ہے کہ جس شخص نے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے سر مبارک کو اپنے

گھوڑے کی گردن میں لٹکایا تھا اس کے بعد اسے دیکھا گیا کہ اس کا منہ کالا تار کول کی طرح ہو گیا ہے لوگوں نے پوچھا کہ تم سارے عرب میں خوش رو آدمی تھے تمہیں کیا ہوا۔ اس نے کہا جس روز سے میں نے یہ سر گھوڑے کی گردن میں لٹکایا جب ذرا سوتا ہوں دو آدمی میرے بازو پکڑتے ہیں اور مجھے ایک دہکتی ہوئی آگ پر لے جاتے ہیں اور اسی حالت میں چند روز کے بعد مر گیا۔

آگ میں جل گیا

نیز ابن جوزی نے سدی سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے ایک شخص کی دعوت کی۔ مجلس میں یہ ذکر چلا کہ حسینؓ کے قتل میں جو بھی شریک ہوا اس کو دنیا میں بھی جلد سزا مل گئی۔ اس شخص نے کہا بالکل غلط ہے میں خود ان کے قتل میں شریک تھا میرا کچھ بھی نہیں بگڑا۔ یہ شخص مجلس سے اٹھ کر گھر گیا جاتے ہی چراغ کی بتی درست کرتے ہوئے اس کے کپڑوں میں آگ لگ گئی اور وہیں جل بھن کر رہ گیا سدی کہتے ہیں کہ میں نے خود اس کو صبح دیکھا تو کوئلہ ہو چکا تھا۔

تیر مارنے والا پیاس سے تڑپ تڑپ کر مر گیا

جس شخص نے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے تیر مارا اور پانی نہیں پینے دیا اس پر اللہ تعالیٰ نے ایسی پیاس مسلط کر دی کہ کسی طرح پیاس بجھتی نہ تھی پانی کتنا ہی پیا جائے پیاس سے تڑپتا رہتا تھا۔ یہاں تک کہ اس کا پیٹ پھٹ گیا اور وہ مر گیا۔

ہلاکت یزید

شہادت حسین رضی اللہ عنہ کے بعد یزید کو بھی ایک دن چین نصیب نہ ہوا۔ تمام اسلامی ممالک میں خون شہداء کا مطالبہ اور بغاوتیں شروع ہو گئیں۔ اس کی زندگی اس کے بعد دو سال آٹھ ماہ اور ایک روایت میں تین سال آٹھ ماہ سے زائد نہیں رہی دنیا میں بھی اس کو اللہ تعالیٰ نے ذلیل کیا اور اسی ذلت کے ساتھ ہلاک ہو گیا۔

کوفہ پر مختار کا تسلط اور تمام قاتلان حسینؓ کی عبرتناک ہلاکت

قاتلان حسین رضی اللہ عنہ پر طرح طرح کی آفات ارضی وسماوی کا ایک سلسلہ تو تھا ہی واقعہ

شہادت سے پانچ ہی سال بعد ۶۶ھ میں مختار نے قاتلان حسین رضی اللہ عنہ سے قصاص لینے کا ارادہ ظاہر کیا۔ تو عام مسلمان اس کے ساتھ ہو گئے اور تھوڑے عرصہ میں اس کو یہ قوت حاصل ہو گئی کہ کوفہ اور عراق پر اس کا تسلط ہو گیا۔ اس نے اعلان عام کر دیا کہ قاتلان حسین کے سوا سب کو امن دیا جاتا ہے۔ اور قاتلان حسینؓ کی تفتیش و تلاش پر پوری قوت خرچ کی اور ایک ایک کو گرفتار کر کے قتل کیا۔ ایک روز میں دو سو اڑتالیس آدمی اس جرم میں قتل کیے گئے وہ قتل حسینؓ میں شریک تھے اس کے بعد خاص لوگوں کی تلاشی و گرفتاری شروع ہوئی۔

عمرو بن حجاج زبیدی پیاس اور گرمی میں بھاگا۔ پیاس کی وجہ سے بیہوش ہو کر گر پڑا۔ ذبح کر دیا گیا۔

شمر ذی الجوشن جو حضرت حسینؓ کے بارے میں سب سے زیادہ شقی اور سخت تھا اس کو قتل کر کے لاش کتوں کے سامنے ڈال دی گئی۔

عبداللہ بن اسید جہنی، مالک بن بشیر بدی، حمل بن مالک کا محاصرہ کر لیا گیا انہوں نے رحم کی درخواست کی مختار نے کہا ظالمو! تم نے سبط رسول پر رحم نہ کھایا تم پر کیسے رحم کیا جائے سب کو قتل کیا گیا اور مالک بن بشیر نے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی ٹوپی اٹھائی تھی اس کے دونوں ہاتھ دونوں پیر قطع کر کے میدان میں ڈال دیا تڑپ تڑپ کر مر گیا۔

عثمان بن خالد اور بشیر بن شمیط نے مسلم بن عقیل کے قتل میں اعانت کی تھی ان کو قتل کر کے جلا دیا گیا۔

عمر بن سعد جو حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے مقابلے پر لشکر کی کمان کر رہا تھا اس کو قتل کر کے اس کا سر مختار کے سامنے لایا گیا۔ اور مختار نے اس کے لڑکے حفص کو پہلے سے اپنے دربار میں بٹھا رکھا تھا جب یہ سر مجلس میں آیا تو مختار نے حفص سے کہا کہ تو جانتا ہے کہ یہ سر کس کا ہے اس نے کہا ہاں اور اس کے بعد مجھے بھی اپنی زندگی پسند نہیں۔ اسکو بھی قتل کر دیا گیا۔ اور مختار نے کہا کہ عمر بن سعد کا قتل تو حسین رضی اللہ عنہ کے بدلہ میں ہے اور حفص کا قتل علی بن حسین رضی اللہ عنہ کے بدلہ میں اور حقیقت یہ ہے کہ پھر بھی برابری نہیں ہوئی۔ اگر میں تین چوتھائی قریش کو بدلہ میں قتل کر دوں تو حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی ایک انگلی کا بھی بدلہ نہیں ہو سکتا۔

حکیم بن طفیل جس نے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے تیر مارا تھا اس کا بدن تیروں سے چھلنی

کر دیا گیا اسی میں ہلاک ہوا۔

زید بن رفاد نے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے بھتیجے مسلم بن عقیل رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے حضرت عبداللہ کے تیر مارا۔ اس نے ہاتھ سے اپنی پیشانی چھپائی تیر پیشانی پر لگا اور ہاتھ پیشانی پر بندھ گیا۔ اول اس پر تیر اور پتھر برسائے گئے پھر زندہ جلا دیا گیا۔

سلام بن انس جس نے سر مبارک کاٹنے کا اقدام کیا تھا کوفہ سے بھاگ گیا۔ اس کا گھر منہدم کر دیا گیا۔

قاتلان حسین رضی اللہ عنہ کا یہ عبرت ناک انجام معلوم کر کے بے ساختہ یہ آیت زبان پر آتی ہے۔

كَذٰلِكَ الْعَذَابُ وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَكْبَرُ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ.

عذاب ایسا ہی ہوتا ہے اور آخرت کا عذاب اس سے بڑا ہے۔ کاش وہ سمجھ لیتے۔

مرقع عبرت

عبدالملک بن عمیر لیثی کا بیان ہے کہ میں نے کوفہ کے قصر امارت حضرت حسین رضی اللہ عنہ کا سر مبارک عبداللہ بن زیاد کے سامنے ایک ڈھال پر رکھا ہوا دیکھا۔ پھر اسی قصر میں عبداللہ بن زیاد کا سر کٹا ہوا مختار کے سامنے دیکھا پھر اسی قصر میں مختار کا سر کٹا ہوا مصعب بن زبیر کے سامنے دیکھا۔ میں نے یہ واقعہ عبدالملک سے ذکر کیا تو اس قصر کو منحوس سمجھ کر یہاں سے منتقل ہو گیا۔ (تاریخ الخلفاء)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو شاید اس فتنے کا علم ہو گیا تھا۔ وہ آخر عمر میں یہ دعا کیا کرتے تھے کہ یا اللہ میں آپ سے پناہ مانگتا ہوں ساٹھویں سال اور نوعمروں کی امارت سے۔ ہجرت کر کے ساٹھویں سال ہی یزید جیسے نوعمر کی خلافت کا قضیہ چلا اور یہ فتنہ پیش آیا اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ.

نتائج و عبرتیں

واقعہ شہادت کی تفصیل آپ نے سنی۔ اس میں ظلم و جور کے طوفان دیکھے۔ ظالموں اور ناخدا ترس لوگوں کا بڑھتا ہوا اقتدار نظر آیا۔ دیکھنے والوں نے یہ محسوس کیا کہ ظلم و جور اور فسق اور فجور ہی کامیاب ہے۔ مگر آنکھ کھلی تو معلوم ہو کہ یہ سب طلسم تھا۔ جو آنکھ جھپکنے میں ختم ہو گیا اور دیکھنے والوں نے آنکھوں سے دیکھ لیا کہ ظلم و جور کو فلاح نہیں۔ ظالم، مظلوم

سے زیادہ اپنی جان پر ظلم کرتا ہے۔

پنداشت ستم گر کہ ستم بر ما کرد   بر گردن دے بماند و بر ما بگذشت

اور یہ کہ جن مظلوموں کو فنا کرنا چاہا تھا۔ وہ درحقیقت آج تک زندہ ہیں۔ اور قیامت تک زندہ رہیں گے۔ گھر گھر میں ان کا ذکر خیر ہے۔ اور صدیاں گذر گئیں۔ کروڑوں انسان ان کے نام پر مرتے ہیں اور ان کے نقش قدم کی پیروی کو پیغام حیات سمجھتے ہیں۔ اِنَّ الْعَاقِبَةَ لِلْمُتَّقِيْنَ

ایک محسوس حقیقت ہو کر سامنے آ گئی کہ حق و باطل کے معرکہ میں آخری فتح و کامیابی حق کی ہوا کرتی ہے۔

اس میں عام لوگوں کے لئے اور بالخصوص ان لوگوں کے لئے جو حکومت واقتدار کے نشہ میں مست ہو کر ظلم وعدل سے قطعِ نظر کر لیں۔ بڑی نشانیاں ہیں۔ فَاعْتَبِرُوْا يَا اُولِی الْاَبْصَارِ

معرکہ حق و باطل میں کسی وقت حق کی آواز دب جائے۔ اہل حق شکست کھا جائیں تو یہ بات ناحق کے حق ہونے کے خلاف ہے۔ نہ باطل کے باطل ہونے کے منافی۔ دیکھنا انجام کار کا ہے کہ آخر میں حق پھر اپنی پوری آب وتاب کے ساتھ کامیاب ہوتا ہے۔

اسوۂ حسینی

آخر میں پھر اس کلام کا اعادہ کرتا ہوں جو اس کتاب کے شروع میں لکھ چکا ہوں کہ حب اہل بیت اطہار جزو ایمان ہیں۔ ان پر وحشیانہ مظالم کی داستان بھلانے کے قابل نہیں۔ حضرت حسین رضی اللہ عنہ اور ان کے رفقاء کی مظلومانہ اور درد انگیز شہادت کا واقعہ جس کے دل میں رنج وغم اور درد پیدا نہ کرے وہ مسلمان کیا انسان بھی نہیں۔ لیکن ان کی سچی اور حقیقی محبت و عظمت اور ان کے مصائب سے حقیقی تاثر یہ نہیں کہ سارے سال خوش وخرم پھریں کبھی ان کا خیال بھی نہ آئے اور صرف عشرہ محرم میں واقعہ شہادت سنکر رولیں۔ یا ماتم برپا کر لیں یا بغیر یہ داری کا کھیل تماشہ بنائیں۔ سارے سال گرمی کی شدت کے زمانہ میں کسی کی پیاس کا خیال نہ آئے۔ اور محرم کی پہلی تاریخ کو اگر چہ سردی پڑ رہی ہو۔ کسی کو ٹھنڈے پانی کی ضرورت نہ ہو۔ شہدائے کربلا کے نام کی سبیل کا ڈھونگ بنایا جاتا ہے۔ بلکہ حقیقی ہمدردی اور محبت یہ ہے کہ جس مقصد عظیم کے لئے انہوں نے یہ قربانی پیش کی۔ ان کے اخلاق و اعمال کی پیروی کو

سعادت دنیا و آخرت سمجھیں۔ وہ مقصد اگر آپ نے اس رسالہ اور اس میں حضرت حسین ؓ کے ارشادات اور خطبات کو بغور پڑھا ہے۔ تو اس کے متعین کرنے میں آپ کو کسی شک و شبہ کی گنجائش نہ ملے گی۔ میں یاددہانی کے لئے پھر آپ کے کچھ کلمات کا اعادہ کرتا ہوں۔

حضرت حسینؓ نے کس مقصد کے لئے قربانی پیش کی

اس رسالہ میں آپ نے حضرت حسین ؓ کا وہ خط پڑھا جو اہل بصرہ کے نام لکھا تھا۔ جس کے چند جملے یہ ہیں۔

”آپ لوگ دیکھ رہے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی سنت مٹ رہی ہے۔ اور بدعات پھیلائی جا رہی ہیں۔ میں تمہیں دعوت دیتا ہوں کہ کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ کی حفاظت کرو اور اس کے احکام کی تنفید کے لئے کوشش کرو“۔ (کامل ابن اثیر ص ۹ ج ۴)

فرزوق شاعر کے جواب میں جو کلمات کوفہ کے راستہ میں آپ نے ارشاد فرمائے۔ اس کے چند جملے رسالہ ھذا کے صفحہ ۵۱ پر یہ ہیں۔

اگر تقدیر الٰہی ہماری مراد کے موافق ہوئی تو ہم اللہ کا شکر کریں گے اور ہم شکر ادا کرنے میں بھی اس کی اعانت طلب کرتے ہیں۔ کہ ادائے شکر کی توفیق دی اور اگر تقدیر الٰہی مراد میں حائل ہوگئی تو اس شخص کا کوئی قصور نہیں۔ جس کی نیت حق کی حمایت ہو اور جس کے دل میں خدا کا خوف ہو۔ (ابن اثیر)

میدان جنگ کے خطبہ کے یہ الفاظ ذرا غور سے پڑھیئے۔ جس میں ظلم و جور کے مقابلہ کے لئے محض اللہ کے لئے کھڑے ہونے کا ذکر ہے۔ صفحہ ۴۶ پر میدان جنگ کا تیسرا خطبہ اور اس کے بعد کے حر بن یزید کے جواب میں ایک صحابی کے اشعار مکرر غور سے پڑھیئے۔ جس کے چند جملے یہ ہیں۔

”موت میں کسی جوان کیلئے عار نہیں۔ جبکہ اس کی نیت خیر اور مسلمان ہو کر جہاد کر رہا ہو“۔

عین میدان کارزار میں صاحبزادہ علی اکبرؒ کی حضرت حسینؓ کا جواب سن کر یہ کہنا کہ ”ابا جان کیا ہم حق پر نہیں۔ آپ نے فرمایا قسم ہے اس ذات کی جس کی طرف سب بندگان خدا کا رجوع ہے۔ بلاشبہ ہم حق پر ہیں“۔ اس کو مکرر پڑھیے۔

اہل بیت کے سامنے آپ کے آخری ارشادات کے یہ جملے پھر پڑھیئے ۔

میں اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتا ہوں ۔ راحت میں بھی اور مصیبت میں بھی ۔ یا اللہ میں آپ کا شکر ادا کرتا ہوں کہ آپ نے ہمیں شرافت نبوت سے نوازا اور ہمیں کان آنکھ اور دل دیئے جس سے ہم آپ کی آیات سمجھے ۔ اور ہمیں آپ نے قرآن سکھایا اور دین کی سمجھ عطا فرمائی ۔ ہمیں آپ اپنے شکر گزار بندوں میں داخل فرمالیجئے ۔

ان خطبات اور کلمات کو سننے پڑھنے کے بعد بھی کیا کسی مسلمان کو یہ شبہ ہو سکتا ہے ۔ کہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کا یہ جہاد اور حیرت انگیز قربانی اپنی حکومت واقتدار کے لئے تھے ۔ بڑے ظالم ہیں وہ لوگ جو اس مقدس ہستی کی عظیم الشان قربانی کو ان کی تصریحات کے خلاف بعض دنیوی عزت واقتدار کی خاطر قرار دیتے ہیں ۔ حقیقت وہی ہے جو شروع میں لکھ چکا ہوں کہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کا سارا جہاد صرف اس لئے تھا کہ :

☆ کتاب وسنت کے قانون کو صحیح طور پر رواج دیں ۔

☆ اسلام کے نظام عدل کو از سر نو قائم کریں ۔

☆ اسلام میں خلافت نبوت کی بجائے ملوکیت وآمریت کی بدعت کا مقابلہ کریں ۔

☆ حق کے مقابلہ میں نہ زور وزر کی نمائش سے مرعوب ہوں اور نہ جان ومال اور اولاد کا خوف اس راستہ میں حائل ہو ۔

ہر خوف وہراس اور مصیبت ومشقت میں ہر وقت اللہ تعالیٰ کو یاد رکھیں اور اسی پر ہر حال میں توکل واعتماد ہو ۔ اور بڑی سے بڑی مصیبت میں بھی اس کے شکر گزار بندے ثابت ہوں ۔

کوئی ہے جو جگر گوشہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم مظلوم کربلا شہید جور وجفا کی اس پکار کو سنے اور ان کے مشن کو ان کے نقش قدم پر انجام دینے کیلئے تیار ہو ۔ ان کے اخلاق حسنہ کی پیروی کو اپنی زندگی کا مقصد ٹھہرائے ۔

یا اللہ ہم سب کو اپنی اور اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم واہل بیت اطہار کی محبت کاملہ اور اتباع کامل نصیب فرمائے ۔ (شہید کربلا بحوالہ دینی دستر خوان)

ارشادات

مفتی اعظم حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ کے
حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت سے متعلق چند ناصحانہ ارشادات

ایک مجلس میں فرمایا..... حضرت امام حسینؓ کے بارے میں اب میں کیا عرض کروں یہ سوال نیا نہیں ہے پرانا ہے۔ سینکڑوں کتابیں لکھی گئی ہیں بڑے اختلاف ہوئے ہیں۔ جنگ و جدال ہوئے ہیں پہلے تو اصول کی بات بتاتا ہوں۔ قرآن اور حدیث سے مسلمان کے لئے جو زندگی کا اصول ثابت ہے۔ کس وقت کیا عمل ہم کو کرنا ہے۔ یہ ہر سمجھدار آدمی معلوم کرنا چاہتا ہے۔ دنیا کی ہر قوم کچھ تقریبات رکھتی ہے اور ان کے منانے کا خاص طریقہ ہوتا ہے۔ اسی طرح ہمارے لئے کیا کرنا ہے۔ اب آپ اور ہم سوچیں تو کوئی کہے گا روزہ زیادہ رکھو۔ کوئی نماز کوئی صدقات کوئی تلاوت۔ اسی طرح ہر شخص کی اپنی رائے علیحدہ ہوگی۔ یہ آپ سوچ لیجئے کہ آپ کو اپنی رائے سے کرنا ہے یا جو قرآن و حدیث سے ثابت ہو وہ کرنا ہے۔ ظاہر ہے کہ نہ انسان کی رائے اور قیاس اس کا ادراک کرسکتا ہے اور نہ اس طریقہ سے کسی فلاح کو پہنچ سکتے ہیں۔ اس لئے ہر شخص اپنے مذہب کی اس میں آڑ لیتا ہے اور لینا چاہئے۔ اس میں کسی کمیٹی بنانے یا ووٹنگ کرنے یا جمہور سے فیصلہ کرانے کی ضرورت نہیں ہے بلکہ قرآن کی آیت میں اس کا حل موجود ہے۔ وہی ہم کو ماننا چاہئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا آپ کے رب کی قسم یہ لوگ کبھی مومن نہ ہوں گے جب تک کہ آپ کو حکم نہ مان لیں۔ اپنے تمام اختلافی اور نزاعی معاملات میں۔ لہٰذا رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم کو ہم یقین کے ساتھ یہ سمجھیں اور عمل کریں کہ یہی ماننے کی چیز ہے پھر صرف حکم ماننا ہی نہیں بلکہ فرمایا پھر جو آپ نے فیصلہ دیدیا وہ گردن جھکا کر مان لیں۔ پھر اپنے دلوں میں کچھ تنگی بھی محسوس نہ کریں تب وہ مسلمان ہوں گے اب ایک ہمارے موجودہ حالات ہیں کہ دل میں اگر کوئی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کو مان بھی لے تو دل میں

یہی کہتا ہے کہ ہے تو سنت کی بات مگر عمل کرنا بڑا دشوار ہے۔ لیکن اللہ پاک فرماتے ہیں کہ جب تک دل سے اس کو مان نہ لے رضامندی کے ساتھ وہ مومن نہ ہوں گے۔

مومن ہونے کی ایک شرط

خلاصہ یہ ہے کہ اس آیت میں مومن کی شرط اللہ پاک نے واضح کر دی۔ جو بھی اختلاف ہے اس میں جب تک آپ کا فیصلہ ٹھنڈے دل سے مان کر عمل نہ کرے۔ اس وقت تک مومن نہیں۔ اسی لئے صحابہ کرام ایسے معاملہ میں جو انہیں پیش آئے صرف یہ دیکھتے تھے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس معاملہ میں کیا کرتے ہیں۔ ایک صحابی نے فرمایا کہ ایک مرتبہ سورج گہن ہوا سب نماز اور دعا کے لئے دوڑے ہوئے مسجد نبوی میں آئے اور دیکھا کہ نماز خسوف ہو رہی ہے اس میں شامل ہو گئے۔

پریشانی اپنی رائے سے ہوتی ہے

غرض اپنی رائے اپنے خیالات نے ہم کو پریشان کر رکھا ہے۔ اگر ہم ہر کام میں یہ دیکھ لیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حال میں کیا کیا اور کس سے بچنے کو فرمایا۔ ایسا کوئی کام زندگی کے کسی شعبہ کا نہیں جو آپ کے زمانہ میں نہ ہوا ہو جہاد بھی ہوا۔ زخم بھی آئے۔ پیدائش، موت، تجارت، معیشت غرض ہر شعبہ کی تعلیم شرع میں موجود ہے۔ مومن کا کام ہے ہر چیز میں پہلے قبلہ درست ہو، رخ کا یقین ہو، تب اس کو اختیار کرے اور عمل کرے اور آپ کی تعلیم قرآن کی ترجمانی ہے اس لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بات ہی پر عمل کرنا چاہئے۔

حضرت حمزہؓ کی شہادت

حضرت حمزہؓ آپ کے چچا شہید ہوئے۔ ابو طالب اور حضرت حمزہؓ دونوں چچا آپ کے خاص شفیق تھے۔ چنانچہ آپ کو ان سے محبت تھی۔ یہی وجہ ہے کہ باوجودیکہ حضرت ابو طالب مسلمان نہ ہوئے لیکن کوئی مسلمان ان کو برا نہیں کہتا۔ چونکہ آپ کو ان سے محبت تھی آپ کو جس وقت طرح طرح کی تکالیف دی جاتی تھیں اس وقت حضرت حمزہ کہیں تیر کمان لے کر جا

رہے تھے کسی نے طعنہ دیا کہ تمہارے بھتیجے پر ظلم ہو رہا ہے تم شکار کو جا رہے ہو۔ بس اسی وقت دل پلٹ گیا اور مسلمان ہو گئے یہ وقت حضور کی امداد کے لئے مسلمان ہونے کا آپ کو بے حد پسند آیا اور مسلمانوں کو تقویت حاصل ہوئی۔ اس وقت سے یہ مجال کسی کی نہ ہوئی کہ کوئی بری حرکتیں کرتا۔ غرض حضرت حمزہؓ جب شہید ہوئے تو سخت صدمہ پہنچا چونکہ ایک تو ایسا نازک وقت پھر ایسی بے رحمی اور ظلم سے شہید ہوئے۔ غرض ایک محبوب عزیز کی شہادت کا واقعہ اور جو آپ نے ان کی شہادت کے موقع پر عمل کیا وہ ہم سب کے لئے نمونہ ہے۔

سید الشہداء اور صحابہ رضی اللہ عنہم کا عمل

جب غزوۂ احد کا مہینہ ہر سال حضور کے سامنے آتا تھا کیا کوئی شہادت نامہ حضرت حمزہؓ کا پڑھا جاتا تھا یا آپ یا آپ کے صحابہ یا اہل بیت اس کی یادگار اس طرح مناتے تھے۔ امام حسین کو ہم سید الشہداء کہتے ہیں ہمارا کہنا آپ کا کہنا اور ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حمزہؓ کو سید الشہداء کا خطاب دیدیا۔ اب یہ خطاب آپ کا دیا ہوا ہے۔ ہاں تعظیماً ہم سید الشہداء حضرت حسین کو کہہ لیں تو کوئی گناہ نہیں۔ مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سید الشہداء کا خطاب حضرت حمزہ کو دیدیا۔

اب دیکھنا یہ ہے کہ آپ نے آپ کے عشاق نے' آپ کے صحابہ نے' آپ کے پیروؤں نے حضرت حمزہؓ کی یادگار کس طرح منائی۔ آج تک تاریخ میں کوئی ایسا واقعہ نہیں' جس سے اہتمام ہو کسی ماتم کا' کسی مجلس کا' حالانکہ ان کی محبت اور ایثار نے تمام صحابہ کرام کے دلوں میں کیا جگہ پیدا رکھی تھی۔

شہادت حسین کی مثال

اب رہا یہ سوال کہ جو سوال مجھ سے کیا گیا ہے کہ حضرت حسین کے متعلق کچھ کہوں تو طبیعت نہیں چاہتی کہ جن مذاکرات اور مجالس کی ہم نفی خود کریں اسی ذکر شہادت کو آج کے روز خود کرنے بیٹھ جائیں۔ دوسرے یہ کہ اس دریافت میں کہ کس نے مارا' کیوں شہید کیا؟ کیا چیز ہے اس کرید میں کچھ بہتری نہیں ہے۔ صحابہ کرام آپس میں لڑے تلوار بھی چلی۔ لیکن

اس کی مثال یہ ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کو غصہ آیا ہارون علیہ السلام پر۔ انہوں نے داڑھی پکڑ کر کھینچی قرآن میں یہ واقعہ موجود ہے انہوں نے کہا میری بات تو سن لیں، پھر عذر پیش کیا۔ اب کسی پیغمبر کی ادنیٰ درجہ کی توہین کفر ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے داڑھی کھینچی ان کو کیا کہو گے؟ اگر تم ہارون علیہ السلام کی داڑھی کا بے ادبی سے تذکرہ بھی کرو گے تو جہنم میں جاؤ گے۔

شہادت حسینؓ کے تاریخی حالات مخدوش ہیں

حضرت علیؓ حضرت معاویہؓ میں جنگ ہوئی۔ یہ باپ اور چچا کی لڑائی ہے۔ اولاد کا کام یہ نہیں کہ اس میں اپنا دماغ الجھائے۔ ایک سبق یاد رکھو کہ قرآن نے صحابہ کرام کی شان میں فرمادیا ہے کہ اللہ ان سے راضی ہے اور وہ اللہ سے راضی ہیں۔ جن سے اللہ راضی ہے تم ان سے ناراض ہونے کا کونسا جواز لاتے ہو۔ تم کو کیا حق ہے ان سے ناراض ہونے کا ان کے معاملہ میں دخل دے کر اپنے ایمان کو خطرہ میں ڈالنا اور قلب کو روگ لگانا ہے۔ یہ شہادت نامے اور تاریخیں سب مخدوش ہیں۔ ان سب میں آمیزش ہے۔ اس سے قلب پریشان ہوگا اور ہاتھ کچھ نہ آئے گا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمادیا ہے کہ میرے ساتھی، میرے صحابی ستاروں کی طرح ہیں۔ فرمایا جو ان سے بغض رکھے وہ مجھ سے بغض رکھے گا۔ جو ان سے محبت رکھے گا مجھ سے محبت کرے گا۔ پس اگر ان تاریخی واقعات میں دیکھ کر ہمارے دل میں اگر کوئی ذرا سا تکدر بھی آ گیا تو ہمارا ایمان خطرہ میں پڑ جائے گا حضرت معاویہؓ سے بغض رکھنے والا ایسا ہے جیسا کہ حضرت علیؓ سے۔ اس لئے ان تاریخوں کو پڑھنے سے منع کیا گیا ہے یہ تاریخیں مدون ہیں۔ مورخین سے اس میں سازش بھی ہو سکتی ہے اس میں جذبات کا اظہار بھی ہو سکتا ہے کوئی یہ حدیثیں تو نہیں ہیں جو ان پر بھروسہ کیا جائے۔

شکر کرو کہ احادیث ابھی تک ملوث نہیں۔ ان تمام لکھنے والوں سے۔ ورنہ آج صحیح دین ہمارے پاس تک نہ پہنچتا۔ دوسرے یہ کہ کوئی مجبوری ہم پر نہیں کہ ہم فیصلہ کریں۔ حضرت معاویہؓ اور حضرت علیؓ کا۔ یزید اور حسین کا ہم سے قیامت کے دن یہ سوال نہ ہوگا کہ تم ان سے کس کو حق پر سمجھتے ہو۔ آپ کو ان کی تفصیل کی ضرورت نہیں اپنا دین سنبھال کر رکھے۔

قبر میں یہ سوال آپ سے منکر نکیر نہیں پوچھیں گے وہاں جو پوچھا جائے گا ان سوالوں کے جواب میں تم تیار کرلو۔ جن کا دارومدار تمہاری جنت اور دوزخ کے جانے میں ہے۔

حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے فرمایا کہ خدا کا شکر ہے کہ ہماری تلواریں کسی صحابی کے خون سے نہیں رنگیں، اب تم یہ سوال کرکے ہماری زبانیں ان کے خون سے رنگنا چاہتے ہو۔

حضرت حسینؓ کا مختصر واقعہ

اب اجمالی طور پر واقعہ سمجھ میں آجائے اس لئے عرض ہے کہ حضرت حسین کو تمام صحابہ کرام نے مکہ میں روکا یعنی سارے صحابہ کرام جو اس وقت موجود تھے سب نے روکا اور آپ نہیں رکے۔ اس سے کچھ کم فہموں نے اپنا غلط خیال قائم کرلیا کہ آپ حکومت حاصل کرنے گئے حالانکہ یہ غلط تھا۔ ایک واقعہ ہے کہ راستہ میں آپ کو جب ایک شخص نے روک کر سمجھایا تو آپ نے ایک تھیلہ الٹ کر سارے خطوط جو تقریباً ۹ سو تھے دکھائے کہ کوفہ سے لوگوں نے آنے پر مجبور کیا ہے اور سارے عوام نے اپنی جانبازی کا یقین دلایا ہے چونکہ باطل کے مقابلہ میں صرف آپ ہی آسکتے تھے کہ اہل بیت ہیں دیگر صحابہ سے وہ کام نہ ہوگا۔ اس سے مقصود بلاشبہ آپ کا اعلاء کلمۃ الحق تھا اور دین کی حفاظت تھی۔ صحابہ کرام نے اس وجہ سے روکا تھا کہ یہ لوگ جھوٹے ہیں۔ آپ کو دھوکہ دیں گے اور وہی ہوا لیکن حضرت حسینؓ پر کوئی شبہ کرنا قطعی حرام ہے البتہ وہاں جاکر آپ نے ان کی بے وفائی دیکھ کر لوٹنا چاہا تو پھر یزید نے واپسی کا موقع نہ دیا۔

بہر حال! یہ واقعہ ہونا تھا اور ہوا لیکن عوام کا یہ کام نہیں کہ اس میں اپنی جان کھپائیں۔

(مجالس مفتی اعظم)

تحریم المحرم

حکیم الامت مجدد الملت

حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانوی نور اللہ مرقدہٗ

کا ایک مختصر وعظ جس میں محرم الحرام کے متعلق
مختلف موضوعات پر روشنی ڈالی گئی ہے

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

زمانہ فضیلت

آج ۸ محرم ہے۔ کل نو پرسوں دس ہوگی کل اور پرسوں بجز روزہ کے اور کوئی عمل مسنون نہیں اور کسی عمل کا جوفی زمانہ رائج ہیں کوئی ثواب اور اجر نہیں۔ البتہ حدیث میں نویں[1] دسویں کے روزوں کی فضیلت آئی ہے کہ اس سے سال بھر کے گناہ معاف ہوتے ہیں لہٰذا اس طرح سے یہ زمانہ فضیلت کا ہے اور اس زمانہ میں فضیلت خاصہ روزہ کی ثابت ہوئی ہے باقی اور کسی عمل کی فضیلت نہیں ثابت ہوئی اور اتفاق سے دن بھی ٹھنڈے اور چھوٹے ہو گئے تو ایسے موقع کو غنیمت جان کر جانے نہ دیجئے۔ مگر روزہ کے متعلق فقہا نے لکھا ہے کہ ایک دن کا یعنی صرف عاشورہ کا روزہ رکھنا مکروہ ہے۔ پہلے یہ جزئیہ میری نظر سے نہیں گزرا تھا۔ اس لئے میں محرم کے ایک روزہ کو مکروہ نہیں کہتا تھا۔ اب چونکہ یہ جزئیہ میری نظر سے گزرا تھا۔ اس لئے میں محرم کے ایک روزہ کو مکروہ کہتا ہوں۔ اب چونکہ یہ جزئیہ میری نظر سے گزرا ہے اس لئے میں اپنے قول سے رجوع کرتا ہوں اور محرم کے صرف ایک روزہ رکھنے کو مکروہ کہتا ہوں۔

باقی یہ جو مشہور ہے کہ ایک روزہ رکھنا مطلقاً مکروہ ہے سو یہ شہرت خلاف اصل ہے۔ ایک روزہ رکھنا مطلقاً مکروہ نہیں۔ اس کراہت میں صرف عاشوراء کی تخصیص ہے۔ تمام زمانوں کو عام نہیں۔ یہ تو روزہ کے متعلق تحقیق تھی۔

تکثیر جماعت کا اثر

دوسری بات یہ سمجھئے کہ جس زمانہ میں طاعت کی فضیلت زیادہ ہوتی ہے اس زمانہ میں معصیت کی عقوبت بھی سخت ہوتی ہے۔ اس لئے اس زمانہ میں بدعات وغیرہ سے سخت احتراز لازم ہے۔ مثلاً بعض لوگ اس زمانہ میں تعزیہ کی رسمیں کرتے ہیں جو بے اصل ہیں۔

[1] دسویں محرم کا روزہ تو حدیث فعلی سے ثابت ہے کہ حضورؐ نے رکھا ہے اور نویں کا حدیث قولی سے کہ اگر میں آئندہ سال زندہ رہا تو نویں کا روزہ رکھوں گا۔ (اشفاق)

اور بعضے لوگ جو ذرا مہذب ہیں وہ اس سے تو بچتے ہیں مگر مجالس میں جو کہ اس زمانہ میں ہوتی ہیں شرکت کرتے ہیں۔ میں اس وقت ان لوگوں کو نہیں کہتا جن کے مشرب اور مذہب میں یہ مجالس محبوب ہیں میرا خطاب صرف اہل سنت والجماعت سے ہے۔ اور گو اس شرکت میں اہل سنت والجماعت کے عقائد تو عام طور سے وہ نہیں ہوتے جو شیعہ کے ہوتے ہیں بلکہ کوئی تماشہ کی نیت سے چلا جاتا ہے کسی کو وہ لوگ خود بلاتے ہیں۔ اس لئے مروت سے چلا جاتا ہے بعضوں کی اور خاص غرضیں بھی ہوتی ہیں۔ مگر سب صاحب خوب سن لیں حدیث میں صاف موجود ہے۔ من کثر سواد قوم فھو منھم

کہ جس نے کسی قوم کی جماعت کو زیادہ کیا (خواہ عقیدۃً اسے برا سمجھتا ہو) قیامت کے دن وہ انہی کے ساتھ ہوگا۔

اس پر مجھے ایک بزرگ کی حکایت یاد آئی کہ ہولی کا زمانہ تھا سب جانوروں پر رنگ لگا ہوا تھا۔ وہ بزرگ جا رہے تھے۔ دیکھا کہ ایک گدھا بیٹھا ہے اور اس پر رنگ نہیں ہے اور بیچارے گدھے پر کون رنگ لگاتا۔ دیکھ ان بزرگ نے مزاحاً فرمایا کہ تو ہی خالی ہے۔ تجھے کسی نے نہیں رنگا یہ کہہ کر پان کھا رہے تھے پیک اس پر تھوک دی کہ لا تجھے میں رنگ دوں بعد مرنے کے عذاب میں گرفتار ہوئے اور اس کی پوچھ ہوئی کہ تم ہولی کھیلے تھے تو کسی جماعت کی تکثیر کرنا اور اس کی زیادتی کرنا سرسری بات نہیں ہے اور پکڑ سے خالی نہیں۔

غرض تکثیر جماعت خواہ استہزاء ہو یا بطور تماشہ یا دل جوئی وغیرہ کے ہو غرض کسی صورت سے ہو ہر صورت میں بروئے قانون قیامت کے دن پوچھ ہوگی اور قیامت میں انہی کے ساتھ حشر ہوگا اس لئے نہ خود مجلس کرنا جائز ہے نہ کسی کی مجلس میں جانا جائز ہے۔

بعض لوگ یہ کرتے ہیں کہ ان ایام میں امام حسینؓ کی شہادت کا قصہ کوئی کتاب لے کر پڑھتے ہیں اور دوسروں کو سناتے ہیں یہ فعل بھی تخصیصاً ان ایام میں کرنا جائز نہیں اس لئے کہ شریعت میں غور اور تدبر کرنے سے شریعت کا مقصود واقعات مصیبت میں ازالہ غم اور رفع غم معلوم ہوتا ہے اور یہ قصہ پڑھ کر اور سن کر یا سنا کر غم کا تازہ کرنا مقصود ہے تو یہ اچھا خاصا شریعت کا مقابلہ ہے اسی قسم کی باتوں کی جس کی شریعت میں کچھ اصل نہ ہو بدعت کہتے ہیں شیخ سعدیؒ فرماتے ہیں۔ ؎

ولیکن میفزائے بر مصطفےٰ حضور ﷺ کی بات پر کچھ مت بڑھا۔

اختراع فی الدین

تو ان ایام میں شہادت نامہ کا پڑھنا بھی ایک فضول رسم ہے۔ غرض ان ایام میں ان دونوں کی تخصیص سے ایصال ثواب کوئی زیادتی اجر ہے بلکہ اس خیال کے ہوتے ہوئے اس کے بدعت ہونے میں کلام ہی نہیں اور کوئی صاحب خلاصہ نکال کر مجھ پر یہ الزام نہ لگادیں کہ میں ایصال ثواب کو روکتا ہوں ہرگز نہیں البتہ اتنا ضرور کہتا ہوں کہ عاشورہ کی تخصیص کر کے ایصال ثواب کرنا اور یہ خیال کرنا کہ آج زیادہ ملے گا ضرور بے اصل اور اختراع فی الدین ہے۔ الغرض اس دن میں کوئی ایسا عمل جس پر اجر ملے بجز روزہ کے ثابت نہیں ہوا۔

زیادت فی الدین

البتہ صرف دنیاوی برکت کے بارہ میں ایک اور عمل حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اور وہ بھی بروایت ضعیف ثابت منقول ہے جس کا ضعف من جبر بھی ہوسکتا ہے۔ حدیث میں ہے:

من وسع علیٰ عیاله واهله یوم عاشوراء وسع الله علیه سائر سنته.

کہ جس نے عاشوراء کے دن اپنے اہل وعیال پر فراخی کی تو حق تعالیٰ اس پر تمام سال فراخی رکھیں گے۔

تو صرف دنیاوی برکت کے واسطے یہ عمل حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک درجہ میں ثابت ہوا اور اگر اس سے ایصال ثواب کی کوئی اصل نکالے تو وہ بھی نہیں بنتی کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف اہل وعیال پر وسعت کرنے کو فرمایا ہے لینے دینے کو نہیں فرمایا۔ تو اس دن میں تخصیصاً کچھ دینا زیادت فی الدین ہے اور یہ ضروری نہیں کہ جو کام اطلاق کے ساتھ اچھا ہو وہ تقید کے ساتھ بھی اچھا ہو مثلاً محض خدا واسطے دینا تو، ہر زمانہ میں اچھا ہے اور بعض زمانہ میں اچھا ہے اور بعض زمانہ میں خصوصیت سے اور اچھا ہے جہاں دلیل ہو مگر عاشوراء کے دن خصوصیت کے ساتھ کسی دلیل سے ثابت نہیں۔

پس اس دن میں ایصال ثواب کی تخصیص کرنا ایسا ہی ہے جیسے کوئی شخص بجائے چار رکعت کے پانچ رکعت پڑھے۔ تو ہر شخص اس کا ممنوع ہونا تسلیم کرتا ہے تو نماز باوجود یہ کہ اچھی چیز ہے مگر پانچ رکعت پڑھنا زیادت فی الدین ہے اس وجہ سے ہر شخص اس کو برا سمجھتا

ہے تو ایسے ہی خاص محرم کے دن ایصال ثواب کی تخصیص مکروہ ہے۔ اسی طرح کھچڑا وغیرہ پکانا بھی از قبیل التزام مالا یلزم ہے۔

غرض سوائے دو عمل کے ایک دنیوی ہے یعنی وسعت عیال پر اور ایک اخروی ہے یعنی نویں دسویں کا روزہ باقی اور کوئی عمل ثابت نہیں تو فضول اپنے نفس پر کسی قسم کا بار ڈالنا اور اپنے کو خلجان میں ڈالنا ہے لہٰذا ان امور سے اجتناب ضروری ہے اور وسعت عیال کو دنیاوی برکت کا عمل میں نے اس واسطے کہا کہ اس پر وسع اللہ علیہ کو مرتب فرمایا جس سے ظاہر ہے کہ دنیاوی برکت ہوگی۔ اخروی برکت یعنی ثواب وغیرہ کا ذکر نہیں۔

یوم عاشوراء کی فضیلت

بعض لوگوں کا یہ خیال ہے بلکہ اکثر عوام کا یہی خیال ہے کہ عاشوراء کے دن کی فضیلت بوجہ شہادت امام حسینؓ ہے تو یہ خیال بالکل غلط ہے عاشوراء کے دن کی فضیلت اس وجہ سے نہیں بلکہ عاشوراء کا دن پیشتر سے شرائع سابقہ میں افضل ہے جیسے روایات سے معلوم ہوتا ہے پھر شریعت محمدیہ مقدسہ میں بھی اس کی فضیلت وارد ہے جب کہ اس شہادت کا وقوع بھی نہ ہوا تھا سو اس کی فضیلت اس شہادت سے نہیں بلکہ خود یہ شہادت اس یوم میں اس لئے واقع ہوئی کہ یہ فضیلت کا دن تھا اس لئے اللہ تعالیٰ نے اس مقدس دن کو اپنے مقبول بندہ حضرت امام حسینؓ کی شہادت کے واسطے منتخب فرمایا غرض اس دن کو حضرت امام حسینؓ کے قصہ سے کوئی فضیلت نہیں ہوئی بلکہ خود حضرت امام حسینؓ کو اس دن میں شہید ہونے سے فضیلت ہوئی۔

(خطبات حکیم الامت ج ۹)

عظمت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ

پر وعظ حکیم الامت تھانوی رحمہ اللہ

کانپور کے قیام کے زمانہ میں جب حضرت (رحمہ اللہ تعالیٰ) نے یہ دیکھا کہ عشرۂ محرم میں اہل السنۃ والجماعۃ بھی اہل تشیع کی مجالس عزا کو رونق دیتے ہیں تو حضرت حکیم الامت (رحمہ اللہ تعالیٰ) نے ان کی عادت کی نبض دیکھ کر اس کا یوں علاج کیا کہ آپ (رحمہ اللہ تعالیٰ) نے بھی اول عشرۂ محرم میں روزانہ بالترتیب سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدین کے واقعاتِ وفات بیان کرنا شروع کردیئے تاکہ مشاہیر اسلام کے واقعات سننے کی عادت بھی نہ چھوٹے اور اہل عزا کے ساتھ تشبہ بھی نہ رہے۔ مجدد کا بس یہی کام ہوتا ہے کہ وہ اپنی بصیرت اور فراست سے لوگوں کی فطرت معلوم کرکے ان کی عادت نہیں بدلتا، ہیئت بدل دیتا ہے۔ حضرت کی مجلس کا رنگ ایسا نکھرا کہ اب ادھر مجمع ہونا شروع ہوگیا۔ صرف سنی ہی نہیں، شیعہ بھی بکثرت حضرت کی مجلس میں آنے لگے۔ جس سے ان کی اپنی مجلسیں پھیکی پڑگئیں۔ اب جو حضرت کا بیان شروع ہوا تو انہوں نے اول تینوں خلفائے عظام کے واقعات کچھ کچھ اس انداز سے پیش کئے کہ اہل تشیع حضرات کے ساتھ سب رو رہے تھے اور شہادت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس خوبی کے ساتھ بیان کی کہ ہائے ہائے کرنے والے واہ واہ کرنے لگے اور اتنے دردبھرے واقعہ پر کسی کی آنکھ سے ایک آنسو نہ نکلا حالانکہ اس میں شعیہ بکثرت موجود تھے۔ حضرت کے ان کارناموں پر لوگوں کو صرف حیرت ہی نہ ہوئی بلکہ عظمتِ حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا انہیں پہلی بار احساس ہوا۔

(شان صحابہ)

خونِ شہیداں

رنگ بھرا افسانۂ ہستی گلشن نکہت نور کی بستی
کیف کی دنیا عالم ہستی حسن کی سرخی عشق کا عنواں
خونِ شہیداں خونِ شہیداں

راہیں اس سے روشن روشن اس کی کرنیں روزن روزن
اس کا تبسم گلشن گلشن قطرہ قطرہ خنداں خنداں
خونِ شہیداں خونِ شہیداں

آئینۂ انوارِ وفا ہے راہ نگر ہے راہنما ہے
بانگِ جرس آواز درا ہے اس کی منزل منزلِ جاناں
خونِ شہیداں خونِ شہیداں

خوف کہاں کا کیسا ڈرنا کھیل ہے اس کا جاں سے گزرنا
عشق ہی جینا عشق ہی مرنا چشم وچراغِ عالمِ امکاں
خونِ شہیداں خونِ شہیداں

جوش وحرارت عزم ویقیں ہے زندہ نشانِ فتحِ مبیں ہے
کتنا دلکش کیسا حسیں ہے جیسے دلِ محبوب کا ارماں
خونِ شہیداں خونِ شہیداں

منزل کی تصویر دکھا دی صحرا صحرا وادی وادی
اس نے لگن کی شمع جلا دی ساحل ساحل طوفاں طوفاں
خونِ شہیداں خونِ شہیداں

(مولانا ناز کی کیفی رحمہ اللہ)

شہادت

سیدنا حسین رضی اللہ عنہ

مفسر قرآن ولی کامل

حضرت مولانا احمد علی لاہوری رحمہ اللہ

کا ایک علمی خطبہ جو سانحہ کربلا کے بارہ میں مستند معلومات
سے مزین... مخالفین کی کتب کے حوالہ سے تعزیہ داری
ماتم ونوحہ۔ ماتم کی تاریخ اور ماتمی سیاہ لباس کا شرعی جائزہ

شہادت سیدنا حسین رضی اللہ عنہ

(حضرت مولانا احمد علی لاہوری رحمہ اللہ کی ایک علمی تقریر)

قال اللہ تعالیٰ فی القرآن المجید والفرقان الحمید فاعوذ باللہ من الشیطان الرجیم بسم اللہ الرحمن الرحیم

وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ یُّقْتَلُ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ اَمْوَاتٌ ط بَلْ اَحْیَآءٌ وَّلٰکِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ

اور جو خدا کی راہ میں مارے جائیں انہیں مردہ نہ کہو بلکہ وہ زندہ ہیں ہاں تمہیں خبر نہیں۔

حضرات! آج ماہ محرم الحرام کی مناسبت سے میں ''شہادت حسینؓ'' کے زیر عنوان کچھ کہنا چاہتا ہوں۔

ہم اہل السنّت والجماعت تمام اہل بیت رضوان اللہ علیہم اجمعین کی ویسی ہی عزت کرتے ہیں اور ان سے سچی عقیدت اور محبت رکھتے ہیں جس طرح شیعہ صاحبان ان کے مداح اور ان کی محبت کے دعویدار ہیں چنانچہ عقیدہ اہل السنّت میں امام حسینؓ کے مناقب کا نمونہ ملاحظہ ہو۔

حضرت سعد بن ابی وقاص سے روایت ہے جب یہ آیت نازل ہوئی ندع ابناء نا و ابناء کم تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے علیؓ اور فاطمہؓ اور حسنؓ اور حسینؓ کو بلایا اور فرمایا اے اللہ میرے اہل بیت یہ لوگ ہیں۔ (مسلم)

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ حسنؓ بن علیؓ سے بڑھ کر کوئی شخص زیادہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مشابہ نہیں تھا۔ اور حسینؓ کے متعلق بھی فرمایا کہ وہ بھی سب سے بڑھ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مشابہ تھے۔ (بخاری شریف)

حضرت زید بن ارقم سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص علیؓ اور فاطمہؓ اور حسنؓ اور حسینؓ سے لڑے گا میری ان سے لڑائی ہے۔ اور جو ان سے صلح کرے گا میری اس سے صلح ہے۔ (ترمذی)

یہ مناقب مشتے نمونہ از خروارے کی حیثیت رکھتے ہیں اگر سب جمع کیے جائیں تو ایک ضخیم کتاب مرتب ہو سکتی ہے۔

جس طرح ان مناقب سے اہل السنۃ والجماعۃ اتفاق رکھتے ہیں اسی طرح اس اندوہناک' دردناک داستان ظلم وستم یعنی حادثہ شہادت سیدنا حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بھی سنیوں کا اتفاق ہے۔ چنانچہ احباب کی اطلاع کے لئے اس کا ذکر کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے۔

واقعات متعلقہ کربلا کی تمہید

حضرت امیر معاویہؓ کی زندگی میں ان کا بیٹا یزید ولی عہد مقرر ہو چکا تھا۔ چنانچہ امیر معاویہؓ کی وفات کے بعد یزید نے اپنی خلافت کا اعلان کر دیا۔ یہ واقعہ ماہ رجب ۶۰ھ دمشق میں ہوا۔ یزید نے تمام ملکوں میں اپنے حکام کی طرف فرمان بھیجا کہ میرے حق میں لوگوں سے بیعت کی جائے۔ اسی ضمن میں اس نے مدینہ منورہ کے حاکم ولید بن عقبہ کو لکھا کہ حضرت حسینؓ سے یزید کے حق میں بیعت لی جائے سیدنا حسینؓ نے بیعت نہیں کی کیونکہ یزید فاسق' شرابی اور ظالم تھا۔ اس کے بعد حضرت حسینؓ ۴ شعبان ۶۰ھ کو مکہ معظمہ روانہ ہو گئے اور مکہ معظمہ میں جا کر قیام فرمایا۔

اہل کوفہ کی طرف سے دعوت

حضرت علیؓ نے چونکہ کوفہ کو اپنا دارالخلافہ بنایا ہوا تھا اس لئے وہاں اہل بیت کے طرفداروں کی تعداد زیادہ تھی انہوں نے حضرت حسینؓ کو تقریباً ڈیڑھ سو خطوط لکھے کہ آپ کوفہ تشریف لے آیئے۔ ہماری جان اور مال آپ کی مدد کے لئے حاضر ہے۔ امام ممدوح نے اپنے چچیرے بھائی مسلم بن عقیل کو اہل کوفہ سے بیعت لینے کے لئے بھیج دیا۔

مسلم بن عقیل کا کوفہ میں قیام اور بیعت لینا

جب مسلم بن عقیل کوفہ میں پہنچے تو مختار بن عبید کے مکان پر ٹھہرے اور حضرت حسینؓ کے لئے بارہ ہزار سے بھی زیادہ آدمیوں نے اس کے ہاتھ پر بیعت کی۔ جب نعمان بن بشیر صحابی جو حاکم کوفہ تھے انہیں اس کا علم ہوا تو انہوں نے لوگوں کو ڈانٹا۔ فقط ڈانٹنے پر ہی اکتفا کی۔ اس سے زیادہ کسی کو کچھ نہ کہا مسلم بن یزید حضرمی اور عمارہ بن الولید بن عقبہ نے

یزید کو اس واقعہ کی اطلاع دی اس پر یزید نے نعمان بن بشیر صحابی کو معزول کر دیا اور ان کی جگہ عبیداللہ بن زیاد بصرہ کے حاکم کو معین کر دیا۔

عبیداللہ بن زیاد کا حاکم کوفہ ہو کر آنا

عبیداللہ بن زیاد بصرہ سے کوفہ آیا اور رات کے وقت اہل حجاز کے لباس میں کوفہ میں داخل ہوا تا کہ لوگ دھوکے سے یہ سمجھیں کہ حضرت حسینؓ تشریف لے آئے ہیں۔ لوگوں نے امام موصوف کا خیال کر کے اس کا استقبال کیا اس کے آگے آگے یہ کہتے ہوئے جا رہے تھے اے رسول اللہ کے بیٹے تمہیں مرحبا ہو۔ عبیداللہ بن زیاد نے کوئی جواب نہیں دیا۔ یہاں تک کہ سرکاری مکان میں داخل ہو گیا۔ صبح لوگوں کو اکٹھا کیا اور اپنی حکومت کی سند پڑھ کر سنائی انہیں دھمکی دی اور یزید کی مخالفت سے ڈرایا اور مسلم بن عقیل کی جماعت میں پھوٹ ڈالنے کی کوشش کی۔ مسلم بن عقیل ہانی بن عروہ کے مکان میں چھپ گئے۔ عبیداللہ بن زیاد نے محمد بن اشعث کو فوج دے کر ہانی بن عروہ کے مکان پر بھیجا۔ ہانی بن عروہ اور اہل کوفہ کے تمام سرداروں کو گرفتار کرا لیا مسلم بن عقیل کو جب یہ اطلاع پہنچی تو انہوں نے بھی اپنے خیر خواہوں کو جمع کیا۔ ان کے ساتھ چالیس ہزار آدمی جمع ہو گئے۔ انہوں نے عبیداللہ بن زیاد کے محل کا محاصرہ کر لیا۔ عبیداللہ بن زیاد نے ان قیدی سرداروں سے کہا کہ تم اپنے آدمیوں کو سمجھا دو کہ وہ مسلم بن عقیل کی رفاقت سے باز آ جائیں ان لوگوں کے سمجھانے سے چالیس ہزار میں سے فقط پانچ سو آدمی مسلم بن عقیل کے پاس رہے باقی سب بھاگ گئے حتیٰ کہ مسلم بن عقیل تنہا رہ گئے اب وہ متحیر ہوئے کہ کیا کریں ایک عورت کے گھر میں آئے اس سے پینے کے لئے پانی مانگا۔ اس نے پلایا اور اپنے گھر میں انہیں ٹھہرا لیا۔ اس بڑھیا کا بیٹا محمد بن اشعث (جس کا پہلے ذکر آ چکا ہے جس نے کوفہ کے آدمیوں کو قید کیا تھا) کا دوست تھا اس نے جا کر اشعث سے کہہ دیا اس نے عبیداللہ بن زیاد کو اطلاع دے دی۔ عبیداللہ بن زیاد نے عمرو بن حریث کوتوال شہر اور محمد بن اشعث کو بھیجا۔ انہوں نے آ کر اس بڑھیا کے گھر کا محاصرہ کر لیا۔ محمد بن مسلم تلوار سونت کر لڑائی کے لئے نکلے۔ محمد بن اشعث نے انہیں امان دے دی اور عبیداللہ بن

زیاد کے پاس گرفتار کر کے لے آئے۔ عبیداللہ بن زیادہ نے انہیں قتل کردیا اور ہانی (جس نے مسلم بن عقیل کو پناہ دی تھی) کو سولی پر چڑھا دیا۔ یہ واقعہ ۳ ذی الحجہ ۶۰ھ کا ہے۔ اسی کے ساتھ ہی عبیداللہ بن زیاد نے مسلم بن عقیل کے دونوں بیٹے (محمد اور ابراہیم) بھی قتل کردئے اور اسی تاریخ کو امام حسینؓ مکہ معظمہ سے کوفہ کی طرف روانہ ہوئے تھے۔

عبداللہ بن عباسؓ کا کوفہ جانے سے حضرت حسینؓ کو روکنا

آپ کے دوستوں اور رشتہ داروں کو جب اس ارادہ کا علم ہوا تو وہ سخت مضطرب ہوئے یہ سب لوگ کوفہ والوں کی بے وفائی اور غداری سے واقف تھے اور بنی امیہ کے خاندان کے مظالم سے بھی آگاہ تھے سب نے اس سفر کی مخالفت کی۔ حضرت عبداللہ بن عباس نے فرمایا لوگ یہ سن کر بہت پریشان ہیں کہ آپ کوفہ جانے کا ارادہ رکھتے ہیں کیا واقعی آپ کا پختہ ارادہ ہے۔ حضرت حسینؓ نے جواب دیا کہ واقعی عنقریب روانہ ہونے والا ہوں۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے فرمایا کہ آپ ایسے لوگوں میں جارہے ہیں جنہوں نے اپنے پہلے امیر کو بے دست و پا کردیا ہے۔ دشمن کو اپنے ملک سے نکال دیا ہے اور ملک پر اپنا تسلط جمال لیا ہے اب آپ کو نظام حکومت کے درست کرنے کے لئے بلا رہے ہیں۔ اگر واقعی ایسا ہے تو پھر بیشک تشریف لے جایئے اور اگر ایسا نہیں ہے تو ان لوگوں کا آپ کو بلانا جنگ کے لئے بلانا ہے مجھے خطرہ ہے کہ وہ لوگ آپ کو دھوکہ نہ دیں اور جب آپ کے دشمن ان کو طاقتور دیکھیں گے تو پھر اس کے طرفدار ہوکر آپ سے لڑائی کریں گے۔ حضرت حسینؓ ان باتوں سے متاثر نہیں ہوئے اور روانگی کے ارادہ پر قائم رہے۔

دوبارہ روکنا

جب حضرت حسینؓ بالکل تیار ہوگئے پھر حضرت ابن عباس دوڑے ہوئے آئے اور بمنت وسماجت سے کہا کہ مجھ سے خاموش رہا نہیں جاتا اس سفر میں آپ کی ہلاکت و بربادی دیکھ رہا ہوں۔ عراقی لوگ بڑے دغا باز ہیں ان کے قریب بھی نہ جایئے اور یہیں مکہ معظمہ میں قیام کیجئے عراق والے اگر آپ کو بلانا بھی چاہتے ہیں تو انہیں کہیے کہ پہلے دشمن کو اپنے

علاقہ سے نکال دیجئے۔ پھر مجھے بلایئے۔ اگر آپ حجاز سے جانا ہی چاہتے ہیں تو پھر یمن چلے جایئے وہاں کے لوگ آپ کے والد (حضرت علی کرم اللہ وجہہ) کے خیر خواہ ہیں وہاں آپ ان دشمنوں کی گرفت سے بھی باہر ہوں گے۔ وہاں خطوں اور قاصدوں کے ذریعہ سے اپنی دعوت پھیلایئے گا آپ اس طرح پر یقیناً کامیاب ہوں گے امام حسینؓ نے فرمایا کہ میں تو عراق کا ارادہ پختہ کر چکا ہوں۔ ابن عباس نے فرمایا کہ اگر آپ نہیں مانتے تو پھر عورتوں اور بچوں کو ساتھ نہ لے جایئے مجھے خطرہ ہے کہ آپ ان کی آنکھوں کے سامنے اسی طرح قتل نہ کر دیئے جائیں۔ جس طرح حضرت عثمانؓ بن عفان اپنے گھر والوں کے سامنے قتل کئے گئے تھے۔ اتنی باتیں پیش ہونے کے باوجود آپ اپنے ارادہ پر قائم رہے۔ اسی طرح اور بھی بہت سے لوگوں نے آپ کو سمجھایا لیکن کوئی کامیابی حاصل نہ ہوئی۔

حضرت امام حسینؓ کے چچیرے بھائی کا خط

آپ کے چچیرے بھائی عبداللہ بن جعفر تھے مدینہ منورہ سے خط لکھا میں آپ کو خدا کا واسطہ دیتا ہوں کہ یہ خط دیکھتے ہی اپنے ارادہ سے باز آجایئے۔ کیونکہ اس راہ میں آپ کے لئے ہلاکت اور آپ کے اہل بیت کے لئے بربادی ہے اگر آپ قتل ہو جائیں گے تو زمین کا نور بجھ جائے گا۔ اس وقت آپ کا وجود ہی ہدایت کا نشان اور ارباب ایمان کی امیدوں کا مرکز ہے سفر میں جلدی نہ کیجئے میں آتا ہوں۔

حاکم مدینہ کا خط

حضرت عبداللہ بن جعفر نے اس کے علاوہ والی مدینہ منورہ سے بھی خط لکھوایا۔ جس کا مضمون یہ ہے ''میں خدا سے دعا کرتا ہوں کہ آپ کو اس راستہ سے ہٹا دے۔ جس میں ہلاکت ہے اور اس راستہ کی طرف رہنمائی فرما دے جس میں سلامتی ہے مجھے معلوم ہوا ہے کہ آپ عراق جا رہے ہیں میں آپ کے لئے شقاق اور اختلاف سے پناہ مانگتا ہوں میں آپ کی ہلاکت سے ڈرتا ہوں۔ عبداللہ بن جعفر اور یحییٰ بن سعید کو آپ کے پاس بھیجتا ہوں ان کے ساتھ واپس چلے آیئے۔ میرے پاس آپ کے لئے امن و سلامتی، نیکی احسان اور

حسن جوار ہے۔ خدا اس پر شاہد ہے وہی اس کا کفیل نگہبان اور وکیل ہے۔ والسلام۔

اس کے بعد آپ اپنے ارادہ پر پختہ رہے۔

فرزدق شاعر سے ملاقات

جب آپ مکہ معظمہ سے روانہ ہوئے تو ''صفاح'' نام مقام پر اہل بیت کا مشہور محب شاعر آپ سے ملا آپ نے اس سے پوچھا۔ تمہارے پیچھے لوگوں کا کیا حال ہے فرزدق نے جواب دیا ان کے دل آپ کے ساتھ ہیں مگر تلواریں بنو امیہ کے ساتھ ہیں۔ آپ نے فرمایا سچ کہتا ہے اب معاملہ اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے۔ وہ جو چاہتا ہے وہی ہوتا ہے ہمارا پروردگار ہر گھڑی کسی نہ کسی حکم فرمائی میں رہتا ہے اگر اس کی مشیت ہماری پسند کے مطابق ہو تو اس کی تعریف کریں گے اور اگر امید کے خلاف ہو تو بھی نیک نیتی اور تقویٰ کا ثواب کہیں نہیں گیا۔

مسلم بن عقیل کے رشتہ داروں کی ضد

زرود نام ایک مقام پر پہنچ کر معلوم ہوا کہ یزید کے گورنر کوفہ عبیداللہ بن زیاد نے مسلم بن عقیل کو علانیہ قتل کر دیا ہے اور کوفیوں میں سے کوئی ٹس سے مس نہیں ہوا۔ امام حسینؓ نے بار بار انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھا۔ بعض ساتھیوں نے عرض کی اب بھی وقت ہے ہم آپ کے اور آپ کے اہل بیت کے حق میں آپ کو خدا کا واسطہ دیتے ہیں خدا کے لئے یہیں سے لوٹ چلیے۔ کوفہ میں آپ کا ایک بھی طرفدار معلوم نہیں ہوتا۔ امام حسینؓ خاموش ہو گئے اور واپسی پر غور کرنے لگے۔ لیکن مسلم بن عقیل کے عزیزوں نے کہا واللہ ہم ہرگز نہ ٹلیں گے اور اپنا انتقام لیں گے یا اپنے بھائی کی طرح مر جائیں گے۔ اس پر آپ نے ساتھیوں کو نظر اٹھا کر دیکھا اور ٹھنڈی سانس لے کر کہا ان کے بعد زندگی میں کوئی مزہ نہیں۔

حر ابن یزید کی ملاقات

قادسیہ سے جونہی آگے بڑھے اور کوفہ سے دو منزل پر جا پہنچے تو حر ابن یزید عبیداللہ ابن زیاد کی طرف سے ایک ہزار ہتھیار بند فوج لے کر آ ملا اور ساتھ ہو لیا۔ اس نے امام حسینؓ سے کہا کہ عبیداللہ ابن زیاد نے مجھے آپ کی طرف بھیجا اور مجھے حکم دیا ہے کہ میں آپ سے جدا نہ

ہوں یہاں تک کہ آپ کو اس کے پاس لے چلوں اور میں خدا کی قسم مجبور ہوں۔امام حسینؓ نے فرمایا کہ میں خود کوفہ کی طرف نہیں آیا یہاں تک کہ مجھے کوفہ والوں کے بہت سے خطوط پہنچے ہیں اور میرے پاس ان کے بہت سے قاصد آئے اور تم کوفے کے رہنے والے ہو۔اگر تم اپنی بیعت پر قائم رہو تو میں تمہارے شہر میں جاؤں گا ورنہ لوٹ کر چلا جاؤں گا اس پر حر نے کہا آپ کن خطوط کا ذکر کرتے ہیں۔ہمیں ایسے خطوں کا کوئی علم نہیں۔امام حسینؓ نے عقبہ بن سلام کو حکم دیا کہ وہ دونوں تھیلے نکال لائیے جن میں کوفہ والوں کے خط بھرے ہیں۔عقبہ نے تھیلے انڈیل کر خطوں کا ڈھیر لگا دیا اس پر حر نے کہا لیکن ہم وہ نہیں جنہوں نے یہ خط لکھے تھے ہمیں تو یہ حکم ملا ہے کہ آپ کو عبیداللہ بن زیاد تک پہنچا کے چھوڑیں۔امام حسینؓ نے فرمایا کہ یہ موت سے پہلے ناممکن ہے۔پھر آپ نے روانگی کا حکم دیا لیکن مخالفین نے راستہ روک لیا۔آپ نے فرمایا تم کیا چاہتے ہو حر نے جواب دیا میں آپ کو عبیداللہ ابن زیاد کے پاس لے جانا چاہتا ہوں آپ نے جواب دیا واللہ میں تیرے ساتھ نہیں چلوں گا۔اس نے کہا واللہ میں بھی آپ کا پیچھا نہیں چھوڑوں گا جب گفتگو زیادہ بڑھی تو حر نے کہا کہ مجھے آپ سے لڑنے کا حکم نہیں ہے مجھے صرف یہ حکم ملا ہے کہ آپ کا ساتھ نہ چھوڑوں۔یہاں تک کہ آپ کو کوفہ پہنچا دوں۔آپ اسے منظور نہیں کرتے تو ایسا راستہ اختیار کیجئے جو کوفہ جاتا ہو نہ مدینہ۔بات زیادہ لمبی ہوتی گئی یہاں تک کہ امام حسینؓ کوفہ کے راستہ سے ہٹ گئے۔

میدان کربلا میں قیام

اور میدان کربلا میں ۱۰ محرم ۶۱ھ کو جا اترے جب اس میدان میں اترے تو اس کا نام دریافت فرمایا معلوم ہوا کہ اس کا نام کربلا ہے۔تب آپ نے فرمایا **ھذا موضع کرب و بلاء** یعنی یہ تکلیف اور ہلاکت کی جگہ ہے یہ مقام پانی سے دور تھا۔دریا میں اور اس میں ایک پہاڑی حائل تھی۔

عمر بن سعد کی آمد

دوسرے دن عمر بن سعد بن ابی وقاص کوفہ والوں کی چار ہزار فوج لے کر آ پہنچا۔عبیداللہ بن زیاد نے عمر کو زبردستی بھیجا تھا۔عمر کی خواہش تھی کہ کسی طرح اس آزمائش میں نہ آئے اور معاملہ رفع

دفع ہو جائے اس نے آتے ہی امام حسینؓ کے پاس قاصد بھیجا اور دریافت کیا آپ کیوں تشریف لائے ہیں آپ نے وہی جواب دیا جو حر ابن یزید کو دے چکے تھے۔ یعنی تمہارے اس شہر کے لوگوں ہی نے مجھے بلایا تھا اب اگر وہ ناپسند کرتے ہیں تو میں لوٹ جانے کو تیار ہوں۔

عبیداللہ بن زیاد کا بیعت کے لئے اصرار

عمر بن سعد کو امام ممدوح کے اس جواب سے خوشی ہوئی اور امید بندھی کہ یہ مصیبت ٹل جائے گی۔ اس نے فوراً عبیداللہ بن زیادہ کو خط لکھا۔ عبیداللہ بن زیاد نے جواب دیا کہ حسینؓ سے کہو کہ پہلے اپنے تمام ساتھیوں کے ساتھ یزید ابن معاویہ کی بیعت کریں پھر ہم دیکھیں گے کہ ہمیں کیا کرنا چاہیے۔ حسینؓ اور اس کے ساتھیوں تک پانی نہ پہنچنے پائے۔ وہ پانی کا ایک قطرہ بھی پینے نہ پائیں جس طرح عثمانؓ بن عفان پانی سے محروم رہے تھے۔ جب امام حسینؓ کے پاس وہ خط آیا آپ نے اسے پڑھا اور پھینک دیا اور قاصد سے فرمایا کہ میرے پاس اس کا کوئی جواب نہیں ہے۔ وہ قاصد لوٹ کر عبیداللہ بن زیاد کے پاس گیا۔ اس جواب سے اس کا غصہ اور بھڑکا اس نے لوگوں کو جمع کیا اور فوجیں تیار کیں اور ان کا سپہ سالار عمر بن سعد کو بنایا۔ جودی کا حاکم تھا اس نے امام حسینؓ کے مقابلے میں لڑنے سے پہلوتہی کی تب عبیداللہ بن زیاد نے اس سے کہایا تو لڑنے کو جایا ری کی حکومت سے دستبردار ہو جا اور اپنے گھر جا بیٹھ عمر بن سعد نے ری کی حکومت کو ترجیح دی اور امام حسینؓ سے لڑائی کے لئے فوجوں سمیت چل نکلا۔ عبیداللہ بن زیاد ایک سردار کی معیت میں تھوڑا تھوڑا لشکر جمع کر کے بھیجتا رہا یہاں تک کہ عمر بن سعد کے پاس بائیس ہزار سوار اور پیادے جمع ہو گئے اور دریائے فرات کے کنارے پر جا اترے اور امام حسینؓ اور پانی کے درمیان رکاوٹ کر دی۔

عمر بن سعد کے لشکر میں زیادہ تر وہی لوگ تھے جنہوں نے امام حسینؓ سے خط و کتابت کی تھی اور ان سے مسلم بن عقیل کے ذریعہ سے بیعت بھی کر چکے تھے۔ جب امام حسینؓ کو یقین ہو گیا کہ یہ لوگ ان سے لڑائی کرنا چاہتے ہیں تو انہوں نے اپنے ساتھیوں کو حکم دیا کہ اپنے لشکر کے گرد ایک خندق کھودیں اور ایک ہی دروازہ اس خندق کو رکھا تا کہ اس دروازے سے نکل کر لڑ سکیں۔

نماز عصر کے بعد عمر بن سعد نے اپنے لشکر کو حرکت دی جب لشکر قریب پہنچا تو انہوں

نے امام حسینؓ کو نرغے میں لے لیا اور لڑائی شروع کر دی۔ امام حسینؓ کے ساتھیوں میں ایک ایک کر کے قتل ہونے لگے یہاں تک کہ ان کے تقریباً پچاس آدمی قتل ہو گئے اس وقت امام حسینؓ نے چیخ کر فرمایا آیا کوئی خدا واسطے فریاد رس ہے آیا کوئی رسول اللہ کے حرم کو بچانے والا ہے یہ سن کر حر بن یزید (جس کا پہلے ذکر آ چکا ہے) اپنے گھوڑے پر امام حسینؓ کی طرف آیا اور آ کر کہا اے رسول اللہ کے بیٹے سب سے پہلے میں ہی تیرے ساتھ لڑنے کے لئے آیا تھا اور اب میں ہی تیری جماعت میں آ گیا ہوں تا کہ میں تیری ہی مدد میں قتل کیا جاؤں۔ شاید کہ کل کو تیرے نانا کی شفاعت نصیب ہو اس کے بعد اس نے عمر بن سعد کے لشکر پر حملہ کیا اور اس وقت تک لڑتا رہا جب تک کہ شہید نہیں کیا گیا۔ اور اس کے ساتھ اس کا بھائی بیٹا اور غلام بھی شہید ہو گئے پھر اس قدر سخت لڑائی ہوئی کہ امام حسین کے سارے ساتھی شہید ہو گئے۔ اس کے بعد امام موصوف ننگی تلوار اپنے ہاتھ میں لے کر تنہا مقابلے کے لئے میدان میں آئے اور دشمنوں سے لڑتے رہے اور جو شخص بھی آپ کی طرف آیا اسے قتل کرتے رہے یہاں تک کہ آپ نے ان میں سے بہت سے لوگوں کو قتل کر ڈالا اور آپ کو ان زخموں اور تیروں نے چور چور کر ڈالا جو ہر طرف سے آ رہے تھے۔ اس وقت شمر ذی الجوشن اپنی فوج سمیت آگے بڑھا۔ امام حسینؓ نے للکار کر فرمایا اے شیطان کی جماعت میں تم سے لڑتا ہوں تم مستورات کو کیوں چھیڑتے ہو کیونکہ وہ تو تم سے نہیں لڑ رہیں۔ تب شمر نے اپنی فوج سے کہا عورتوں سے باز آ جاؤ اور اسی شخص کا مقابلہ کرو پھر سب نے امام حسینؓ پر تیروں اور نیزوں سے حملہ کر دیا یہاں تک کہ امام حسینؓ زمین پر شہید ہو کر گرے اور نصر ابن خرشہ آپ کا سر کاٹنے لگا۔ اس سے نہیں کاٹا گیا تو خولی بن یزید گھوڑے سے اترا اور اس نے آپ کا سر مبارک کاٹ لیا۔ بعض روایتوں میں ہے کہ شمر نے اپنے ساتھیوں سے کہا کم بختو! اس کے متعلق اب کیا انتظار کرتے ہو حالانکہ اسے زخموں نے چور کر دیا ہے اس کے اتنے کہنے پر امام حسینؓ پر تیر اور نیزے برسنے لگے یہاں تک کہ ایک بدبخت کا تیر آپ کے گلے سے پار ہو گیا اور آپ گھوڑے سے گر پڑے اور اسی حالت میں شمر نے آپ کے چہرے مبارک پر تلوار ماری اور سنان بن انسؓ نے نیزہ مارا اور خولی بن یزید آپ کا سر کاٹنے لگا تو اس کے ہاتھ کانپ گئے۔ پھر اس کے بھائی

شبل بن یزید نے اتر کر آپ کا سر کاٹا۔ پھر یہ لوگ اہل بیت کے خیمے میں گئے وہاں سے بارہ لڑکے بنی ہاشم کے قید کیے اور جتنی عورتیں تھیں ان کو بھی قید کر لیا۔ عمر بن سعد اور شمر نے لوگوں کو حکم دیا اور ان سنگدلوں نے امام حسینؓ کی لاش کو گھوڑوں کے سموں تلے لتاڑا اور آپ کے سر مبارک کو بشیر ابن مالک اور خولی بن یزید کی معیت میں عبید اللہ بن زیاد کی طرف بھیج دیا۔

واقعہ کربلا کا رنج والم

ہر کلمہ گو خواہ وہ شیعہ ہو یا سنی اس وحشتناک اور دردانگیز واقعہ سے بے انتہا رنج والم ہے۔ کوئی نہیں جو امام حسینؓ کی مظلومیت سے مغموم نہ ہو اور اس کا دل ان مظالم کو سن کر مضطرب اور پریشان نہ ہو تقریباً تیرہ سو سال گزرنے کے باوجود اس اندوہناک دردانگیز مصیبت خیز پریشان کن دل ہلا دینے والے واقعہ کو بھول نہیں پائے۔ شیعہ صاحبان کے علاوہ سنیوں کی کتابیں بھی اس خونی واقعہ کی یاد تازہ اپنے سینوں میں رکھتی ہیں اور ہر پڑھنے والے کے دل کو غم کدہ بنا دیتی ہیں۔

اظہار غم کے طریقے میں فرق

اہل السنّت والجماعت ان دردناک واقعات کو اپنے سینے میں محفوظ رکھنے کے باوجود ایک بہادر ذی وقار صاحب عزم انسان کی طرح متانت اور سنجیدگی کو ہاتھ سے جانے نہیں دیتا اور یزید جیسی طاغوتی قوتوں کے مقابلے میں امام حسینؓ اس کی قوت ہمت اور ہدایت کی آواز اٹھا کر سنت حسینؓ کی یاد تازہ رکھتے ہیں۔ تاکہ امام حسینؓ کے متبعین اور نام لینے والوں میں روح حسینیؓ کے نظارے ہمیشہ طاغوتی طاقتوں کے سامنے نظر آتے رہیں۔ بخلاف شیعہ صاحبان کے کہ وہ اس رنج والم کا اظہار کرنے کے لئے دامن شریعت کو چھوڑ دیتے ہیں۔ فخر دو عالم سید المرسلین کی سنت سے منہ موڑ لیتے ہیں اور اظہار غم کے لئے دسویں محرم کو وہ طریقہ اختیار کرتے ہیں جس میں بہت ساری چیزیں ناجائز بلکہ حرام ہوتی ہیں جن سے مسلمانوں کے عقائد فاسد ہوتے ہیں اخلاق کی تباہی کا موجب بنتی ہیں اگر غور سے دیکھا جائے تو اہل السنّت والجماعت کے علاوہ مقتدر مقتدایان شیعہ صاحبان بھی عوام الناس کے اس طریق کار کے سخت مخالف ہیں دونوں جماعتوں کے رہنما ان چیزوں کو نہ صحیح سمجھتے ہیں نہ مفید سمجھتے ہیں چنانچہ دونوں

جماعتوں کے رہنماؤں کے فتاویٰ ذیل میں درج ہوں گے۔ البتہ یہ ضرور معلوم ہوتا ہے کہ شیعہ صاحبان میں کمزور طبیعت کے رہنما اپنے مفاد دنیا کی خاطر حق کو چھپاتے ہیں۔ اور عوام الناس کے طعن و تشنیع سے اپنے آپ کو بچاتے ہیں اور مفاد دنیا کی خاطر نتائج اخروی کو نظر انداز کرتے ہیں اور عوام الناس میں اشاعت حق کرنے سے جی چراتے ہیں۔ اَللّٰهُمَّ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ

تعزیہ داری کے متعلق علماء اہل السنّت کا فیصلہ

شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی فتویٰ عزیزی مطبوعہ مجتبائی ماہ شوال ۱۳۱۱ھ کے صفحہ ۷۲ پر لکھتے ہیں کہ تعزیہ داری جو مبتدعین کرتے ہیں۔ بدعت ہے اور بدعت سیئہ ہے اور بدعت سیئہ مبتدع کو خدا کی لعنت میں گرفتار کر دیتی ہے اور اس کے فرائض اور نوافل بھی درگاہ خداوندی میں مقبول نہیں ہوتے۔

انتہی ملخصاً اسی فتاویٰ کے صفحہ ۷۳ میں تحریر فرماتے ہیں۔

سوال: مرثیہ خوانی کی مجلس میں زیارت اور گریہ زاری کی نیت سے حاضر ہونا اور اس جگہ مرثیہ اور کتاب سننا اور فاتحہ اور درود پڑھنا جائز ہے یا کہ نہیں؟

جواب: اس مجلس میں زیارت اور گریہ زاری کی نیت سے جانا بھی جائز نہیں۔ کیونکہ وہاں کوئی زیارت نہیں ہے۔ جس کے واسطے آدمی جائے اور یہ لکڑیاں تعزیے کی جو بنائی گئی ہیں یہ زیارت کے قابل نہیں۔ بلکہ مٹانے کے قابل ہیں۔

اسی فتاویٰ کے صفحہ ۱۵۵ میں تحریر فرماتے ہیں۔

سوال: تعزیہ کے تابوت کی زیارت کرنا اور اس پر فاتحہ پڑھنا اور مرثیہ پڑھنا اور کتاب سننا اور فریاد کرنا اور رونا اور سینہ کوبی کرنا اور امام حسینؓ کے ماتم میں اپنے آپ کو زخمی کرنے کا کیا حکم ہے؟

جواب: یہ سب چیزیں ناجائز ہیں۔

خلاصہ فتاویٰ اہل السنّت

مذکورۃ الصدر فتاویٰ سے مندرجہ ذیل چیزیں صاف اور ظاہر ہیں۔

(۱) تعزیہ بدعت سیئہ ہے۔ (۲) مرثیہ خوانی۔ (۳) اور اس مجلس میں زیارت اور گریہ وزاری کی نیت سے جانا بھی ناجائز ہے۔ (۴) اور سینہ کوبی کرنا اور امام حسینؓ کا ماتم کرنا اور اپنے آپ کو زخمی کرنا یہ سب چیزیں شرعاً ناجائز ہیں۔

ماتم اور نوحہ کی ممانعت

جہاں تک ماتم کا تعلق دل اور آنکھوں سے ہے ممنوع نہیں۔ مگر جب زبان اور ہاتھ سے اظہار کیا جائے تو حرام ہے۔ مندرجہ ذیل احادیث سنی اور شیعہ اور اقوال ائمہ ملاحظہ ہوں۔

پہلی حدیث:۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا

لیس منامن ضرب الخدود وشق الجیوب و دعا بدعوے الجاهلية (متفق علیہ) ترجمہ: وہ شخص اسلامی جماعت سے خارج ہے جس نے ماتم میں رخساروں پر ہاتھ مارے گریبان پھاڑے اور جاہلیت کے سے بین منہ سے نکالے۔

دوسری حدیث:۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے۔

یعنی جو ماتم آنکھ اور دل سے ہو وہ جائز ہے اور جو ہاتھ اور زبان سے ہو وہ شیطانی فعل ہے۔ (مشکوۃ)

رسول اللہ ﷺ نے نوحہ کرنے والی اور نوحہ سننے والی پر لعنت کی ہے۔ (مشکوۃ)

نتیجہ: مذکورۃ الصدر احادیث میں جن چیزوں کی ممانعت کی گئی ہے اور جن کو شیطانی فعل کہا گیا ہے اور جن کاموں کے کرنے پر لعنت نازل ہوتی ہے محرم کے ماتمی جلوسوں میں یہ سب کام کیے جاتے ہیں لہٰذا مسلمانوں کا فرض ہے کہ ایسے جلوسوں میں ہرگز شریک نہ ہوں ورنہ اللہ تعالیٰ کے عذاب کے مستحق ہوں گے۔

انہی چیزوں کے حرام ہونے پر شیعہ صاحبان کی روایات ملاحظہ ہوں۔

پہلی:۔ ابن بالویہ نے سند معتبر حضرت امام محمد باقرؒ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وفات کے وقت حضرت فاطمہؓ سے فرمایا کہ جب میں وفات پاؤں تو میری وفات پر اپنے بال نہ نوچنا اور واویلا نہ کرنا اور مجھ پر نوحہ نہ کرنا۔ (جلاء العیون)

دوسری: ملا باقر مجلسی جلاء العیون ص ۸۷ میں تحریر کرتے ہیں کہ جب ابوبکرؓ نے غسل و کفن وغیرہ کے متعلق اہل سنت کے سامنے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ جب فرشتے مجھ پر نماز پڑھ چکیں اس وقت تم فوج درفوج اس گھر میں آنا اور مجھ پر صلوٰۃ بھیجنا اور سلام کرنا اور مجھے نالہ وفریاد گریہ وزاری سے آزار نہ دینا پھر فرمایا اٹھ جاؤ اور جو کچھ میں نے بیان کیا ہے اس سے اور لوگوں کو مطلع کرو۔

مسلمانوں کا فرض

جب مرثیہ خوانی کی مجلسیں اور ماتمی جلوس خلاف شرع ہیں فقط اہل السنّت ہی نہیں بلکہ شیعہ کے رہنمایان مذہبی بھی ان کے شرعاً مخالف ہیں تو اہل السنّت والجماعت کا فرض ہے کہ وہ ان مجالس میں جانے اور جلوس تعزیہ میں شریک ہونے سے پرہیز کریں ورنہ شرکت کے باعث خواہ وہ تماشا بینی کے طور پر ہی کیوں نہ ہو غضب الٰہی کے مورد اور عذاب الٰہی کے مستحق ہوں گے۔

بالخصوص:۔ جب کہ شیعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے محبوب ترین جانشینوں یعنی سیدنا ابوبکر صدیقؓ اور عمر ابن خطاب رضی اللہ عنہما کو برا بھلا کہتے ہیں ان کو غاصب قرار دیتے اور ان کو دائرہ اسلام سے خارج قرار دیتے ہیں اور ان کو کافر کہتے ہیں اور ان واقعات کے ہوتے ہوئے ہر غیرت مند سچے مسلمان کا فرض ہے کہ وہ شیعہ کی مجالس مرثیہ میں شرکت سے پرہیز کرے اور ان کے تعزیوں کے جلوس میں شامل ہونے نہ پائے کیونکہ ایسے لوگوں کی مجالس کی رونق افزائی بجائے خود ایک بہت بڑا گناہ ہے مسلمانوں کا فرض ہے خود اس سے بچیں اور اپنے اہل وعیال کو بچائیں۔

شیعہ صاحبان کے بڑوں کا شریک نہ ہونا

اگر ماتمی جلوس ایسے ہی موجب ثواب اور باعث رحمت اور امام حسین کے سچے غم اور بے قراری دل کے صحیح اظہار کا ذریعہ ہیں تو پھر شیعہ صاحبان کے بڑے کیوں اس مبارک رسم میں شریک نہیں ہوتے اور کیوں سینہ کوبی سر بازار جلوس میں شامل ہو کر نہیں کرتے۔

چنانچہ دار السلطنت پنجاب لاہور میں ہمیشہ یہی دیکھا جاتا ہے کہ سینہ کوبی کرنے والے صرف نچلے طبقے کے لوگ ہوتے ہیں یا اس میں چند بازاری عورتیں سیاہ لباس میں

ملبوس ہائے حسین ہائے حسین کرتی ہوئی نظر آتی ہیں اور اس جلوس کے ساتھ عام جہلا بطور تماشا بینی کے جمع ہو جاتے ہیں اور جلوس کی رونق دوبالا ہو جاتی ہے۔

عبرت:۔ اہل عقل اس تحریر ماسبق سے خود اندازہ لگا سکتے ہیں کہ ان میں کہاں تک خیر وبرکت آسکتی ہے اور خود شیعہ صاحبان کے ہاں ان کی کیا حقیقت ہے۔

شیعہ کی تفاسیر سے نوحہ کی ممانعت

شیعہ کی تفسیر عمدۃ البیان جلد سوم ص ۲۴۴ میں تحریر ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اللہ تعالیٰ تین آوازوں کو ناپسند کرتا ہے گدھے کی آواز۔ کتے کی آواز نوحہ گر عورت کی آواز۔

شیعہ کی اسی تفسیر کے ص ۳۹۲ میں لکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب عورتوں سے بیعت لیتے تھے تو دوسری شرطوں کے علاوہ یہ شرطیں بھی ہوتی تھیں نوحہ نہ کرنا کپڑے نہ پھاڑنا' سر کے بال نہ نوچنا اور اپنا منہ نہ نوچنا وغیرہ وغیرہ۔

سیاہ ماتمی لباس کے خلاف علمائے شیعہ کے فتاویٰ

امام صادق سے سوال کیا گیا کہ عورتیں سیاہ کپڑے پہن کر نماز پڑھیں فرمایا کہ سیاہ کپڑوں سے نماز نہیں ہوتی کیونکہ سیاہ کپڑے دوزخیوں کا لباس ہے اور امیر المومنین نے اصحاب کو سکھلایا کہ سیاہ لباس نہ پہنو کیونکہ سیاہ پوشی فرعون کا لباس ہے۔ (بارالرجی ص ۲۴۲ جامع عباسی پانزدہ بابی جو فقہ میں مذہب اثنا عشری کی مستند کتاب ہے جس کے مصنف ملا بہاؤالدین عاملی ہیں۔ اور شیعوں کے مطبع یوسفی دہلی کی مطبوعہ ہے اس کے صفحہ ۲۱۵/۲۱۶ میں تحریر ہے کہ امام جعفر صادق فرماتے ہیں حق تعالیٰ نے ایک نبی کے پاس وحی بھیجی کہ مومنوں سے کہہ دے کہ میرے دشمنوں کا لباس نہ پہنیں یعنی سیاہ کپڑے

فروع کافی جلد ۲ جز وثانی ص ۴۳ میں بھی سیاہ لباس کو ملبوس ناریاں بتایا گیا ہے۔

(خاموش نوحہ خواں نمبر ۲ ص ۱۰)

نتیجہ: ان حوالہ جات سے صاف طور پر معلوم ہوتا ہے کہ شیعہ صاحبان جو سیاہ لباس پہن کر ماتمی نشان بناتے ہیں یہ ان کے اپنے مقتدایان مذہبی کے فیصلہ کے بھی سراسر خلاف

ہے جب شیعہ کے ہاں بھی یہ چیز حرام ہے تو سنی مسلمان کا فرض ہے کہ اس قبیح رسم سے بچیں۔ اس مضحکہ خیز ظاہر داری کے ماتم سے بچ کر امام حسینؓ کی طرح سچا غیور، بہادر، جانباز اور جان نثار مجاہد اور غازی بننے کی فکر کریں۔

حاصل یہ ہے کہ ہم اہل السنت والجماعت آئمہ اہل بیت کے سچے محب اور پکے خیر خواہ ہیں ان سے عقیدت ہمارا ایمان ہے ان کی راحت سے فرحت اور ان کی تکلیف سے صدمہ ہمارے دلوں کے تاثرات ہیں ہم ان کے نقش قدم پر چلنے کو اپنی سعادت خیال کرتے ہیں۔ غرضیکہ ہمارا دعویٰ ہے کہ سچی محبت اور صحیح عقیدت میں ہم شیعہ صاحبان سے کم نہیں ہیں البتہ یہ عرض کیے بغیر بھی نہیں رہ سکتے کہ عشرہ محرم کی تمام بدعات جو شیعہ میں مروج ہیں جن کی تفصیل اس مضمون میں آچکی ہے ان کے ہم سخت مخالف ہیں سنی مسلمانوں کو ان سے روکنا ہمارا فرض ہے۔ بلکہ دعا کرتے ہیں کہ جس طرح ہم محبت اور عقیدت میں شیعہ صاحبان سے برابری کا دعویٰ کرتے ہیں انہیں اللہ تعالیٰ توفیق دے کہ آئمہ اہل بیت کے نقش قدم پر عملی طور پر چلنے میں سنیوں کے دوش بدوش نظر آئیں سب وشتم، طعن وتشنیع، تعزیہ، نوحہ خوانی، ماتمی لباسوں سے باز آئیں حق کے حامی اور باطل کے دشمن نظر آئیں۔ اسلام محمدی کے پیروکار اور بدعات مخترعہ سے مجتنب ہو جائیں آمین۔ یا اللہ العالمین۔ جب شیعہ اور سنی دونوں ایک سٹیج پر آ کھڑے ہوں تو اس اتفاق کی برکت سے دیکھئے کہ اسلام کو کس طرح نفع اور عروج حاصل ہو سکتا ہے۔

ایں دعا از من و از جملہ جہاں آمین باد

ماتم اور تعزیہ کی تاریخ

واضح ہو کہ لغت میں تعزیت نام ہے مصیبت زدہ کو تلقین صبر کرنے کا چونکہ کسی کا مرنا بھی اس کے ورثاء کے لئے بظاہر ایک سخت مصیبت اور باعث سخت رنج وغم ہے لہٰذا ان کے تلقین صبر کرنے کو بھی تعزیت کہتے ہیں بلکہ عرفاً غالب اطلاق اسی پر ہونے لگا شریعت میں بھی اس کے یہی معنی ہیں اور کسی کے مرنے پر صرف تین دن تک تعزیت کرنی جائز ہے (تین دن کے بعد تعزیت کرنا مکروہ تنزیہی ہے ہاں اگر تعزیت کنندہ یا میت کے اعزا سفر میں ہوں اور تین

روز کے بعد آئیں تو ان کے لئے مکروہ نہیں ہے جو شخص ایک مرتبہ تعزیت کر چکا ہو اس کو پھر دوبارہ تعزیت کرنا مکروہ ہے حدیث شریف میں تعزیت کے لئے یہ کہنا منقول ہے۔

اعظم اللہ اجرک و احسن جزاء ک و غفر لمیتک یعنی اللہ تعالیٰ تیرا اجر زیادہ کرے اور تجھے اچھا صبر عطا فرمائے اور تیری میت کو بخش دے) جس میں نہ رونا ہے نہ پیٹنا نہ چیخنا ہے۔ نہ چلانا نہ کپڑے پھاڑنا اور نہ گریبان چاک کرنا ہے۔ نہ بال نوچنا اور نہ پریشان ہونا نہ سینہ کوبی ہے نہ زانو اور رخساروں پر ہاتھ مارنا۔ نہ اجتماع و اہتمام اور جزع فزع کی ضرورت ہے نہ میت کے مدح وذم کے بیان کی حاجت جیسا کہ عوام کالانعام میں کسی کے مرنے پر عموماً دیکھا جاتا ہے لیکن یہ سب خرافات اور ناجائز کام آج جس تعزیہ میں ہوتے ہیں وہ محرم کا تعزیہ ہے اور اس مختصر تقریر میں زیر بحث یہی لفظ تعزیہ ہے جس کو لغۃً عرفاً شرعاً کسی طرح بھی تعزیت کہنا صحیح نہیں۔ مذہباً اس کے عدم جواز کی بحث تو میرے اشتہار ''محرم الحرام اور رسالہ حرمت تعزیہ'' میں دیکھنی چاہئے اس وقت سنیوں کو متنبہ کرنے کے لئے مؤرخانہ طور پر مجملاً صرف یہ عرض کرنا ہے کہ ہر سال شروع ماہ محرم میں جس تعزیہ کی بدولت بوجہ نادانی و جہالت لاکھوں سنی عملاً شیعہ ہو جاتے ہیں اور حسب کتب شیعہ اہل سنت کی نہیں بلکہ یزید اور دشمنان آل رسول کی ایجاد ہے۔ اس تعزیہ کی روح امام حسینؓ شہید کربلا پر نالہ و ماتم اور نوحہ وشیون کرنا ہے اور اس کا جسم روضہ امام حسین واقعہ کربلا کی وہ نقل ہے جو بانس اور کاغذ وغیرہ کا بنا کر بنام تعزیہ یا وجہ ماتم اور مرثیہ کے ساتھ سالانہ محرم میں نکالی جاتی ہے جس کے ساتھ ہمیشہ مختلف مقام پر اور بھی بہت سی رسمیں ادا کی جاتی ہیں اور آئے دن نئی چیزیں نکلتی رہتی ہیں۔

ماتم کی تاریخ

یعنی نوحہ و ماتم، نالہ وشیون پر امام حسینؓ کی ابتداء دنیا میں جس نے سب سے پہلے کی وہ بقول شیعہ یزید ہے جو ان کے خیال کے مطابق اول درجہ کا دشمن اہل بیت اور قابل حسینت تھا۔ چنانچہ

۱۔ ملا باقر مجلسی مجتہد شیعہ لکھتے ہیں کہ جب اہل بیت حسینؓ کا قافلہ کوفہ سے دمشق میں آیا اور دربار یزید میں پیش ہوا تو یزید کی زوجہ ہندہ دختر عبداللہ بن عامر بیتاب ہو کر بے پردہ دربار یزید میں چلی آئی یزید نے دوڑ کر اس کے سر پر کپڑا ڈال دیا اور کہا۔

''اے ہندہ نوحہ زاری مکن بر فرزند رسول خدا و بزرگ قریش کہ ابن زیاد لعین در امر و تعجیل کرد و من راضی بکشتن او نبودم (جلاء العیون ص ۵۲۷) یعنی اے ہندہ فرزند رسول خدا و بزرگ قریش پر نوحہ زاری نہ کر کہ ابن زیاد لعین نے ان کے معاملہ میں جلدی کی اور میں ان کے قتل پر راضی نہ تھا۔

۲۔ جب اہل بیت حسینؓ یزید کے محل میں داخل ہوئے تو اہل بیت یزید نے زیور اتار کر لباس ماتم پہنا۔ صدائے نوحہ و گریہ بلند کی اور یزید کے گھر میں تین روز برابر ماتم رہا۔ (ایضاً ص ۵۲۴)

۳۔ صاحب خلاصۃ المصائب فرماتے ہیں کہ جب حرم محترم پیش یزید لائے گئے تو

کان بیده مندیل فجعل یمسح و موعه فامرهم ان یحولن الی هد بنت عامر فادخلن عندها فسمع من داخل القصر بکاء و نداء وویلا (ص ۲۹۳)

یزید کے ہاتھ میں رومال تھا جس سے اپنے آنسو پونچھتا تھا۔ پس اس نے حکم دیا کہ ان کو میرے محل میں ہندہ بنت عامر کے پاس لے جاؤ جب یہ ان کے پاس پہنچائی گئیں تو داخل ہونے پر صدائے گریہ وزاری بلند ہوئی جو باہر سنائی دیتی تھی۔

۴۔ صاحب ناسخ التواریخ نے ص ۲۰۰ میں اور صاحب نہج البلاغہ ص ۳۴۸ میں بھی کم و بیش اس ماتم کا ذکر کیا ہے اس سے معلوم ہوا کہ امام حسینؓ پر نوحہ و ماتم اور نالہ شیون کا یہ پہلا دن تھا جو بحکم یزید خود اہل بیت یزید نے اہتمام سے کیا پھر جب یزید نے چند اہل بیت حسینؓ کو بعزت و حرمت اپنے پاس شام میں رہنے یا مدینہ جانے کا اختیار دیا تو انہوں نے ماتم برپا کرنے کی اجازت چاہی جو دی گئی اور شام میں جس قدر قریش و بنو ہاشم تھے سب شریک ماتم و نوحہ ہوئے اور یہ گریہ وزاری ایک ہفتہ تک جاری رہی بعد ازاں یزید نے بآرام ان تمام کو جانب مدینہ روانہ کیا۔ (جلاء العیون ص ۵۳۰ و منہج ص ۳۳۵)

شام میں یہ دوسرا ماتم تھا جو امام حسینؓ پر باجازت یزید اہتمام سے ہوا۔ یزید کے بعد دوسرا شخص مختار ثقفی شیعہ تھا جس نے کوفہ میں سب سے پہلے خاص عاشورہ محرم کے لئے اس رسم بد کی بنا ڈالی۔ بلکہ اور اضافہ کیا یہ شخص شیعہ بھی تھا اور دشمن اہل بیت بھی جس کا مفصل ثبوت میرے رسالہ قاتلان حسینؓ میں دیکھنا چاہئے اس دشمن آل رسول نے قبولیت عامہ حاصل کرنے کے لئے علانیہ کوفہ میں رسم ماتم عاشورہ ایجاد کردہ یزید کو جاری کیا اور بنام

تابوت سکینہ جناب امیرؓ کی کرسی کی پرستش شروع کی حالانکہ وہ کرسی جناب امیرؓ کی نہ تھی بلکہ طفیل بن جعدہ نے بلا اجازت کسی روغن فروش کی دوکان سے اٹھا کر اسی کام کے لئے اسے لا دی تھی۔ (ہدیہ مجیدیہ ترجمہ تحفہ اثنا عشریہ ص ۴۲۲) علامہ شہرستان بھی لکھتے ہیں کہ وہ ایک پرانی کرسی تھی جس پر مختار نے ریشمی رومال چڑھا کر اور خوب آراستہ کر کے ظاہر کیا کہ یہ حضرت کے توشہ خانہ میں سے ہے۔ جب کسی دشمن سے جنگ کرتا تو اس کو صف اول میں رکھ کر اہل لشکر سے کہتا بڑھو، قتل کرو، فتح و نصرت تمہارے شامل حال ہے۔ یہ تابوت سکینہ تمہارے درمیان مثل تابوت بنی اسرائیل ہے اس میں سکینہ ہے اور ملائکہ تمہاری مدد کے لئے نازل ہو رہے ہیں۔ وغیرہ (الملل والنحل مصری ص ۸۴) تیسرا شخص معز الدولہ شیعہ ہے جس نے اٹھارویں ذی الحجہ کو عید غدیر منانے کا حکم دیا پھر اس کے بعد عاشورہ کے دن حکم دیا کہ لوگ غم حسینؓ میں دوکانیں بند کریں ہڑتال کریں خرید و فروخت سے باز رہیں سوگ کے کپڑے پہنیں زور سے واویلا کریں عورتیں بال کھولیں منہ پر طمانچے ماریں لوگوں نے اس کی تعمیل کی اور اہل السنّت اس کی مخالفت پر قادر نہ تھے کیونکہ شیعوں کا غلبہ تھا جب ۳۵۳ھ میں پھر ایسا ہی ہوا تو اس پر شیعہ اور سنی میں بڑا فساد ہوا اور بہت لوٹ مار تک نوبت پہنچی۔ (تاریخ ابن خلدون جلد ۳ ص ۴۲۵ و تاریخ الخلفاء سیوطی ص ۲۷۵) کامل ابن اثیر جلد ۴ میں بھی ہے کہ دس محرم ۳۵۲ھ کو معز الدولہ نے عام حکم دیا کہ دوکانیں بند ہو جائیں بازار اور خرید و فروخت کا کام روک دیا جائے لوگ نوحہ کریں کمبل کا لباس پہنیں عورتیں پراگندہ منہ اور گریبان چاک دوہتر مارتی ہوئی شہر کا چکر لگائیں۔ (صفحہ ۱۹۷)

آنریبل سید امیر علی صاحب سپرٹ آف اسلام انگریزی میں لکھتے ہیں بیادگار شہادت امام حسینؓ و دیگر شہدائے کربلا یوم عاشورہ کو ماتم کا دن مقرر کیا (ص ۴۶۱) ایک اور شیعہ رقمطراز ہیں کہ معز الدولہ پہلا بادشاہ مذہب امامیہ پر تھا۔ جس نے یہ یوم عاشورہ بازار بند کرا دیئے نانبائیوں کو کھانا پکانے کی ممانعت کر دی عورتیں سر کھولے ہوئے راستوں میں نکلیں اور ماتم حسینؓ کا کیا ۱۹ ذی الحجہ کو عید غدیر کی وغیرہ دیکھو (تلخیص مرقع کربلا ص ۷۸-۷۹)

رسم ماتم عاشورہ کی یہ مختصر داستان ہے جو بحکم یزید اسی کے گھر سے شروع ہوئی مختار اور

معز الدولہ نے ترقی دی پھر شیعوں نے اس پر خوب مذہبی رنگ چڑھایا۔ اب عشرہ محرم میں گھر گھر اسی کا جلوہ ہے کسی نے بالکل سچ کہا ہے

رسم ماتم بنا یزید نمود ۔۔۔ ہر کہ آمد برآں مزید نمود

تعزیہ: جو مختلف قطع وضع اور رنگ برنگ کے بنتے ہیں مشہور یہ کیا گیا ہے کہ روضہ امام حسینؓ کی نقل ہے اور جگہ کا تو حال معلوم نہیں مگر ہندوستان میں ہر سال عشرہ محرم میں بڑے تزک واحتشام اور دھوم دھام سے نکالا جاتا ہے کہا جاتا ہے کہ عہد تیمور میں اس کی ابتدا یوں ہوئی کہ بعض شیعہ بیگمات، شیعہ وزراء، شیعہ امراء ایرانی الاصل اور شیعہ اہل لشکر ہند میں قیام اور سلطنت و جنگ کے انتظام وغیرہ کے باعث ہر سال کربلائے معلیٰ نہیں جا سکتے تھے جنہوں نے حسب عقیدہ شیعہ بغرض حصول ثواب روضہ امام حسینؓ کی نقل منگوا کر بجائے کربلا کے اس کی زیارت کرنا شروع کی۔ پھر جب شاہان اودھ کے دور میں تشیع نے زور پکڑا تو نقل روضہ امام اور ذوالجناح اور قاسم کی مہندی وغیرہ کا بھی رواج بڑھا۔ اس نے کم وبیش جلد یہ صورت اختیار کر لی جواب مروج ہے چنانچہ تلخیص مرقع کربلا کے شیعہ مصنف بھی فرماتے ہیں کہ جو ہر صاحب طوفان نے امیر جنود کا عراق میں آنا اور زیارت کربلا و نجف اشرف کرنا اور پیادہ چلنا اور وزراء کا پیادہ روی سے منع کرنا اور اس کا قرآن میں فال دیکھنا اور آیہ فاخلع نعلیک کا نکلنا۔ اور تبرکات لانا اور نفاذ تعزیہ داری خصوصاً ہندوستان میں مفصل لکھا ہے اور سب جانتے ہیں (ص ۸۳) حالانکہ اس نقل روضہ امام تعزیہ کا کچھ اعتبار نہیں کیونکہ اصل روضہ امام بھی غیر معتبر ہے اور پھر تعزیہ جس کی تاریخ امیر تیمور کے دور سے آگے نہیں چلتی بدعت تیموریہ نہیں تو اور کیا ہے پس مسلمانوں کو عقل و ہوش سے کام لینا چاہئے اور اس قسم کی تمام بدعات سے مجتنب رہنا چاہئے۔

وما علینا الا البلاغ

(خطبات لاہوری)

واقعۂ کربلا

علماء دیوبند کا مسلک اعتدال

جناب محمود احمد عباسی کی کتاب ''خلافت معاویہ ویزید'' کا
مفصل مدلل ومسکت جواب
شہید کربلا اور یزید سے اصولی باتوں کا انتخاب
جو بلاشبہ علماء حق کے مسلک اعتدال کی وضاحت میں
حرف آخر کی حیثیت رکھتا ہے

حکیم الاسلام حضرۃ مولانا قاری محمد طیب قاسمی رحمہ اللہ

شہید کربلا اور یزید

حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب رحمہ اللہ کی علمی تصنیف ''شہید کربلا اور یزید'' جو کہ مسلک علماء حق کے لحاظ سے حرف آخر کی حیثیت رکھتی ہے مکمل کتاب کا خلاصہ حضرت ہی کے الفاظ میں پیش خدمت ہے (مرتب)

حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے اس اقدام پر جو بمقابلہ یزید مدینہ سے کربلا کے میدان تک پھیلا ہوا ہے تاریخ' فقہ' حدیث' کلام اور عقل کے راستہ سے کسی الزام واتہام کی گنجائش نہیں نکلتی۔

(۱) کیونکہ اول تو یزید کی بیعت ہی اجماعی نہ تھی متعدد گروہوں خطوں اور منطقوں نے ابتداء ہی سے اسے قبول نہ کیا تھا جس میں حضرت حسینؓ بھی شامل ہیں۔ اس لئے ان پر یزید کی اطاعت ہی واجب نہ تھی کہ خروج و بغاوت کا سوال پیدا ہو۔ خروج و بغاوت کی مذمت اور ممانعت التزام بیعت کے بعد ہے اور جبکہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ اور ان کے دوسرے بہت سے ہم خیال لوگوں نے یزید کی بیعت ہی قبول نہ کی تھی تو ان پر اس کی اطاعت ہی واجب نہ تھی کہ وہ خروج و بغاوت کا محل قرار پائیں اور اس کی رو سے ان پر معاذ اللہ کسی عصیان کا اتہام لگایا جائے۔

(۲) اور پھر بھی اگر اس اقدام کو خروج و بغاوت ہی فرض کر لیا جائے تو جبکہ وہ امیر کے متعدی فسق و فجور اس کی اہانت شیوخ و کبراء اور امارت صبیان وسفہاء اور ان کی اطاعت کے سبب اضاعت دین ہونے کی بنا پر تھی جن کے ہوتے ہوئے سمع و طاعت امیر باقی ہی نہیں رہتی تب بھی ان پر خروج و بغاوت کا الزام نہیں آ سکتا کہ یہ اصلاحی قدم تھا جو ضروری تھا نہ کہ باغیانہ اقدام۔

(۳) لیکن اگر خواہی نہ خواہی اسے خروج و بغاوت ہی کا لقب دیا جائے تو حسب تصریح حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی قدس سرہ قرن اول کے باغی گروہ کا حکم مجتہد مخطی کا ہے جس پر اسے ایک اجر ملے گا (ازالۃ الخفاء) جو معصیت اور مخالفت شریعت پر کبھی نہیں مل سکتا۔ اس لئے اس صورت میں بھی حضرت امام کے اس اقدام کو غیر شرعی اقدام نہیں کہا جا سکتا کہ ان کے ماجور عند اللہ اور شہید مقبول ہونے میں کسی تامل کی گنجائش ہو۔

(۴) رہیں وہ احادیث جن میں باوجود امیر کے شدید فسق و فجور کے بھی اس پر خروج و بغاوت کی شدید ممانعت آئی ہے اور ان ہی کی رو سے عباسی صاحب نے حضرت امام پر الزام خروج و بغاوت لگا کر ان کے اس اقدام کو شرعاً ناجائز باور کرانا چاہا ہے سو ان احادیث کا جواب وہ احادیث ہیں جن کی رو سے امیر کے غیر شرعی یا مخالفت شریعت اقدامات سے اس کی سمع و طاعت اٹھ جاتی ہے اور معصیت خالق میں طاعت مخلوق باقی نہیں رہتی جس کا حاصل یہ نکلے گا کہ جہاں تک امیر کے ذاتی فسق و فجور کا تعلق ہے وہ کتنا بھی شدید ہو خروج کی شدید ممانعت ہے اور جہاں تک اس کے متعدی فسق و فجور کا تعلق ہے جس سے نظام دیانت مختل ہونے لگے تو امیر کی مخالفت نہ صرف جائز بلکہ استطاعت کی حد تک ضروری ہے۔ اس لئے ممانعت خلاف کی حدیثیں امیر کے ذاتی فسق و فجور پر محمول ہوں گی اور اجازت خلاف کی حدیثیں امیر کے متعدی اور جماعتی فسق و فجور پر جس سے روایات میں کوئی تعارض نہیں رہتا اور نہ ہی حضرت امام ہمام کا یہ اقدام ان میں سے کسی ایک روایت کے خلاف ٹھہرتا ہے کہ ان کے اس فعل پر ناجائز یا نامناسب ہونے کی تہمت لگائی جائے جو دوزی کے منہ میں گھس کر عباسی صاحب نے ان پر لگائی ہے۔

اب خلاصہ بحث یہ نکل آیا کہ یزید کی شنیع حرکات اور اس کے فاسقانہ افعال نصوص فقہیہ اور نصوص تاریخیہ سے واضح ہیں جن کی رو سے فسق یزید کا مسئلہ محض تاریخی نظریہ نہیں رہتا جسے مورخین نے محض تاریخی ریسرچ کے طور پر قلمبند کر لیا ہو بلکہ حدیث و فقہ کی رو سے ایک عقیدہ ثابت ہوتا ہے جس کی بنیادیں کتاب و سنت میں موجود اور ان کی تفصیلات علماء اور اتقیاء کے کلاموں میں محفوظ ہیں۔ اسی لئے اسے نقل کرنے پر حکم لگانے اور اسے ثابت کرنے کے لئے مخصوص مورخ نہیں بلکہ محدثین فقہاء اور متکلمین آگے آئے اور انہوں نے اس مسئلہ پر کتاب و سنت کے اشارات اور فقہ و کلام کی تصریحات سے احکام مرتب کئے جس سے اس کے عقیدہ ہونے کی شان نمایاں ہوئی۔ ظاہر ہے کہ عقیدہ کے خلاف تاریخی نظریہ کسی کا بھی ہو اپنے بطلان پر خود ہی گواہ ہوگا۔ اس لئے عقیدہ کے مقابلہ پر بہر صورت تاریخ کو ترک کر دیا جائے گا یا اس کی کوئی توجیہ کر کے عقیدہ کی طرف اسے رجوع کر دیا جائے

بشرطیکہ یہ تاریخی روایت کسی ثقہ کی طرف منسوب ہو۔اس لئے یہ عقیدہ بہرصورت محفوظ ہے اور عقیدہ ہی کے طور پر اسے محفوظ رکھا جائے گا کہ سیدنا حسینؓ صحابی جلیل اور اہل بیت رسول صحابی ہونے کی وجہ سے تقی القلب نقی الباطن' ذکی النسبت اعلیٰ النسب' و فی العلم' صفتی الاخلاق اور قوی العمل تھے۔اس لئے عقائد اہلسنت والجماعت کے مطابق ان کا ادب و احترام ان سے محبت وعقیدت رکھنا' ان کے بارہ میں بدگوئی' بدظنی بدکلامی اور بداعتمادی سے بچنا فریضہ شرعی ہے اور ان کے حق میں بدگوئی اور بداعتمادی رکھنے والا فاسق و فاجر ہے۔پس جیسے کسی صحابی جلیل کا بوجہ شرف صحابیت تقی ونقی ہونا عقیدتاً واجب التسلیم ہے ایسے ہی صحابی کے حق میں کسی کا بدگوئی یا بدعقیدتی کی وجہ سے فاسق ہونا بھی عقیدتاً ہی واجب التسلیم ہے کہ دونوں کی ان کیفیات واحوال کی بنیادیں کتاب وسنت اور فقہ وکلام میں موجود اور محفوظ ہیں جن کی رو سے حضرت حسینؓ قلوب مسلمین میں محبوب ومقتدر ہوئے اور یزید اپنے فسق و فجور کی بدولت قلوب میں مبغوض اور مستوجب مذمت وملامت بن گیا۔اس ساری بحث کا خلاصہ جس میں ایک طرف تو کتاب وسنت ائمہ ہدایت اور علماء راسخین ہیں اور اس کے مقابل دوسری طرف عباسی صاحب ہیں یہ نکلتا ہے کہ اللہ ورسول اور ان کے ورثہ تو امام حسین رضی اللہ عنہ کے بارہ میں بوجہ صحابی اور بوجہ اہل بیت ہونے کے یہ ارشاد فرمادیں کہ۔

''وہ راضی ومرضی عند اللہ اور محفوظ من اللہ تھے جس کے معنی ولی کامل ہونے کے ہیں جن کی ولایت میں ان کے یا ان کے کسی بعد والے کے تصنع اور بناوٹ یا پروپیگنڈہ کا کوئی دخل نہ ہو۔ان کا محبوب ترین مقام ایمان کامل اور آزمودہ خداوندی تقویٰ تھا جس کے معنی فراست ایمانی اور معرفتہ حق شناسی کے ہیں جس کے ساتھ دنیا سازی اور ناعاقبت اندیشی جمع نہیں ہوسکتی۔ان کا قلبی رخ کفر وفسوق اور عصیان سے نفرت کی طرف تھا جس کے معنی رشد اور راشدین سے بدعہدی عہد شکنی اور غداری سے تنفر کے ہیں۔وہ ہمہ وقت اشداء علی الکفار اور رحماء بینہم میں سے تھے جس کے معنی مسلم آزادی سے کلی بچاؤ اور کسی کی حق تلفی سے کامل گریز کے ہیں۔وہ ہمہ ساعت رکعاً سجداً اور رجوع وانابت الی اللہ کے مقام پر فائز تھے جس کے معنی کبر وخودی وخودستائی اور شیخی بازی سے کامل گریز کے ہیں۔وہ پوری امت کے لئے

نجوم ہدایت میں سے تھے جن کی اقتداء مطلوب شرعی اور اقتداء سے اہتداء وعدہ شرعی ہے جس کے ساتھ دنیا کی اندھی سیاست تعصب اور اغراض نفسانی اور ان پر ضد اور ہٹ جمع نہیں ہو سکتی۔ ان کا ایک مدصدقہ بعد والوں کے پہاڑ جیسے صدقات سے کہیں زیادہ اونچا تھا جس سے ان کی افضلیت غیر صحابہ پر علی الاطلاق ثابت ہے وہ بوجہ والی اہل بیت ہونے کے ان میں سے تھے جن کے بارہ میں اللہ نے رجس قلب اور لوث باطن سے ان کی تطہیر کا ارادہ کیا ہوا تھا اور رسول نے اسی کی انہیں دعا دی ہوئی تھی۔ اور اللہ کا ارادہ مراد سے متخلف نہیں ہو سکتا اور نبی کی دعا بے اجابت نہیں رہ سکتی جس سے وہ رجس ظاہر و باطن سے پاک ہو چکے تھے لیکن عباسی صاحب نے اپنی ''تاریخی ریسرچ'' اور ''بے لاگ تحقیق'' کے صفحات میں جو کچھ فرمایا ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ امام حسین بناوٹی ولی اللہ تھے۔ جنہیں بعد والوں نے ولی اللہ کے روپ میں پیش کر دیا تھا۔ وہ دانست کی کمزوری بے معرفتی اور حق ناشناسی کا شکار تھے (جو اپنے زمانہ کے امام حق کو بھی نہ پہچان سکے) وہ عہد شکنی مطلب پرستی کے جوش اور بغاوت جیسی اجتماعی غداری کے جرم کے مرتکب تھے وہ ایک مانے ہوئے خلیفہ برحق اور بے داغ کردار کے امام کی حق تلفی تک سے نہ بچ سکے کہ اس کا ربقہ بیعت گلے میں ڈال لیتے۔ وہ خودستائی شیخی بازی اور فخوریت جیسے جراثیم کو دل میں پالے ہوئے تھے۔ وہ وقت کی کوری سیاست اور مطلب برآری کی غیر معقول حب جاہ میں گرفتار تھے۔ ان کا صحابی ہونا ہی مشتبہ تھا کہ غیر صحابہ مثلاً یزید پر ان کی فوقیت وفضیلت کا تصور باندھا جائے۔ خصوصاً ان کمزوریوں کے ساتھ وہ طلب حکومت وریاست میں مقتضیات زمانہ اور احکام شرع کی خلاف ورزی اور ناجائز وجائز کی بھی پرواہ نہیں کرتے تھے۔ وہ ایک معمولی قسمت آزمانا کام مدعی اور بچپن ہی سے صلح جوئی کے برخلاف جتھ بندی کے خصائل لئے ہوئے تھے۔

اب اندازہ کیجئے کہ کتاب وسنت اور سلف کے فرمودہ کا حاصل تو وہ ہے جو اوپر ذکر کیا گیا اور وہی مسلمان کا عقیدہ ہے اور عباسی صاحب کے فرمودہ کا حاصل یہ ہے کہ جو سطور بالا میں آپ کے سامنے آیا اور یہ ان کے تاریخی نظریات ہیں ان عقائد اور ان نظریات کو سامنے رکھ کر کیا یہ کہنا صحیح ہے کہ یہ ایک تاریخی ریسرچ ہے اس کا عقیدہ ومذہب سے کوئی تعلق نہیں اور اس میں عقیدہ و

مذہب کی بحث کو لے بیٹھنا خلط مبحث ہے اگر ان دونوں باتوں میں تضاد کی نسبت ہے اور بلاشبہ ہے کہ عباسی صاحب حسینؓ کو معمولی آدمی بتلا رہے ہیں اور کتاب وسنت غیر معمولی وہ انہیں بناوٹی ولی اللہ کہہ رہے ہیں اور کتاب وسنت انہیں حقیقی ولی اللہ ہی نہیں بلکہ بعد کی امت کے سارے اولیاء سے فائق بتلا رہے ہیں عباسی انہیں مطلب پرست کہہ رہے ہیں اور کتاب وسنت خالص خدا پرست وہ انہیں محبّ جاہ ومال بتلا رہے ہیں اور کتاب وسنت انہیں ان رذائل سے پاک کہہ رہے ہیں۔ غرض دو کناروں کی دو باتیں ہیں جو آپس میں جمع نہیں ہوسکتیں ظاہر ہے کہ اگر عباسی صاحب کے نظریات کو صحیح مان لیا جائے تو کتاب وسنت سے ان ماخوذ عقائد کی صحت کبھی برقرار نہیں رہ سکتی۔ پس ایک تاریخی ریسرچ سے عقائد کا نقشہ بدل جائے اور قرآن وحدیث کی خبروں کا نظام مختل ہو جائے مگر کہا یہی جائے کہ یہ تو ایک تاریخی ریسرچ ہے اس کا عقیدہ ومذہب سے کیا تعلق کس قدر صریح ظلم غلط بیانی اور دنیا کو بتلائے فریب رکھ کر اپنا کام نکالنا ہے۔

اندریں صورت جبکہ عقیدہ ونظریہ میں تقابل اور تضاد کی صورت پیدا ہو جائے تو اس اصول کے مطابق جو ہم ابتدائے مقالہ میں عرض کر چکے ہیں۔ عقیدہ کو اصل اور محفوظ رکھ کر مقابل کی تاریخی ریسرچ ہی کو رد کر دیا جائے درحالیکہ ہم دکھلا چکے ہیں کہ وہ تاریخی ریسرچ نہیں ہے بلکہ نظریاتی ریسرچ ہے جس میں تاریخ کے ٹکڑوں سے نظریات کی تائید میں ناجائز فائدہ اٹھانے کی سعی کی گئی ہے اور تاریخ کی ضعیف سے ضعیف بلکہ روشدہ روایت بھی موافق مطلب نظر آئی تو لے لی گئی ہے اور قوی سے قوی روایت بھی موافق مطلب نہ ہوئی تو چھوڑ دی گئی ہے اور پھر وہ لی ہوئی روایتیں بھی کتر بیونت اور تحریف کے ساتھ استعمال کی گئی ہیں جس کے چند نمونے پیش کئے جا چکے ہیں۔

یہی صورت عباسی صاحب نے یزید کے بارہ میں بھی اختیار کی ہے۔ عباسی صاحب کہتے ہیں کہ امیر یزید عمر فاروق جیسا عادل امیر تھا اور صحابہ وسلف کہتے ہیں کہ وہ متفق علیہ فاسق تھا۔ عباسی صاحب فرماتے ہیں کہ اس کی امارت خلافت راشدہ کا نمونہ تھی۔ احادیث سے اشارہ ملتا ہے کہ اس کی امارت امارت صبیان تھی جس میں ارشد لوگوں کو معطل کر کے رکھ دیا گیا تھا عباسی صاحب کہتے ہیں کہ امیر یزید کی حکومت کا آئیڈیل خدمت خلق گویا احیائے خلافت تھا اور احادیث سے اشارہ ملتا ہے کہ ان چند قریشی لڑکوں کے ہاتھوں خلافت کی

تباہی مقدر تھی۔عباسی صاحب کہتے ہیں کہ یزید کے ہاتھ پر صحابہ کی اکثریت کی بیعت اس کی کردار کی خوبی کی وجہ سے تھی محدثین ومورخین کہتے ہیں کہ اسے فاسق سمجھ کر فتنہ سے بچنے کے لئے تھی۔عباسی صاحب فرماتے ہیں کہ یزید خلیفہ برحق تھا اس لئے اس کے مقابلہ پر امام حسین باغی تھے۔سلف صالحین کہتے ہیں کہ یزید خود باغی حق تھا اس لئے امام کا خروج برحق تھا۔عباسی صاحب فرماتے ہیں کہ یزید حسن المعاشرت اور پاکیزہ خصائل تھا۔محقق مورخین کہتے ہیں کہ وہ شہوت پرست اور تارک صلوۃ تھا وغیرہ وغیرہ۔

غرض یزید کے بارہ میں بھی احادیث کے عمومی اشارات سلف کی تصریحات اور مؤرخین کی تفصیلات ایک طرف ہیں اور عباسی صاحب کے نظریات ایک طرف اور ظاہر ہے کہ جس مسئلہ میں بھی کتاب وسنت کا دخل ہو جاتا ہے خواہ وہ عبارۃً ہو یا دلالۃً یا اشارۃً اس میں عقیدہ کی شان پیدا ہو جاتی ہے پس حضرت حسین اور یزید سے متعلق یہ عقائد کسی بھی درجہ اور حیثیت کے ہوں نظریات سے بہرحال بالاتر ہیں۔اور عباسی صاحب کے نظریات ان کے مقابل رخ پر جار ہے ہیں اور یہ عرض کیا جا چکا ہے کہ تاریخ اگر عقیدہ کے مطابق اور اس سے ہم آہنگ ہو گی تو قبول کی جائے گی کہ وہ تاریخ درحقیقت اس عقیدہ کی تاریخ اور اس کا تکوینی شان نزول ہوگی ورنہ رد کر دی جائے گی۔اس لئے اس اصول پر فیصلہ کر لیا جائے کہ ان عقائد کو چھوڑا جائے یا عباسی صاحب کی تاریخی ریسرچ اور دوسرے لفظوں میں ان کے اپنے نظریات اور قیاس آرائیوں کو خیرباد کہا جائے؟ جنہیں تاریخی ریسرچ کے نام پر پیش کیا گیا ہے؟

پھر جبکہ عباسی صاحب نے حضرت حسین جیسے جلیل القدر صحابی کی شان میں (جو سادات مسلمین علمائے صحابہ اور اہل بیت نبوت میں سے ہیں) جسارت و بے باکی اور گستاخی سے کام لیا ہے جس کے چند نمونے اوپر عرض کیے گئے تو انہیں صحابہ کے دعا گویوں میں شامل کیا جائے جن کو قرآن سے مستغفرین کا خطاب عزت مرحمت فرمایا ہے یا بدگویوں کی فہرست میں لیا جائے جنہیں ان کی خست و دناءت کی وجہ سے قرآن نے صحابہ کے ساتھ اس موقعہ پر قابل ذکر نہیں سمجھا۔

عباسی صاحب کا موقف اور خلاصہ بحث

بہرحال عباسی صاحب کی اس کتاب (خلافت معاویہ ویزید) اور ان کے نظریات

سے چونکہ صحابہ اور بالخصوص حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے بارہ میں مسلک اہل سنت والجماعت پر زد پڑتی تھی جس کو ابھی نمایاں کیا گیا ہے۔اس لئے ضرورت تھی کہ عموماً صحابہ کرام اور خصوصاً حضرت حسین رضی اللہ عنہ وعنہم کے بارہ میں مذہب کی تصریحات پیش کر کے واضح کیا جائے کہ اس کتاب کے نظریات سے ان پر کس درجہ اثر پڑا اور اس کے ازالہ کی کیا صورت ہے۔یزید کا ذکر بذاتہ مقصود نہ تھا مگر استطراداً اس لئے آیا کہ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہٗ کا اس سے مقابلہ ڈال کر اس کی مدح سرائی میں مبالغہ کیا گیا تو قدرتی طور پر حضرت امام کی تنقیص کیا جانا لازمی تھا سو یہ تنقیص کی گئی اور گستاخیوں کے ساتھ کی گئی اس لئے حضرت امام کے بالمقابل اس کی پوزیشن کا کھول دیا جانا بھی ضروری تھا تا کہ دونوں شخصیتوں کے بارہ میں سلف کا نقطۂ نظر واضح ہو جائے۔

ایک بات بطور اصول کے یہ بھی پیش کر دینی ضروری ہے کہ صحابہ کرام کے واقعات پیش کر کے ان پر حکم لگانے میں بنیادی غلطی یہ کی جاتی ہے کہ حکم صرف واقعات کی سطح پر لگا دیا جاتا ہے اور منشاء سے قطع نظر کر لی جاتی ہے حالانکہ کتاب وسنت اور سلف وخلف کے اجماع نے بتصریحات نصوص سارے صحابہ کو متقن عدول صالح القلب حسن النیت تقی ونقی اور اولیاء کاملین قرار دیا ہے جو محفوظ من اللہ ہیں اور خصوصیت سے حفظ دین اور روایت ونقل دین میں عادل وامین مانا ہے جن کے قلوب آزمودۂ خداوندی تقویٰ سے بھرپور تھے تو ان کے تمام احوال وافعال میں ان کے ان اوصاف سے قطع نظر کر کے حکم نہیں لگایا جا سکتا۔

ایک متقی اور فاجر کے عمل کی صورت یکساں ہوتی ہے مگر منشاء الگ الگ ہوتا ہے اس لئے باوجود صورت کی یکسانی کے حکم الگ الگ ہوتا ہے مسلم وکافر کے کھانے پینے سونے جاگنے اٹھنے بیٹھنے ازدواجی وظائف ادا کرنے رہن سہن اور عبادت وخدارسی کے جذبات میں فرق نہیں ہوتا مگر پھر بھی ان پر ایک حکم یکساں نہیں لگا دیا جاتا۔فرق وہی اندرونی ایمان وکفر کا ہوتا ہے جس سے دنیا وآخرت کے احکام دونوں کے الگ ہوتے ہیں۔ایک ہی خطا فکری ایک نوآموز طالب علم سے سرزد ہو اور وہی خطاء بعینہ ایک پختہ کار عالم سے سرزد ہو تو دونوں پر یکساں حکم عائد نہیں ہوگا۔فرق کی وجہ وہی ان کے علمی اور فکری احوال کا فرق ہوگا۔کافر ومسلم دونوں قومی جنگ

کرتے ہیں مگر ایک کی جنگ کو جہاد اور ایک کو فساد کہا جاتا ہے دونوں معبدوں میں جاتے ہیں اور ایک ہی مقصد لے کر جاتے ہیں۔ نیتیں بھی عبادت ہی کی ہوتی ہیں مگر ایک کی اطاعت مقبول اور ایک کی نامقبول ہوتی ہے یہ حکم کا فرق ان کے قلبی رخ کے فرق سے ہے نہ کہ صورت عمل سے۔ اسی طرح صحابہ کی باہم لڑائیاں بھی ہوئیں انہوں نے ایک دوسرے پر تنقید بھی کی وہ ایک دوسرے کے مدمقابل بھی آئے ان میں زمین وجائیداد پر مناقشے بھی ہوئے لیکن ان سب معاملات میں ان کے احوال باطنی ہمہ وقت ان کے ساتھ رہے اور ساتھ ہی وہ ہمہ وقت حدود شرعیہ پر قوت سے قائم رہتے جھگڑا بھی ہوتا تو دلائل کی سطح پر ہوتا تھا۔ محض دنیاداری کے جذبات پر نہیں غرض ظاہر و باطن میں حدود کا دائرہ قائم رہتا تھا۔ اس لئے ان کے اس قسم کے افعال کو ہمارے افعال پر نہ قیاس کیا جائے گا نہ اس طرح ان پر حکم لگایا جائے گا جس طرح ہم پر لگایا جاتا ہے ایک شخص ہم میں سے کسی کے سامنے کرخت لب ولہجہ یا اونچی آواز سے بول پڑے تو محض اس بولنے کی آواز اور لہجہ پر ہی رائے قائم کی جاسکتی ہے لیکن یہی اونچی آواز اللہ کے رسول کے سامنے ہوتی تو بولنے والے کے تمام اعمال ضبط اور حبط کر لئے جاتے اس حکم کے فرق کی وجہ وہی مقام اور منصب کا فرق ہے جن کے حقوق الگ الگ ہیں۔ حاصل یہ ہے کہ مقبولین اور عوام کے کاموں کو ایک پیمانہ سے نہیں ناپا جاتا اس لئے یہ ماننا پڑے گا کہ حضرات صحابہ کے معاملات پر ان کی شرعی پوزیشن سے قطع نظر کر کے حکم نہیں لگایا جاسکتا اور وہ پوزیشن محفوظ من اللہ اور مقبولان الٰہی ہونے کی ہے۔ تو ان کے ان معاملات میں بھی جن کی صورت بظاہر خطا کی نظر آئے ان کا یہ مقام محفوظیت ومقبولیت محفوظ رہے گا اور بلاتردد کہا جائے گا کہ مقبولین کی ہر ادا مقبول ہے۔ پھر اگر فعل کی صورت بھی اعلیٰ ہے تو حقیقت پہلے ہی سے اعلیٰ تھی اور اگر صورت اعلیٰ نہیں تو حقیقت بہرصورت اعلیٰ رہے گی اور حکم اسی پر لگا کر اسے خطاء اجتہادی کہا جائے گا نہ کہ معصیت غرض ان کے افعال کو ہمارے افعال پر کسی حالت میں بھی قیاس نہیں کیا جائے گا۔ جب کہ منشاء فعل میں زمین وآسمان کا فرق ہے۔

کار پاکاں را قیاس از خود مگیر — گرچہ ماند در نوشتن شیر و شیر

اس فرق کو نظر انداز کر دینے ہی سے بے ادبی اور گستاخی کا وہ مقام آتا ہے جس پر حضرت

حسین رضی اللہ عنہ کے بارہ میں آج عباسی صاحب کھڑے ہوئے ہیں اور عموماً اہل بیت کے بارہ میں خوارج کھڑے ہوئے اور شیخین اور دوسرے حضرات صحابہ کے بارہ میں شیعہ کھڑے ہو گئے اور اس طرح سلف کی شان گھٹا کر خود اپنی اور اپنے تدین کی اصلی شان خراب کر لی۔ اس سلسلہ ادب واحترام میں جہاں تک روایتی حیثیت کا تعلق ہے ہم اگر حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی مدح وثنا اور عظمت وبزرگی پر زور دے کر ان کی شان میں ہر بے ادبی اور نکتہ چینی کو ناجائز ٹھہرا رہے ہیں تو اس میں ہماری اصلی حجت کتاب وسنت ہے تاریخی راویتیں نہیں ۔ یہ تاریخی روایتیں جو کتاب وسنت کے مطابق ہوں ان کی تشریحات اور مؤیدات ہیں۔ اس لئے ہم نے حضرت حسین رضی اللہ عنہ سے متعلق مقاصد کو عقائد کہا ہے نظریات نہیں۔

ایسے ہی اگر ہم نے یزید کے فسق وفجور پر زور دیا تو اس کی بنیاد درحقیقت کتاب وسنت کے عمومی اشارات ہیں جن کی تعیین واقعات اور ارباب دین ویقین نے کی۔ اس لئے اس کے بارہ میں بھی تاریخی روایتیں جو ان احادیث کی ہمنوا اور ان سے ہم آہنگ ہوں ان کی تشریح اور مویدات کا درجہ رکھتی ہیں اصل نہیں کیونکہ کتاب وسنت کا اشارہ بھی تاریخ کی صراحت سے قوت میں بڑھا ہوا ہے۔

اس لئے جو تاریخی روایتیں مدح حسین اور قدح یزید کے حق میں ہیں وہ چونکہ وحی کے اشارات کی مؤید ہیں اس لئے قابل قبول ہوں گی۔ اگرچہ تاریخی معیار سے کچھ کمزور ہی ہوں کہ ان کی بڑی قوت کتاب وسنت کی پشت پناہی ہے اور اس کے برعکس مدح یزید اور قدح حسین کی جو روایات کتاب وسنت کے اشارات کے مخالف سمت میں ہیں بلاشبہ قابل رد ہوں گی اگرچہ تاریخی معیار سے کچھ قوی بھی ہوں کیونکہ ان کی قوت کو مخالفت کتاب وسنت نے زائل کر دیا ہے۔

اندریں صورت مدح حسین اور قدح یزید کی روایات کو سبائی روایات کہہ کر رد کر دینا اسی وقت کارگر ہوسکتا ہے جب مدعا کا ان پر مدار ہو اور جبکہ وہ مؤیدات کے درجہ کی ہیں تو قوی کی تائید میں ضعیف کا کھڑا ہونا کسی حالت میں بھی قابل اعتراض نہیں ہوسکتا۔ کتاب وسنت کے رخ پر کافر کا قول بھی حجت میں پیش کیا جاسکتا ہے جیسا کہ حضورؐ نے اپنی نبوت کی حقانیت پر بحیرا راحب کے قول سے استدلال فرمایا نہ اس لئے کہ نبوت کا ثبوت بحیرا راہب

کی روایت پر مبنی تھا بلکہ اس لئے کہ نبوت کا ثبوت وحی قطعی سے ہو چکا تھا اس لئے ایک ثابت شدہ کی تائید میں ضعیف سے ضعیف قول حتیٰ کہ کافر کا قول بھی قابل قبول ہو گیا۔ پس یزید کے فسق اور اس کے مظالم حق تلفیوں اور فاسقانہ تعدیوں کی موید اگر کوئی تاریخی روایت سامنے آئے خواہ سنی کی ہو یا شیعی کی اس لئے قابل قبول ہو گی کہ وہ اصل کی مؤید ہے۔ یہ جدا بات ہے کہ اس میں روایتی حیثیت ہی سے کوئی ایسا سقم ہو کہ وہ فنی طور پر قابل قبول نہ ہو۔ لیکن فنی طور پر اگر قابل احتجاج ہو خواہ وہ کتنی ہی کمزور ہو جب تک کہ موضوع و منکر کی حد تک نہ پہنچ جائے اشارات وحی کی تائید میں بلاشبہ استعمال کی جا سکتی ہے۔ اسی لئے حافظ ابن کثیر ان امور سے متعلق شیعی راویوں کی روایتیں بھی نقل کر جاتے ہیں اور قول بھی کرتے ہیں انہیں یہ کہہ کر رد نہیں کرتے کہ اس میں شیعی یا سبائی رواۃ بھی ہیں۔ ہاں فنی جروح کے معیار سے روایت مشتبہ یا ساقط الاعتبار ہو تو خواہ وہ سنی کی بھی ہو اسے مجروح ٹھہرا دیتے ہیں۔ بہر حال جرح و تعدیل کا بنیادی معیار راوی کا ضبط و عدالت ہے علی الاطلاق مشرب و مسلک نہیں جیسا کہ اصول حدیث کے فن میں اسے واضح کر دیا گیا ہے۔

پھر یہ کہ مدح حسین اور قدح یزید کے سلسلہ میں اگر کسی سبائی کا رد کرتے ہوئے بات وہ کہی جائے جو خارجیوں کا عقیدہ اور مذہب ہو یا اس سے ملتی جلتی ہو تو وہ افراط کا جواب تفریط سے ہو گا جو رد نہیں بلکہ رد عمل کہلائے گا اور رد عمل جذباتی چیز ہوتی ہے۔ اصول نہیں ہوتا ظاہر ہے کہ بے اصول جذبات کی بات کم از کم اہل سنت والجماعت کے لئے جو امت کا سواد اعظم اور مرکز اعتدال ہے قابل قبول نہیں ہو سکتی۔ بہر حال عقیدہ کسی بھی تاریخ اور تاریخی ریسرچ کی بنیادوں پر نہ قائم ہوتا ہے نہ اس کی وجہ سے ترک کیا جا سکتا ہے اس لئے تاریخ کو عقیدہ کی نگاہ سے دیکھا جائے گا عقیدہ کو تاریخ کی آنکھ سے نہیں دیکھیں گے۔ پس ہم نے مدح حسین اور قدح یزید کے سلسلہ میں جو کچھ بھی تاریخی طور پر کہا ہے اس کی بنیاد کتاب و سنت محدثین و فقہاء اور متکلمین کا کلام ہے۔ تاریخی نظریات نہیں جو ان کے مقابلہ میں روایت و سند کے اعتبار سے بھی کوئی اہمیت نہیں رکھتے۔ چہ جائیکہ بناء مذہب اور بنیاد عقائد بننے کی صلاحیت رکھتے ہوں۔ اس لئے ہماری پیش کردہ تاریخی روایات اس سلسلہ میں کتاب و سنت کی تبعیت

اوران کی پناہ کے دامن میں ہیں لیکن عباسی صاحب کی اس سلسلہ کی روایات خودان کے نظرو فکر اور قائم کردہ نظریات کے دامن میں ہیں۔ پس تاریخی روایات تائید کے طور پر ہم بھی لائے ہیں لیکن کتاب وسنت اور فقہ واصول فقہ کی تائید کے طور پر اور عباسی صاحب بھی لائے ہیں لیکن اپنی نظریات کی تائید کے لئے اس لئے اگر ہماری کوئی تاریخی روایت سوء اتفاق سے مجروح یا ساقط الاعتبار ہو جائے تو آخر کار ہمارے ہاتھ میں کتاب وسنت اور فقہ واصول فقہ باقی رہ جاتا ہے۔ جس سے ہمیں کسی بھی تاریخی روایت کے ہاتھ سے نکل جانے کا غم نہیں ہو سکتا کہ اصل ہاتھ میں باقی ہے لیکن اگر عباسی صاحب کی پیش کردہ تاریخی روایتیں مجروح یا ساقط الاعتبار ہو جائیں توان کے ہاتھ میں بجز اپنے دماغ کے آگے کچھ نہیں رہتا۔ یعنی وہی رہ جاتے ہیں اور کچھ نہیں رہتا تو اندازہ کر لیا جائے کہ اس میں کون سی پوزیشن مضبوط ہے اور کون سی اس قابل ہے کہ بطور مسلک کے اسے اختیار کیا جائے؟

آخری گزارش

آخر میں ایک آخری گزارش یہ ہے کہ عباسی صاحب کی اس کتاب (خلافت معاویہ ویزید) سے یقیناً حضرات شیعہ کو دکھ پہنچا ہے اور قدرتاً پہنچنا چاہئے تھا۔ لیکن اس میں ان کے لئے جہاں دکھ کا سامان موجود ہے وہیں عبرت کا سامان بھی مہیا ہے اور وہ یہ کہ جب کسی کے معتقد فیہ کو بدعنوانی کے ساتھ برا بھلا کہا جائے تو معتقدین کے دلوں پر کیا کچھ گزرتی ہے۔ شیعہ حضرات اس سے عبرت پکڑیں کہ عباسی صاحب نے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی شان میں جو کچھ بھی کلمات کہے وہ یقیناً اس سے بہت کم اور ہلکے ہیں جو حضرات شیعہ حضرات صحابہ کرام خصوصاً شیخین کے بارہ میں استعمال کرتے ہیں لیکن اس پر ہی شیعہ حضرات بلبلا اٹھے تو وہ اس سے اندازہ کر لیں کہ جب وہ حضرات شیخین اور دوسرے حضرات صحابہ کرام کی نسبت بدگوئیاں اور بدتہذیبی کے ساتھ سب وشتم کرتے ہیں تو سنیوں کے دلوں پر کیا گزرتی ہوگی اگر ان کے نزدیک عباسی صاحب کا یہ اقدام جو انہوں نے حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارہ میں کیا خلاف تہذیب اور دلآزار ہے تو انہیں سوچ لینا چاہئے کہ وہ خود جو تہذیب سے انتہائی گرا ہوا اور سب وشتم پر مشتمل دل آزار رویہ سنیوں

کے مقتداؤں کے بارہ میں رکھتے اور اسے مذہب بھی سمجھتے ہیں وہ سنیوں کے لئے کس درجہ دلآزار اور دکھ دینے والا ہے۔ اگر عباسی صاحب کا رویہ قابل ملامت وانسداد ہے تو شیعہ حضرات کی یہ سب و شتم کی روش کیوں قابل انسداد نہیں؟

پس آج حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے بارہ میں جوان پر گزری وہ اسی کو سامنے رکھ کر شیخین اور صحابہ کے بارہ میں جو سنیوں پر گزرتی ہے اپنی روش پر نظر ثانی فرمائیں۔

اہل سنت والجماعت کا مسلک ہی چونکہ مسلک اعتدال ہے اور وہ کسی ایک بھی صحابی نام کے کسی فرد کے بارہ میں ادنیٰ بے ادبی جائز نہیں سمجھتے اس لئے خوارج ہوں یا شیعہ وہ دونوں کی سنتے ہیں اور دل مسوس کر رہ جاتے ہیں اف نہیں کرتے کیونکہ ان کے یہاں مذہب ہے ردعمل نہیں وہ اپنے دل کا غم بدکلامی سے ہلکا نہیں کر سکتے کیونکہ شیعوں کے مقتداء ہوں یا خارجیوں کے وہ خود ان کے مقتداء ہیں اگر اپنے مقتداؤں کی توہین کا انتقام ان کے مقتداؤں کی توہین سے لیا جائے تو آخر وہ کس کے مقتداء ہیں؟ اس لئے ایک سنی گالی کا جواب گالی سے دے ہی نہیں سکتا۔ اور اس کے لئے بجز صبر کے کوئی چارہ کار نہیں وہ بجز اس کے کہ خوارج وشیعہ اور ان کے ہم مزاج حضرات کے مقابلہ میں ہر بدکلامی سے بچتے ہوئے شائستگی کے ساتھ حقیقت پیش کرتا رہے اور کر ہی کیا سکتا ہے؟ اس کے یہاں تو یزید بھی اگر مستحق لعنت و ملامت ہو تو وہ پھر بھی اپنے مسلک کا رشتہ اعتدال ہاتھ سے نہ دیتے ہوئے عملاً لعن وطعن سے بچتا ہی رہے گا چہ جائیکہ شیعہ یا خوارج کے مقابلہ میں ان حدود سے باہر ہو جائے کیونکہ اس کے یہاں نہ مدح میں اطراء (مبالغہ) کوئی پسندیدہ چیز ہے نہ مذمت میں غلو اور مبالغہ مناسب۔

یہ مقابلہ زیر نظر بھی نہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے فضائل ومناقب میں مبالغہ آرائی کے لئے لکھا گیا ہے نہ یزید کے حق میں لعنت و ملامت کو وظیفہ قرار دینے کے لئے۔ اگر حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی ذات ستودہ صفات کا ذکر آئے گا تو ہم بلاشبہ سر جھکا دیں گے اور ان کے نقش قدم پر سر کے بل چلنے کو ایمان وسعادت سمجھیں گے اور یزید اور اس کے قبائح ومثالب (عیوب) سامنے آئیں گے تو ہم اصل حقیقت کو سمجھ کر خاموشی اختیار کرنے ہی کو معقول جذبہ سمجھیں گے۔ اب اس کا معاملہ اللہ کے ساتھ ہے۔

ہمارے ساتھ نہیں۔ اگر عباسی صاحب یہ سلسلہ نہ چھیڑتے تو یزید کے بارہ میں جو نقول پیش کی گئیں ان کے پیش کرنے کی کبھی نوبت نہ آتی۔ پس اس مقالہ کا مقصد مدح وذم کی آرائش نہیں بلکہ ان دو شخصیتوں شہیدؓ کربلا اور یزید کے بارہ میں صرف مذہب اہل سنت کی وضاحت اور عباسی صاحب کی اس تاریخی ریسرچ سے اس پر جو اثر پڑتا تھا اس کو کھول دینا تھا اور بس جس میں اپنے ناقص علم کی حد تک کوتاہی نہیں کی گئی۔

ہم اپنے اور عباسی صاحب اور سارے مسلمانوں کے حق میں راہ مستقیم پر چلنے اور حسن انجام کے خواہاں ہیں اور دعا کرتے ہیں کہ:۔

اللھم ارنا الحق حقاً وارزقنا اتباعه و ارنا الباطل باطلاً وارزقنا اجتنابه والحمد لله اولاً وآخراً.

محمد طیب غفرلہ مدیر دار العلوم دیوبند

۲۰ رجب ۱۳۷۹ھ یوم الاربعاء

(شہید کربلا اور یزید)

۱-شہید کربلا اور یزید سے متعلق وضاحتی خط

۲-لفظ ''علیہ السلام'' کے اطلاق کے سلسلہ میں ایک وضاحت

حکیم الاسلام حضرۃ مولانا قاری محمد طیب قاسمی رحمہ اللہ

۱۔ کتاب شہید کربلا اور یزید سے متعلق وضاحتی خط

حضرت حکیم الاسلام رحمہ اللہ کی کتاب ''شہید کربلا اور یزید'' کی بعض عبارات کا سہارا لیتے ہوئے ایک شیعیت زدہ نام نہاد سنی شیعی عقائد و مسلک کو حق ثابت کرنے کی ناکام کوشش کر رہا تھا جس سے بعض جگہ کے سنی عوام میں سخت اضطراب اور بے چینی پھیلی ہوئی تھی۔ ایسے میں جناب عبدالوحید خان صاحب (فرخ آبادی) نے حضرت مہتمم صاحب کو ایک طویل خط لکھا جس میں انہوں نے حضرت مدظلہ کو صورت حال سے آگاہ کرنے کے ساتھ بتایا کہ آپ کی کتاب کی عبارت...... ''ساتھ ہی حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے جزو رسول ہونے کی وجہ سے انہیں اخلاق نبوت سے جو خلقی اور فطری مناسبت ہو سکتی ہے وہ یقیناً دوسروں کے لحاظ سے قدرتاً امتیازی شان لئے ہوئے ہونی چاہیے'' ص ۲۷ اور ص ۴۷ کی عبارت...... ہر حال! امام حسین رضی اللہ عنہ کے بارے میں عمومی اور خصوصی نصوص شرعیہ کی روشنی میں اہل سنت والجماعت کا عقیدہ ہے کہ وہ جزو رسول اور صحابی جلیل ہونے کی وجہ سے پاک باطن، پاک نیت اور عادل القلوب تھے...... ان عبارات پر شیعیت زدہ سنی نے اس قدر زور دیا جس سے معلوم ہوتا ہے کہ گویا حضرات حسنین تتمۂ رسالت تھے اور ان حضرات پر ایمان لانا مثل حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے کے ہے اس لئے کہ رسولؐ پر اس وقت تک ایمان مکمل ہی نہیں ہوتا تاوقتیکہ جزو رسول پر ایمان نہ لایا جائے۔ ذیل کے خط میں حضرت مہتمم صاحب کا وضاحتی بیان ملاحظہ فرمائیں (مرتب)

حضرت حکیم الاسلام کا جواب

حضرت المحترم زید مجدکم السامی، سلام مسنون، نیاز مقرون

گرامی نامہ نے مشرف فرمایا احقر کی تحریر اور اس سے شیعہ عقائد کا اثبات حیرت ناک بات ہے محبت اہل بیت جس میں محبت حسین رضی اللہ عنہ بھی شامل ہے ہر سنی کا ایمانی جذبہ ہے لیکن اس سے ان کی معصومیت نکالنا مارے گھٹنا سر لنگڑا کا مصداق ہے سنیوں کے یہاں تمام صحابہ رضی اللہ عنہم کی محبت تقاضائے ایمان ہے لیکن کیا اس سے سارے صحابہ رضی اللہ عنہم

کی معصومیت بھی ثابت ہو جائے گی۔ ہم تمام اولیاء اللہ کی عظمت و محبت کے قائل ہیں تو کیا سارے اولیاء اس سے معصوم بھی ثابت ہو جائیں گے؟ محبت الگ چیز ہے اور عصمت الگ بعض جگہ محبت ہوگی اور عصمت نہ ہوگی جیسے غیر نبی سے محبت ہوتی ہے مگر عصمت نہیں ہوتی اور بعض جگہ عصمت ہوتی ہے محبت نہیں ہوتی جیسے کوئی نانہجار کسی نبی سے محبت نہ کرے عداوت رکھے یا کوئی ایمان کا کھوٹا کسی فرشتہ سے محبت کے بجائے عداوت رکھے جیسے جبرئیل و میکائیل کی عداوت یہود کے دلوں میں موجزن تھی تو کیا اس سے ملائکہ اور انبیاء کی عصمت میں کوئی فرق پڑ جائے گا پس یہاں عصمت ہے مگر بعض کی محبت نہیں ہے اب اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے محبت حسین رضی اللہ عنہ کا امر فرمایا ہے تو محبت صحابہ کا بھی امر فرمایا ہے اور جیسے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی محبت کو اپنی محبت قرار دیا ہے ایسے میں تمام صحابہ کی محبت کو بھی اپنی ہی محبت فرمایا ہے جس سے واضح ہے کہ یہ سب حضرات محبوب عند الرسول تھے بلکہ حق تعالیٰ کے نزدیک بھی سارے صحابہ رضی اللہ عنہم مہاجرین ہوں یا انصار بنص قرآنی راضی و مرضی تھے جس سے بڑھ کر محبت کا اعلان دوسرا نہیں ہو سکتا تو کیا جو عند اللہ و عند الرسول محبوب و پسندیدہ ہوگا معصوم بھی ہوگا؟ اور نبوت کا تتمہ بھی ہوگا؟ یہ محض خلط مبحث اور تلبیس ہے محبت الگ چیز ہے اور عصمت الگ' اس لئے کسی کے کلام سے جس میں صحابہ یا اہل بیت کو محبوب خدا اور رسول اور محبوب امت کہا گیا ہو اپنی مزعومہ عصمت کا استنباط ایک ذاتی رائے ہوگی اور وہ بھی غلط جسے صاحب کلام کے سر تھوپا جانا خلاف دیانت ہوگا پھر جزو رسول جیسے حضرت حسین رضی اللہ عنہ ہیں' حضرت حسین رضی اللہ عنہ بھی ہیں صدیقہ فاطمہ رضی اللہ عنہا بھی ہیں اور صدیقہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کی بہنیں اور بھائی بھی ہیں جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ہی وفات پا گئے تو معلوم نہیں ان کی عصمت کے بارے میں حضرات شیعہ کیا فرماتے ہوں گے جب کہ وہ جزو رسول ہی تھے اور کیا آج کے سادات جزو رسول نہیں ہیں تو کیا اس اصول پر وہ بھی سب کے سب معصوم شمار ہوں گے؟ آخر جیسے حضرت حسین و حسن رضی اللہ عنہما بالواسطہ جزو رسول ہیں ایسے ہی بعد کے سادات بھی بالواسطہ جزو رسول و آل رسول ہیں اور ہم بحیثیت اولاد رسول ہونے کے ان کی محبت و عظمت بھی دلوں میں رکھتے ہیں لیکن کیا مذکورہ اصول کی رو سے ان

سب کو معصوم ماننا بھی ہمارے ذمہ ہوگا حضرات شیعہ اپنے عقائد و دلائل سے ثابت کریں انہیں اختیار ہے لیکن کسی کے سر رکھ کر اپنے عقائد کو ثابت کرنا جبکہ اس کے ذہن میں ان عقائد کا کوئی تخیل تک نہیں ہے دیانت کا آخر کون سا شعبہ کہلائے گا؟

خلاصہ یہ ہے کہ تمام اہل بیت تمام حضرات صحابہ اور تمام اولیائے امت کی محبت کو ایمان کا تقاضہ سمجھتے ہیں لیکن انبیاء علیہم السلام کے سوا کسی کو معصوم نہیں مانتے چہ جائیکہ ان کو متصرف فی الشریعت یا تمہ نبوت ہونے کا فاسد اور بے بنیاد خیال دل میں لائیں۔ بہر حال یہ اصول ہی سرے سے غلط ہے کہ جو محبوب عند اللہ و عند الرسول ہو وہ معصوم بھی ہو اور جو جزو رسول ہو وہ تمہ نبوت بھی ہو محبوبیت کا تعلق عمل صالح اور عقائد حقہ میں رسوخ سے ہے اس کا عصمت سے کوئی تعلق نہیں اور نبوت کا عہدہ کمال علمی اور کمال اخلاق کی انتہائی حدود سے متعلق ہے جو محض انتخاب خداوندی سے ہوتا ہے نہ کہ بدن یا اجزاء بدن سے اس لئے انہیں اصول بنا کر جو بذات خود بے بنیاد ہیں ان پر عصمت اور جزئیت نبوت کی تفریعات کرنا بنائے فاسد علی الفاسد ہے اور فضائل سے احقر کی تحریر کا تعلق حضرات حسین رضی اللہ عنہما کی خصوصیات سے ہے عصمت و نبوت سے ان کا کوئی تعلق نہیں کمالات و علم و عمل کی اعلیٰ صلاحیتوں سے اگر نبوت ملتی تو بنص حدیث نبویؐ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو ملتی مگر ان سے بھی نبوت کی نفی کی گئی ہے تو اس قسم کے قیاسیات سے کسی کو تمہ نبوت کے مقام پر پہنچانا صراحۃً شریعت اسلام کا مقابلہ ہے جو نبوت کے قدروں سے لاعلمی اور ختم نبوت کے مقام سے تجاہل ہے۔ اعاذنا اللہ منہ۔ امید ہے کہ ان سطور سے وسوسے دور ہو جائیں گے جو احقر کی تحریر پر تھوپ کر منظر عام پر لائے گئے ہیں۔ وباللہ التوفیق۔

والسلام

محمد طیب مہتمم دارالعلوم دیوبند

۲- لفظ ''علیہ السلام'' کے متعلق تحقیق

ذیل کا خط مولانا عبدالسلام صاحب نعمانی (مفتی وخطیب جامع مسجد شاہی عالمگیر بنارس) کے جواب میں ہے۔ مولانا نے غیر انبیاء خصوصاً سیدنا حضرت حسین کے نام کے جملہ دعائیہ کے طور پر ''علیہ السلام'' لکھنے یا کہنے کے متعلق حکم شرعی معلوم کیا تھا۔ مولانا نے اپنے خط میں یہ بھی تحریر کیا تھا کہ میں نے اس سلسلے میں حضرت مفتی محمود حسن صاحب سے فتویٰ طلب کیا تھا۔ حضرت مفتی صاحب کا جواب موصول ہو چکا ہے۔ اس سے جواز معلوم ہوتا ہے۔ (شفیق احمد قاسمی)

حضرت کا جواب

حضرت المحترم زید مجدکم' سلام مسنون' نیاز مقرون۔ مزاج گرامی!

والا نامہ مورخہ ۳/ جون ۸۰ء کو صادر ہوا میں اس دوران سفر میں رہا ابھی دو چار دن ہوئے مدراس بنگلور کے سفر سے واپس ہوا تو والا نامہ سے مشرف ہوا۔ حضرت حسین کے بارے میں ''علیہ السلام'' یا کسی بھی غیر نبی کے لئے ''علیہ السلام'' کا لفظ استعمال کرنے کے بارے میں اصل چیز تو فتویٰ ہی ہے جس سے جواز معلوم ہوتا ہے لیکن اس سلسلے میں میری گذارش یہ ہے کہ ایک تو قواعد شرعیہ کے تحت جواز و عدم جواز کا مسئلہ ہے یہ تو فتویٰ سے معلوم ہو گیا کہ جواز ہے لیکن اسی کے ساتھ ایک عرف عام ہے۔ جو عوام میں شائع ہے اور یہ کہ انبیاء کے لئے تو صلوٰۃ و سلام کا لفظ استعمال ہوتا ہے۔ صحابہ کے لئے رضی اللہ عنہم جو قرآنی لفظ ہے اور صلحاء و علماء امت کے لئے رحمۃ اللہ علیہ یا مرحوم کا لفظ استعمال کیا جاتا ہے عوام کے ذہنوں میں جواز یا عدم جواز کے علاوہ عرف زیادہ حجت ہوتا ہے اور وہ ان میں

کلمات سلام کو ہر ایک کے حق میں استعمال کرنے میں عرف کے زیادہ پابند ہوتے ہیں اسی طرح انبیاء وصحابہ وعلماء امت کے لئے الگ الگ قسم کے دعائیہ کلمات استعمال کرنے میں فرق مراتب بھی واضح ہوجاتا ہے اس لئے میرے خیال میں عرف کی رعایت زیادہ مناسب ہوگی اور یہ شرعی جواز کے یا عدم جواز کے منافی بھی نہیں ہے عرف امت شرعاً بھی ایک حجت کی شان رکھتا ہے اس لئے مناسب یہی ہے کہ ''علیہ الصلوٰۃ والسلام'' انبیاء کے لئے' صحابہ کے لئے ''رضی اللہ عنہ'' اور صلحاء امت اور ائمہ کے لئے ''رحمتہ اللہ علیہ'' دارالعلوم میں بھی یہی عرف رائج ہے اس لئے ہم لوگ غیر نبی کے لئے صلوٰۃ وسلام کا لفظ استعمال کرتے ہوئے ایک بوجھ محسوس کرتے ہیں اس کا تعلق جواز یا عدم جواز سے نہیں صرف فرق مراتب اور عرف عام سے ہے اور یہ عرف شریعت کے خلاف بھی نہیں ہے البتہ بعض لوگوں پر غلبہ محبت نبوی ہوتا ہے تو وہ اہل بیت کے لئے علیہ السلام کا لفظ استعمال کرتے ہیں جیسا کہ بعض اکابر کی تحریرات میں بھی ہے سو وہ جائز تو ہے مگر پھر بھی ان کا حال اور غلبہ محبت ہے اس لئے میری رائے یہ ہے کہ عرف عام کے خلاف کر کے لوگوں میں تشویش پیدا نہ کی جائے اور خواہ مخواہ فتنہ کو سر ابھارنے کا موقع نہ دیا جائے' ہاں غیر نبی کے لئے صلوٰۃ وسلام کا لفظ واجب ہوتا تو سب مجبور ہوجاتے لیکن واجب نہیں محض جواز ہے تو جواب کی صورت عرف عام کے مطابق ہے اسی کو زیر عمل رکھا جائے۔ امید کہ مزاج گرامی بعافیت ہوگا۔

والسلام

محمد طیب مہتمم دارالعلوم دیوبند

حضرت حسین رضی اللہ عنہ
کے موقف کی وضاحت

شیخ الاسلام مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہ کتاب ''حضرت معاویہ اور تاریخی حقائق'' میں لکھتے ہیں:

اب یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر یزید کی ولی عہدی نیک نیتی کے ساتھ عمل میں آئی تھی اور وہ کھلا فاسق و فاجر نہیں تھا تو حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے اس کے خلاف خروج کیوں کیا؟ یہ سوال اگرچہ ہمارے موضوع زیر بحث سے براہ راست تعلق نہیں رکھتا، لیکن چونکہ اس معاملے میں ایک دوسرے گروہ نے دوسری انتہاء پر پہنچ کر حضرت حسینؓ پر اعتراضات و الزامات کا سلسلہ شروع کر رکھا ہے، (محمود احمد عباسی خلافت معاویہ و یزید اور تحقیق مزید) اس لئے یہاں تفصیل میں جائے بغیر نہایت اختصار کے ساتھ حضرت حسینؓ کا وہ موقف بھی پیش کر دیتے ہیں جو ہم نے سمجھا ہے۔

جیسا کہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے، علماء کا راجح قول یہ ہے کہ ولی عہد بنانے کی حیثیت ایک تجویز کی سی ہوتی ہے اور خلیفہ کی وفات کے بعد امت کے ارباب حل وعقد کو اختیار ہوتا ہے کہ وہ چاہیں تو ولی عہد ہی کو خلیفہ بنائیں اور چاہیں تو باہمی مشورے سے کسی اور کو خلیفہ مقرر کر دیں۔ لہٰذا حضرت معاویہؓ کی وفات کے بعد یزید کی خلافت اس وقت تک منعقد نہیں ہو سکتی تھی جب تک کہ امت کے ارباب حل وعقد اسے منظور نہ کر لیں۔

حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ، بذات خود شروع ہی سے یزید کو خلافت کا اہل نہیں

سمجھتے تھے اور جیسا کہ پیچھے عرض کیا جا چکا ہے، یہ ان کی دیانتدارانہ رائے تھی۔ جب حضرت معاویہؓ کی وفات ہوئی تو انہوں نے دیکھا کہ حجاز کے اکابر اور اہل حل وعقد نے جن میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ وغیرہ شامل تھے، ابھی تک یزید کی خلافت کو تسلیم نہیں کیا، ادھر عراق سے ان کے پاس خطوط کا انبار لگ گیا جس سے واضح ہوتا تھا کہ اہل عراق بھی یزید کی خلافت کو قبول کرنے کے لئے تیار نہیں ہیں وہاں کے لوگ مسلسل انہیں یہ لکھ رہے تھے کہ ہمارا کوئی امام نہیں ہے اور ہم نے ابھی تک کسی کے ہاتھ پر بیعت نہیں کی۔ (الطبریؒ:۔ والبدایۃ والیعقوبی)

ان حالات میں ان کا موقف یہ تھا کہ صرف اہل شام کی بیعت پوری امت پر لازم نہیں ہو سکتی۔ لہٰذا اس کی خلافت ابھی منعقد ہی نہیں ہوئی اس کے باوجود وہ پورے عالم اسلام پر بزور متصرف ہونا چاہ رہا ہے تو اس کی حیثیت ایک ایسے سلطان متغلب کی سی ہے جو غلبہ پانا چاہتا ہے مگر ابھی پا نہیں سکا۔ ایسی حالت میں اس کے غلبہ کو روکنا وہ اپنا فرض سمجھتے تھے اور اسی لئے انہوں نے پہلے حالات کی تحقیق کے لئے حضرت مسلم بن عقیلؓ کو روانہ کیا تا کہ صحیح صورتحال معلوم ہو سکے۔ لہٰذا کوفہ کی طرف ان کا کوچ فقہی نقطۂ نظر سے بغاوت کے لئے نہیں تھا بلکہ ایک متغلب کے غلبہ کو روکنے کے لئے تھا۔ اگر ان کی نظر میں صورتحال یہ ہوتی کہ یزید پورے عالم اسلام پر بزور قابض ہو چکا ہے اور اس کا تسلط مکمل ہو گیا ہے، تب بھی وہ بہ حالت مجبوری احکام شریعت کے مطابق یزید کو سلطان متغلب تسلیم کر کے خاموش ہو جاتے، لیکن ان کی نظر میں صورت حال یہ تھی کہ یزید کا تسلط ابھی مکمل نہیں ہوا، اور وہ یہ سمجھتے تھے کہ اس کے اقتدار کو ابھی روکا جا سکتا ہے، اور یہی وجہ ہے کہ جب کوفہ کے قریب پہنچنے کے بعد انہیں معلوم ہوا کہ کوفہ کے لوگوں نے غداری کی ہے اور یزید کا تسلط وہاں پر مکمل ہو گیا ہے تو انہوں نے وہ تین مشہور تجاویز پیش کیں جن میں سے ایک یہ بھی ہے کہ:

الطبریؒ البدایۃ والنہایہ وغیرہ میں بھی اس تجویز کا ذکر ہے ایک راوی کا کہنا ہے کہ حضرت حسینؓ نے یہ تجویز پیش نہیں کی لیکن اس کے مقابلے میں وہ روایات زیادہ ہیں جن میں اس تجویز کا ذکر کیا گیا ہے۔) یا پھر میں اپنا ہاتھ یزید کے ہاتھ میں دے دوں گا۔

اس کا صاف مطلب ہی یہ ہے کہ حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو جب یہ معلوم ہو گیا

کہ یزید کا تسلط پوری طرح قائم ہو چکا ہے تو سلطان متغلب کی حیثیت سے وہ اس کے ہاتھ پر بیعت کے لئے رضا مند ہو گئے تھے، لیکن عبیداللہ بن زیاد نے شمر بن ذی الجوشن کے مشورے پر عمل کر کے ان کی کسی بات کو نہ مانا اور اس بات پر اصرار کیا کہ وہ غیر مشروط طور پر عبیداللہ بن زیاد کے پاس حاضری دیں۔ ظاہر ہے کہ عبیداللہ بن زیاد کی اس نامعقول بات کو ماننا حضرت حسین پر لازم نہیں تھا اور وہ اس میں اپنی جان کا خطرہ سمجھتے تھے، اس لئے بالآخر انہیں مقابلہ کرنا پڑا۔ اور کربلا کا المیہ پیش آ کر رہا۔

جہاں تک یزید کا تعلق ہے، یہ بالکل درست ہے کہ کسی بھی معتبر روایت سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ اس نے خود حضرت حسینؓ کو شہید کیا یا انہیں شہید کرنے کا حکم دیا بلکہ بعض روایات سے یہ ثابت ہے کہ اس نے آپ کی شہادت پر افسوس کا اظہار کیا اور عبیداللہ بن زیاد کو اپنی مجلس میں برا بھلا کہا۔ (البدایہ والنہایہ)

لیکن اس کی یہ غلطی ناقابل انکار ہے کہ اس نے عبیداللہ بن زیاد کو اس سنگین جرم پر کوئی سزا نہیں دی۔ لہٰذا مولانا مودودی صاحب نے یہ بات بالکل صحیح لکھی ہے کہ:

> ''ہم یہی روایت صحیح مان لیتے ہیں کہ وہ حضرت حسینؓ اور ان کے ساتھیوں کے سر دیکھ کر آبدیدہ ہو گیا اور اس نے کہا کہ ''میں حسینؓ کے قتل کے بغیر بھی تم لوگوں کی طاعت سے راضی تھا، اللہ کی لعنت ہو ابن زیاد پر، خدا کی قسم اگر میں وہاں ہوتا تو حسینؓ کو معاف کر دیتا'' اور یہ کہ ''خدا کی قسم اے حسین، میں تمہارے مقابلے میں ہوتا تو میں تمہیں قتل نہ کرتا'' پھر بھی یہ سوال لازماً پیدا ہوتا ہے کہ اس ظلم عظیم پر اس نے اپنے سر پھرے گورنر کو کیا سزا دی؟ حافظ ابن کثیرؒ کہتے ہیں کہ اس نے ابن زیاد کو نہ کوئی سزا دی، نہ اسے معزول کیا، نہ اسے ملامت ہی کا کوئی خط لکھا۔''

(انتخاب ''حضرت معاویہ اور تاریخی حقائق'')

خدا نے ذوالفقار دی، نبیؐ نے پارۂ جگر

اقبال سہیل اعظمی

سنی جو آمدِ علیؓ جہاں ہے محوِ سرخوشی ☆ ستم کشوں کو مل گئی نوید امنِ عام کی
ہوئیں خدا کی رحمتیں ملیں جہاں کو راحتیں ☆ نہ پوچھئے مسرتیں قلوبِ شاد کام کی
نشاط کی بن آئی ہے خوشی دلوں پہ چھائی ہے ☆ مراد اب بر آئی ہے دعائے ابراہام کی
وہ تاجدارِ انما وہ شہسوار لافتیٰ ☆ نزول وحی ھَلْ اتیٰ سند ہے فیضِ عام کی
وہ مصطفیٰؐ کا ابنِ عم درِ مدینۃ الحکم ☆ گواہ حرمتِ حرم، علیؓ، کے احترام کی
مباہلہ کا پیش رو، مقاتلہ کا برق دو ☆ فلک پہ تیغِ ماہِ نو، شبیہ ہے حسام کی
صفیِ مصطفیٰؐ ہو تم، علیِ مرتضیٰؓ ہو تم ☆ سارے جہاں میں دھوم ہے بیشک تمہارے نام کی
طفیلِ بوتراب ہو، تو کیوں نہ کامیاب ہو ☆ دعا کشود کار کی غرض حصولِ کام کی
سہیل تجھ کو مرحبا، لکھی وہ نظمِ بے بہا ☆ فضا میں گونج اٹھی صدا تحیۃ و سلام کی

خدا نے ذو الفقار دی، نبیؐ نے پارۂ جگر

☆○☆ قبول ہو یہ نذر بھی سہیلِ مستہام کی ☆○☆

فاتحِ خیبر بھی ہے تو اور شیرِ کردگار

حافظ نور محمد انور

ح حضرتِ عثمانؓ کے اے جانشین وغمگسار ☆ زندگی تیری تھی ساری دین وملت پر نثار
ی یارِ غارِ مصطفیٰؐ کا تو مشیرِ خاص تھا ☆ سرورِ کونین کا تھا بے گماں تو راز دار
د دہر میں تیری شجاعت کے ہیں چرچے چارسو ☆ مرتبہ تیرا بڑا ہے اے شہِ عالی وقار
ر رن میں تجھ کو دیکھتے ہی کانپ جاتے تھے عدو ☆ وار تیرا کوئی بھی خالی نہ جاتا زینہار
ک کردیا دنیا میں روشن تو نے دینِ حق کا نام ☆ اہلِ باطل پر چلائی جبکہ تو نے ذو الفقار
ر راہِ دیں میں کردیئے قربان تو نے مال وجاں ☆ بے شبہ ہیں دینِ حق پر تیرے احساں بیشمار
ا اہلِ باطل کے لئے تھا تو مثالِ شیرِ نر ☆ اہل حق کے واسطے تھا باعثِ صد افتخار
ر رحمتِ عالمؐ کا تو بھائی بھی ہے داماد بھی

☆○☆ فاتحِ خیبر بھی ہے تو اور شیرِ کردگار ☆○☆

مورخ اسلام قاضی اطہر مبارکپوری رحمہ اللہ کی
لاجواب علمی تصنیف "علی و حسین رضی اللہ عنہما"
سے ایک اقتباس

تلخیص
مخدوم المشائخ
حضرت سید نفیس الحسینی مدظلہم

حضرت سیدنا حسینؓ اور ان کا مقام و موقف

مؤلف کتاب ''خلافت معاویہؓ و یزید'' نے حضرت حسینؓ کو غلط کار اور حق کے خلاف خروج کا اقدام کرنے والا ثابت کرنے کے سلسلہ میں لکھا ہے:۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات اور احکام شریعت کی تصریحات سے واضح ہوتا ہے کہ حضرت حسینؓ کے امیر یزید کے خلاف اقدام خروج کا جواز مطلق نہ تھا' صحابہ کرامؓ نے جوان سے ملے انہیں طرح طرح سے سمجھایا' اور اس غلط اقدام سے باز رکھنے کی کوششیں کیں۔

یزید کا ایک قصیدہ نقل کر کے لکھا ہے:۔

''تیسرے شعر کے مضمون سے ثابت ہے کہ حضرت حسینؓ نے بھی امیر المومنین معاویہؓ کی زندگی میں امیر یزید کی ولی عہدی کی بیعت کی تھی۔

اس کے بعد بکمال غیر ذمہ داری سے ایک مسیحی مورخ ''دوزی'' کا یہ اقتباس حضرت حسینؓ پر چسپاں کرنے کی کوشش کی ہے:۔''یہی کیفیت اخلاق کی (حضرت) حسینؓ کے متعلق ہے جو ان کو ایک طفلانہ جرم کا کشتہ خیال کرتے ہیں۔ ایرانی شدید تعصب نے اس تصویر میں خدوخال بھرے اور (حضرت) حسینؓ کو بجائے ایک معمولی قسمت آزما کے جو ایک انوکھی لغزش و خطائے ذہنی اور قریب قریب غیر معقول حب جاہ کے کارن ہلاکت کی جانب تیزی سے رواں دواں ہوں' ولی اللہ کے روپ میں پیش کیا ہے۔ ان کے ہم عصروں میں اکثر و بیشتر انہیں ایک دوسری نظر سے دیکھتے تھے وہ انہیں عہد شکنی اور بغاوت کا قصوروار خیال کرتے تھے۔ اس لئے کہ انہوں نے (حضرت) معاویہؓ کی زندگی میں یزید کی (ولی عہدی) کی بیعت کی تھی اور اپنے حق یا دعویٰ خلافت کو ثابت نہ کر سکے تھے۔

ایک متعصب نصرانی مورخ کا نام لے کر مؤلف نے حضرت حسینؓ کو ولی اللہ کے روپ میں حب جاہ اور خطائے ذہنی کا گرفتار بتایا ہے۔ ان کے معاصرین کو ان کے بارے میں بدگمان ثابت کیا' اور ان کو ایک معمولی قسمت آزما بتانے کی کوشش کی ہے۔

اس کے آگے مؤلف نے کھل کر اپنی بیماری کو جو حضرت علیؓ اور حضرت حسینؓ کے خلاف دل میں پیدا ہوگئی ہے ان الفاظ میں ظاہر کیا ہے: ''حضرت علی المرتضیٰؓ کی تلوار اگر حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہؓ زوجہ مطہرہ وحبیبہ رسول صلوٰۃ اللہ علیہا کے خلاف بے نیام ہوسکتی اور اس ہودج پر تیر برسائے جاسکتے ہیں جس میں تمام امت کی ماں تشریف فرما ہو تو حضرت حسینؓ کے خلاف تلوار کیوں نہیں اٹھائی جاسکتی جن کی دعوت محض یہ تھی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا نواسہ اور حضرت علیؓ کا فرزند ہونے کی حیثیت سے خلیفہ انہیں بنایا جائے باوجود اس کے کہ ان کے خلاف شروع سے متشددانہ کارروائی نہیں کی گئی حالانکہ اصولاً یہ مطالبہ ایسا تھا کہ نہ کتاب اللہ سے اس کی کوئی سند پیش کی جاسکتی ہے نہ سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے' نہ تعامل خلفائے راشدین اور نہ عزائم آل البیت سے۔ یہی وجہ ہے کہ امت اس نظریہ پر مجتمع نہیں ہوئی' بلکہ کسی درجہ میں بھی اسے قابل اعتناء نہیں سمجھا الخ

ان چند سطروں میں حضرت حسینؓ کے خلاف اس قدر زہر ہے کہ اگر اسے ساری کتاب میں پھیلا دیا جائے تو بھی پورا کا پورا بچ رہے گا اور کتاب زہریلی ہوجائے گی۔ جب کہ مؤلف نے پوری کتاب میں یہی کیا ہے۔

ان خرافات' مزعومات اور بیہودہ خیالات کو ثابت کرنے کے لئے مؤلف نے وہ سب کچھ کیا ہے جو ایک کھلے ہوئے جھوٹ کو سچ ثابت کرنے کے لئے ضروری ہوتا ہے۔

انہوں نے کتابوں کے حوالے غلط دیئے ہیں۔ عبارتوں میں خیانت کی ہے' مطالب غلط بیان کیے ہیں ترجمہ غلط کیا ہے واقعہ کہیں کا ہے اور اسے کہیں چسپاں کیا ہے' جیسا کہ آئندہ صفحات میں نہایت مدلل ومفصل طور پر معلوم ہوگا۔

اقدام حسینؓ کی ضرورت کتاب وسنت کی روشنی میں

اسلام میں جہاں ایک طرف اتحاد واتفاق اور امن وامان قائم کرنے اور برقرار رکھنے کا حکم دیا ہے اور اس کے لئے بڑی سے بڑی جماعتی اور انفرادی قربانی دے کر صبر کی تلقین آئی ہے وہاں ظلم وستم' فسق وفجور اور منکرات کو مٹانے اور ان کے خلاف خروج کرنے اور صف آراء

ہونے کا حکم بھی آیا ہے۔ اسلام کی راہ اعتدال کی راہ ہے اور حالات کو اعتدال پر رکھنے کے لئے زمانہ اور ماحول کے مطابق دونوں قسم کے احکام صریح طور سے موجود ہیں اگر ہر جابر و ظالم اور فاسق و فاجر غلبہ و حکمران کے مقابلہ میں صبر و ضبط کی روش اختیار کی جائے گی تو دنیا میں ظلم و ستم اور فسق و فجور کا بازار گرم ہو جائے گا اور ارباب عزیمت کے لئے اصلاح حال کی کوئی صورت نہ ہوگی اور اگر حال و استقبال کا جائزہ لئے بغیر ہر ظالم و جابر طاقت سے ٹکر لی جائے گی تو ہو سکتا ہے کہ اصلاح کے بجائے شر و فساد میں اور بحران پیدا ہو جائے۔ اس لئے مسلمانوں کو تعلیم دی گئی ہے کہ جہاں تک امن و امان اور اتحاد و اتفاق کا تعلق ہے تم اپنی طرف سے اس کی بحالی کی پوری کوشش کرو اور اپنی ذات سے امت میں فتنہ نہ ہونے دو، اور جہاں تک ظلم و ستم، فسق و فجور اور نواہی و منکرات کے خلاف نفرت، اقدام اور مقابلہ کا تعلق ہے اس کی روح ضرور باقی رہنی چاہئے اور کم از کم ایک جماعت اس کے لئے ہونی ہی چاہئے جو ظلم و فسق کا مقابلہ کرے اور حالات کے تقاضے کے مطابق وہ اپنی قوت و عزیمت کو اپنی صوابدید کے مطابق استعمال کرے۔

مؤلف کتاب ''خلافت معاویہؓ و یزید'' نے یزید کی طرف داری میں فتنہ سے بچنے اور پرامن رہنے کے بارے میں احادیث و واقعات تو نقل کر دیئے مگر حضرت حسینؓ کو غلط کار ثابت کرنے کے لئے ان تمام آیات و احادیث اور واقعات کو چھپا دیا جن میں امر بالمعروف و نہی عن المنکر کا حکم آیا ہے۔ ظالم حکمران کے مقابلہ میں حق بات کہنے کو افضل جہاد بتایا گیا ہے اور دین کے اصول و فروع میں تغیر و تبدل کو مردود قرار دے کر اس کے مٹانے کی تلقین کی گئی ہے۔

ہم چند آیات و احادیث مثال کے طور پر یہاں درج کرتے ہیں جن سے معلوم ہوگا کہ حضرت حسینؓ کا خروج یزید کے خلاف ارشادات نبوی اور احکام شریعت کی رو سے نہ صرف جائز بلکہ واجب تھا اور حضرت حسینؓ اور ان کی جماعت نے یہ اقدام کر کے پوری امت کی طرف سے فرض کی ادائیگی کی اور اگر حضرت حسینؓ اور ان کے ہمنوا ایسا نہ کرتے تو امت شاید اس سے بھی شدید اور عام فتنہ میں مبتلا ہو جاتی اور بنائے ایک نہ بنتی۔ حضرت حسینؓ اور ان کے ہمنوا ''امۃ داعیۃ الی الخیر'' اور ''خیر امت تھے'' جن کے بارے میں امام ابن تیمیہؒ نے فرمایا ہے وھم اعظم قدراً عنداللہ و احسن نیتاً من غیرھم (المنتقی ص ۲۸۶) اور اگر اس ایک نقطہ کو

درمیان سے نکال دیا جائے تو یہ شہادت حسینؓ بے معنیٰ ہو کر رہ جائے گی۔ مؤلف نے اپنی پوری کتاب میں اسی نقطہ پر سیاہی پھیرنے کی کوشش کی ہے مگر ہم امام ابن تیمیہ کے بیان کی روشنی میں حسینؓ کے بالمقابل ''مردان آخربیں'' اور ''حامیان امن و صلح'' کے اجتہاد کو قدر کی نظر سے دیکھتے ہوئے حسینؓ اور ان کے ہمراہیوں کو قدر و منزلت میں اور حسن نیت میں بہتر و برتر مانتے ہیں اور علامہ ابن خلدون کی رائے کو قول فیصل قرار دیتے ہیں:۔

''سب کے سب مجتہد ہیں اور صحابہ کی دونوں جماعتوں میں سے کسی ایک پر نکیر نہیں کی جاسکتی کیونکہ نیکی اور تلاش حق کے بارے میں ان کے ارادے مفہوم و معروف ہیں اللہ تعالیٰ ہمیں ان کی اقتداء کی توفیق بخشے''

اب چند آیات و احادیث اور واقعات کو بھی سن لیجئے اور حضرت حسینؓ کے اقدام کے بارے میں ان ہی کی روشنی میں فیصلہ کیجئے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:۔

وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ ؕ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ (پ۴ع۱)

(ترجمہ) اور چاہیے تم میں سے ایک ایسی جماعت ہو جو خیر کی دعوت دے اور نیکی کا حکم کرے اور برائی سے منع کرے اور یہی لوگ کامیاب ہیں''۔

نیز اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ (پ۴ع۲)

(ترجمہ) ''تم لوگ بہترین امت ہو جو لوگوں کے فائدے کے لئے برپا کئے گئے ہو نیکی کا حکم دیتے ہو اور برائی سے روکتے ہو اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو۔''

اس سلسلہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بہت سے ارشادات ہیں، چند احادیث یہاں درج کی جارہی ہیں۔ تفصیل کتب احادیث و سیر میں موجود ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:۔ (۱) **من رای منکم منکرۃ فلیغیرہ بیدہ فان لم یستطع فبلسانہ، فان لم یستطع فبقلبہ و ذلک اضعف الایمان (مسلم)**

(ترجمہ) تم سے جو شخص کوئی امر منکر دیکھے تو چاہیے کہ وہ اسے اپنے ہاتھ سے بدل

دے اور اگر اس کی طاقت نہ رکھتا ہو تو پھر اپنی زبان سے اور اگر اس کی بھی طاقت نہ رکھتا ہو تو اپنے دل سے اور یہ ایمانی تقاضے کا سب سے کمزور درجہ ہے''

(۲) **افضل الجهاد كلمة عدل عند سلطان جائر** (ابوداؤد ترمذی)

(ترجمہ) ''افضل جہاد جابر حکمران کے سامنے کلمہ انصاف کہہ دینا ہے۔''

(۳) ایک صحابی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ افضل جہاد کیا ہے؟ آپ نے فرمایا: ''ظالم حکمران کے سامنے کلمہ حق کہہ دینا ہے۔'' نسائی۔

قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے، تم لوگ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ضرور ضرور کرو ورنہ قریب ہے کہ اللہ تعالیٰ تم پر اپنی طرف سے عقاب وعذاب برپا کرے گا اس کے بعد تم اس سے دعا کرو گے تو تمہاری دعا مستجاب نہ ہوگی۔'' (ترمذی)

جب لوگ ظالم کو دیکھ کر اس کا ہاتھ نہ پکڑلیں تو قریب ہے کہ اللہ ان سب پر اپنا عام عذاب وعقاب برپا کردے گا۔ (ابوداؤد وترمذی نسائی)

''خوب سمجھ لو کہ تم لوگوں پر ایسے ایسے امیر وحاکم بنائے جائیں گے جنہیں تم اچھا اور برا سمجھو گے، جو آدمی ان کو ناپسند کرے وہ بری الذمہ ہے اور جو ان کا انکار کرے گا سلامت رہے گا مگر جو ان سے راضی ہو کر ان کا تابع ہوگا اس پر صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ کیا ہم لوگ ایسے امراء وحکام سے جنگ نہ کریں؟ آپ نے کہا، جب تک وہ تم میں رہ کر نماز پڑھیں اس وقت تک جنگ نہ کرنا۔'' (مسلم)

''حضرت عبادہ بن صامتؓ نے بیان کیا ہے کہ ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ان باتوں پر بیعت کی، تنگی، کشادگی، خوشی، ناخوشی ہر حال میں سمع وطاعت پر اور مستحق کا حق غیر مستحق کو دے دینے پر صبر کرنے پر اور اس بات پر کہ ہم صاحب امر سے جھگڑا نہ کریں گے مگر اس صورت میں کہ تم لوگ کفر صریح دیکھو اور تمہارے پاس اللہ کی طرف سے دلیل بھی ہو اور اس بات پر کہ ہم جہاں کہیں بھی ہوں گے حق بات کہیں گے اللہ کے بارے میں کسی ملامت گر کی ملامت سے نہیں ڈریں گے۔ (بخاری ومسلم)

''جو شخص ہمارے امر میں ایسی بات ایجاد کردے جو اس سے نہیں ہے تو اس کا یہ کام

مردود ہے۔" (بخاری ومسلم)

"جو شخص ایسا کام کرے جس پر ہمارا امر نہیں ہے تو اس کا وہ کام مردود ہے۔ (مسلم)

(۱۰) حضرت عائذ بن عمرو رضی اللہ عنہ ایک مرتبہ عراق کے والی عبیداللہ بن زیاد کے پاس گئے اور کہا۔

"اے بیٹے! میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ بدترین حکمران ظالم لوگ ہیں' اس لئے تم اس بات سے بچو کہ ان میں سے ہو صحابی رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اس نرم وشیریں بات کو سن کر عبیداللہ بن زیاد نے کہا:۔

قال اجلس فانما انت نخالة اصحاب محمد صلی الله علیه وسلم

(ترجمہ) "بیٹھ جاؤ تم اصحاب محمد صلی اللہ علیہ وسلم میں (کھوکھلے) ہو۔"

اس کے اس جملہ کو سن کر حضرت عائذ نے فرمایا:۔

وهل كانت لهم نخالة ' انما كانت النخالة بعلهم و فی غیرهم (مسلم)

(ترجمہ) "کیا صحابہ میں نخالہ بھی تھے' نخالہ تو ان کے بعد اور ان کے سوا لوگوں میں تھا۔"

ان احادیث و واقعات کو دیکھئے اور سوچئے کہ اگر حسینؓ اور ان کے ہمراہی اس وقت ظلم وفسق کے مقابلہ میں کھڑے نہ ہو جاتے تو امت مسلمہ کا انجام کیا ہوتا اور بات کہاں سے کہاں جا پڑتی۔

یزید کے خلاف اقدام کی شدید ضرورت اور حسین رضی اللہ عنہ کا مقام

جب یزید کا فسق و فجور خلافت و امارت پانے کے بعد اور زیادہ ہو گیا اور وہ علی الاعلان غلط کاریوں میں مبتلا ہوتا رہا جس کی خبر دور دراز مقامات تک پھیل گئی تو ایسے وقت میں حضرت حسینؓ اس امام جائر اور خلیفہ غلط کار کے مقابلہ میں دین و دیانت کے خالص جذبہ اور حق وصداقت کی پاکیزہ نیت کے ساتھ نکلے علامہ ابن خلدون مقدمہ میں لکھتے ہیں۔

"حسینؓ کا معاملہ یہ ہے کہ جب یزید کا فسق اس کے زمانہ کے تمام لوگوں پر ظاہر ہو گیا تو کوفہ میں اہل بیعت کے طرفداروں نے حسینؓ کے پاس پیغام بھیجا کہ آپ ان کے یہاں

آ جائیں وہ لوگ اس کے معاملہ کو اٹھائیں گے اس وقت حسینؓ نے سوچا کہ یزید پر خروج اس کے فسق و فجور کی وجہ سے ضروری ہے خصوصاً اس آدمی کے لئے جسے اس پر قدرت ہے اور حسینؓ نے اپنی اہلیت اور شوکت کی وجہ سے قدرت و طاقت کا خیال کیا جہاں تک اہلیت کا تعلق ہے وہ ان کے گمان کے مطابق بلکہ اس سے بھی زیادہ تھی مگر شوکت کے بارے میں انہوں نے غلط سوچا اس بارے میں اللہ ان پر رحم کرے۔'' (مقدمہ ابن خلدون)

اس کے بعد علامہ ابن خلدون نے شوکت میں غلطی کی وجہ بیان کی ہے کہ قبیلہ مفر کی عصبیت سمٹ سمٹا کر قریش کے قبیلہ بنی امیہ کے اندر آ گئی تھی مگر اسلام نبوت اور وحی کی برکتوں کی وجہ سے اس پر پردہ پڑ گیا تھا اور جب نبوت اور وحی کا انقطاع ہو گیا اور عہد رسالت سے دوری ہو گئی تو پھر بنو امیہ کی پرانی عصبیت عود کر آئی مگر شوکت کے بارے میں حضرت حسینؓ کا واقعہ کے خلاف سوچنا کہ وہ بھی میرے ساتھ ہے اور لوگ دین و دیانت کا ساتھ دے کر اس اقدام میں میری ہمنوائی کریں گے ان کے لئے کسی صورت میں معیوب و نقصان دہ نہیں ثابت ہوا۔

اس تفصیل سے تم کو حسینؓ کے اندازہ کی غلطی معلوم ہو گئی مگر یہ غلطی دنیاوی امر میں ہوئی اور یہ دنیاوی و سیاسی غلطی ان کے لئے نقصان دہ نہیں ہو سکتی کیونکہ یہ ان کے اندازہ کی وجہ سے ہوئی آپ کا اندازہ تھا کہ یزید پر خروج کی قدرت و طاقت ہے۔''

ارباب دین و دیانت کے نزدیک ارباب عزیمت کے اس قسم کے غلط اندازے کسی طرح معیوب و نقصان دہ نہیں ہوتے مگر اہل حق کے کارناموں پر پردہ ڈالنے والے غلط کار جانبداروں کے نزدیک یہی باتیں عیب جوئی اور بہتان طرازی کے لئے بہانہ بن جاتی ہیں اور وہ ان کو اپنے مزاج و ماحول کے مطابق رنگ و روغن دے کر پیش کرتے ہیں۔

ان ہی دنوں حضرت حسینؓ نے اہل بصرہ میں سے اپنے طرفداروں کے نام ایک خط لکھا اور اپنے مولیٰ سلمان کے ہاتھ روانہ کیا' اس خط کا مضمون یہ تھا۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حسین بن علیؓ کی طرف سے مالک بن مسمع' احنف بن قیس' منذر بن ابی جارود مسعود بن عمرو اور قیس بن الہیشم کے نام السلام علیکم اما بعد میں تم لوگوں کو معالم حق کے احیاء اور

بدعات کو ختم کرنے کی دعوت دیتا ہوں اگر تم لوگوں نے اس دعوت کا جواب دے کر لبیک کہا تو رشد و ہدایت کی راہ پا کر ہدایت یاب ہو جاؤ گے" والسلام" (اخبار الطوال)

ان مسلمہ تصریحات سے ثابت ہو رہا ہے کہ حضرت حسینؓ کی دعوت یزید کے خلاف سراسر دین و دیانت کی دعوت تھی اور اس میں کسی قسم کی نسلی یا خاندانی آمیزش نہیں تھی نہ اس اقدام میں علیؓ کا بیٹا اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا نواسہ ہونے کی وجہ سے استحقاق کا تصور تھا اور نہ ہی حب جاہ اور دنیا طلبی کا جذبہ کام کر رہا تھا نیز اس وقت جو صحابہ حضرت حسینؓ کے ساتھ نہ نکلے اور نہ ہی ان کے اس اقدام پر نکیر کی وہ بھی اس حقیقت سے اچھی طرح واقف تھے کہ حضرت حسینؓ کا یزید کے خلاف یہ اقدام صرف اس کے فسق و فجور کے ختم کرنے اور معالم حق کے اجاگر کرنے کے لئے ہے۔ چنانچہ حضرت حسینؓ عین یزید کے معرکہ میں شامی فوجوں کو للکار کر کہتے تھے کہ میری دعوت و حیثیت کو تم لوگ ان اجلہ صحابہ سے معلوم کرو جو میرے ساتھ نہ ہونے کے باوجود صورت حال سے اچھی طرح واقف ہیں اور یزید اور میرے حالات کو جانتے ہیں علامہ ابن خلدون لکھتے ہیں۔

"اور جس وقت حسینؓ کربلا میں جنگ کر رہے تھے اپنی فضیلت و اہلیت اور برحق ہونے پر ان ہی صحابہ کو گواہ بناتے تھے اور مقابل فوجیوں سے کہتے تھے کہ تم لوگ جابر بن عبداللہ، ابوسعید خدری، انس بن مالک، سہیل بن سعید، زید بن ارقم اور ان جیسے دوسرے صحابہ سے پوچھ لو۔" (مقدمہ ابن خلدون)

ان ہی واقعات و حقائق کی روشنی میں علامہ ابن خلدون نے نہایت واضح الفاظ میں یزید کے مقابلہ میں حضرت حسینؓ کے اقدام اور خروج کو برحق قرار دے کر ان کو شہید مثاب و قتیل برحق قرار دیا ہے اور قاضی ابوبکر العربی مالکی اندلسی صاحب "العواصم من القواصم" کا شدومد سے رد کر کے ان کی غلطی کو بیان کیا ہے اور یزید کی کارستانیوں کو اس کے فسق و فجور کے لئے موکد بتایا ہے۔

"بلکہ حسینؓ سے یزید کی جنگ ان حرکتوں میں سے ہے جو اس کے فسق و فجور کو موکد بناتی ہیں اور حسینؓ اس میں شہید ہو کر اللہ سے اجر و ثواب کے مستحق ٹھہرے اور وہ حق و اجتہاد پر تھے اور قاضی ابوبکر بن العربی مالکی نے اس مسئلہ میں غلطی کی اور اپنی کتاب العواصم من

القوصم میں لکھ دیا کہ حضرت حسینؓ اپنے نانا کی شریعت کے مطابق قتل کیے گئے حالانکہ یہ رائے غلط ہے انہوں نے یہ غلطی اس لئے کی کہ وہ امام عادل کی شرط سے غافل ہو گئے اور حضرت حسینؓ سے بڑھ کر ان کے زمانہ میں دوسرا کون شخص امامت وعدالت کے اعتبار سے اہل آراء کے قتال کے لئے اعدل و برحق ہو سکتا تھا؟'' (مقدمہ ابن خلدون)

اسی طرح امام ابن تیمیہؒ نے حضرت حسینؓ کو نہایت واضح الفاظ میں اللہ تعالیٰ کے یہاں بلند مرتبہ اور پاک نیت تسلیم کیا ہے حالانکہ انہوں نے یزید یا اس جیسے خلیفہ و امیر کے خلاف خروج کو غلط قرار دیا ہے کیونکہ اس سے فتنہ پیدا ہوتا ہے اور عموماً اس کے نتیجہ میں اہل حق پر اہل باطل غالب آ جاتے ہیں پھر بھی علامہ ابن تیمیہؒ نے ایسے مردان حق اور ارباب صدق و صداقت کو خاموش رہنے والوں کے مقابلہ میں ہر اعتبار سے بہتر قرار دیا ہے وہ لکھتے ہیں:۔

وهو اعظم قدرا عند الله واحسن نيتاً من غيرهم (المنتقی ص ۲۸۶)

(ترجمہ) ''ایسے لوگوں کی قدر و منزلت اللہ تعالیٰ کے نزدیک بہت زیادہ ہے اور دوسروں کے اعتبار سے ان کی نیت بہتر ہے''۔

علامہ ابن تیمیہ نے حضرت حسینؓ کے مقابلہ میں یزیدی فوجوں کو ظالم و طاغی قرار دیتے ہوئے آپ کو شہید مظلوم بتایا ہے اور یزیدی فوجوں کو ان کے قتل کا مجرم گردانا ہے' چنانچہ لکھتے ہیں:

(ترجمہ) ''بلکہ ان ظالموں سرکشوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نواسے پر قبضہ پالیا یہاں تک کہ آپ کو ظلماً قتل کر کے شہید مظلوم بنا دیا۔'' (المنتقی)

آگے چل کر شہادت حسینؓ کو شہادت عثمانؓ کے ہم پلہ قرار دیتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

''اور شہادت حسینؓ کے نتیجہ میں فتنے برپا ہوئے' جس طرح کہ شہادت عثمانؓ کے نتیجہ میں فتنے برپا ہوئے۔'' (ص ۲۸۷)

ایک مقام پر یزیدی فوجوں کی شرارت اور حضرت حسین کی براءت کا اظہار فرماتے ہوئے لکھتے ہیں کہ آخر میں حضرت حسینؓ نے یزیدی فوجوں سے امن وامان کی بات کی مگر انہوں نے آپ کو قتل کر ڈالا' ملاحظہ ہو: ''آپ نے کربلا سے واپسی کا ارادہ کیا تو ظالم دستہ نے آپ کو پالیا' آپ نے یزید کے پاس جانے کی مہلت طلب کی یا صحرا سرحد کی طرف میں

چلے جانے یا پھر اپنے شہر مدینہ میں لوٹ جانے کی پیشکش کی، مگر انہوں نے ان تین باتوں میں سے کسی ایک کو نہ ہونے دیا اور یہ کہ آپ پہلے ان کے قیدی بن جائیں مگر حسین رضی اللہ عنہ نے اپنے کو ان کے حوالے کرنے سے اور عبیداللہ بن زیاد کے پاس جانے سے انکار فرمایا اور جنگ کی یہاں تک کہ قتل کر دیئے گئے اور شہید مظلوم ہو گئے۔" (المنتقیٰ)

علامہ ابن خلدون اور علامہ ابن تیمیہؒ کی ان تصریحات کے بعد حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے اقدام خروج اور موقف کی حقیقت سامنے آ جاتی ہے اور اس حقیقت پر پردہ ڈالنا آفتاب پر خاک ڈالنے کے مترادف بن جاتا ہے۔

امن و صلح کی کوشش اور اتمام حجت

حضرات حسنینؓ نے پوری زندگی امن و صلح کی بحالی کے لئے قربانیاں دیں حضرت حسنؓ اپنے حق سے حضرت معاویہ کے حق میں دست بردار ہوئے اور دونوں بھائیوں نے نہایت خوش دلی اور رضامندی سے نباہا اور ہر طرح ان کا ساتھ دے کر اپنی طرف سے حجت تمام کر دی اور دوسروں کو خلاف امن و صلح سرگرمیوں سے برابر روکا۔

جن لوگوں نے ان حضرات کو ورغلایا ان کا جواب نہایت سنجیدگی اور صفائی کے ساتھ دیا چنانچہ جب حجر بن عدی اور عبیدہ بن عمرو نے حضرت حسنؓ کو اس پر عار دلایا اور ورغلایا تو آپ نے ان کو جواب دیا:

قد بايعنا وعاهدنا ولاسبيل الى نقض بيعتنا (الاخبار الطوال ص ۲۳۳)

(ترجمہ) "ہم معاویہؓ کی بیعت کر کے اس سے عہد کر چکے ہیں اور ہماری بیعت کے توڑنے کی کوئی سبیل نہیں ہے۔"

علی بن محمد ہمدانی کا بیان ہے کہ میں اور سفیان بن معاذ دونوں مدینہ میں حسنؓ کے پاس گئے اس وقت ان کے پاس مسیّب بن عتبہ اور عبداللہ بن دواک تمیمی اور سراج بن مالک خثعمی موجود تھے۔ میں نے کہا السلام علیک یا مذل المومنین (تم پر سلام ہو اے مومنوں کے ذلیل کرنے والے) حسنؓ نے جواب دیا۔

"وعلیک السلام بیٹھ جاؤ میں مومنوں کو رسوا کرنے والا نہیں ہوں بلکہ ان کو معزز بنانے

والا ہوں۔ میں نے معاویہ سے صلح کر کے اس کے سوا کوئی ارادہ نہیں کیا ہے کہ تم لوگوں سے کشت وخون کو دفع کر دوں کیونکہ میں نے اپنے لوگوں کی جنگ سے سستی اور ان کے اس سے کترانے کو دیکھا خدا کی قسم اگر ہم معاویہؓ کے پاس پہاڑوں اور درختوں کی فوج لے کر جائیں تب بھی اس معاملہ کے جاری کرنے کے علاوہ کوئی چارہ نہیں ہے۔'' (ص ۲۲۳)

حسنؓ سے یہ جواب پانے کے بعد ہم لوگ وہاں سے نکل کر حسینؓ کے پاس گئے اور ان کو حسنؓ کے جواب کی خبر دی تو انہوں نے کہا: ''ابو محمد (حضرت حسن کی کنیت ہے) نے سچ کہا' تم لوگوں سے ہر شخص کو چاہئے کہ اپنے گھر کا فرش بن جائے جب تک یہ انسان زندہ ہے۔'' (۲۲۳)

اس کے بعد جب حضرت حسن رضی اللہ عنہ کا وصال ہو گیا اور اہل کوفہ کو اس کی خبر ہوئی تو انہوں نے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے پاس اس مضمون کا خط لکھا کہ ہمارے یہاں کے شیعہ (طرفداران اہل بیت) آپ کی طرف نظر جمائے ہوئے اپنی جانوں کو ہتھیلی پر لئے بیٹھے ہیں وہ آپ کے برابر کسی دوسرے کو نہیں سمجھتے ان کو آپ کے بھائی حسنؓ کی رائے جنگ کے دفع کرنے کے بارے میں معلوم ہے اور وہ آپ کی نرمی اپنے دوستوں کے حق میں اور سختی اپنے دشمنوں کے حق میں پہچان چکے ہیں۔ اگر آپ اس امر خلافت کو طلب کرنا پسند کرتے ہیں تو ہمارے پاس آجائیے' ہم نے آپ کے ساتھ اپنے کو موت کے لئے پوری طرح تیار کر رکھا ہے''۔

اس خط کا جواب حضرت حسینؓ نے ان الفاظ میں دیا: ''میرے بھائی کے بارے میں مجھے امید ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو توفیق دی اور درست راہ دکھائی باقی رہا میرا معاملہ تو آج میری یہ رائے نہیں ہے' اللہ تم پر رحم کرے' تم لوگ زمین سے لپٹ جاؤ اور گھروں میں چھپ رہو اور جب تک معاویہ زندہ ہیں' فتنے سے بچتے رہو اس کے بعد اگر اللہ تعالیٰ نے معاویہ کے سلسلہ میں کوئی نئی بات پیدا فرما دی ہو تو میں زندہ رہا' تو تمہارے پاس بھی اپنی رائے لکھ بھیجوں گا۔'' (ص ۲۲۳'۲۲۴)

ان واقعات سے معلوم ہو جاتا ہے کہ حضرت حسینؓ نے امن و صلح اور عہد و پیمان کے لئے کیا کیا۔

اعتراف واحترام

خود حضرت معاویہ حضرت حسینؓ کی طرف سے ہر طرح مطمئن تھے اور ان کی بیعت پر پورا اعتماد رکھتے تھے بلکہ اپنے عمال کو ان کے بارے میں غلط فہمی میں مبتلا ہونے سے روکتے

تھے چنانچہ ایک مرتبہ ایک معاملہ میں کوفہ کے کچھ اعیان واشراف حضرت حسینؓ کے پاس مدینہ منورہ آئے اور چند دنوں تک رہ کر ان کے پاس آتے جاتے رہے اس وقت مدینہ کا گورنر مروان بن حکم تھا۔ اس کی خبر شدہ شدہ اس کے پاس پہنچی اس نے اس صورت حال کو خطرناک سمجھتے ہوئے حضرت معاویہ کو لکھا کہ عراق سے کچھ لوگ یہاں حسین کے پاس آئے ہیں اور وہ ان کے پاس مقیم ہیں اس بارے میں آپ مجھے مناسب مشورہ دیجئے حضرت معاویہ نے بڑے انشراح اور وثوق واعتماد کے ساتھ مروان کو لکھا۔

''تم کسی معاملہ میں حسینؓ سے چھیڑ چھاڑ نہ کرو کیونکہ انہوں نے ہماری بیعت کرلی ہے' اور وہ نہ ہماری بیعت توڑنے والے ہیں اور نہ ہمارے عہد کو ذلیل کرنے والے ہیں۔''

حضرت معاویہ نے مروان کو یہ لکھا اور خود حضرت حسینؓ کو یہ خط لکھا ہے:۔

''امابعد آپ کی طرف سے میرے پاس چند ایسی باتیں پہنچی ہیں جو آپ کے شایان شان نہیں ہیں کیونکہ جس نے اپنا ہاتھ دے دیا اسے وفاداری کرنی چاہیے۔

حضرت معاویہ کے اس مکتوب کے جواب میں حضرت حسین نے نہایت ہی بلیغ اور جامع جواب لکھا' جس میں اپنی وفاداری اور ذمہ داری کا اعلان فرمایا۔

ماارید حربک ولا الخلاف علیک (ص ۲۲۶)

''میں آپ سے نہ جنگ چاہتا ہوں اور نہ آپ سے اختلاف کرنا چاہتا ہوں''۔

اس کے بعد علامہ ابوحنیفہ دینوری نہایت واضح الفاظ میں لکھتے ہیں۔

''حسنؓ اور حسینؓ نے معاویہ کی زندگی بھر ان کی طرف سے اپنے بارے میں کوئی برائی نہیں دیکھی اور نہ معاویہ نے ان دونوں حضرات سے ایسی چیز (وظیفہ وغیرہ) بند کی جس کی ان کے لئے شرط لگائی تھی اور نہ ہی ان حضرات کے ساتھ حسن سلوک میں فرق آنے دیا۔''

حضرت معاویہؓ نے اپنی خلافت وامارت کے پورے زمانہ میں حضرت حسنؓ اور ان کے بعد حضرت حسینؓ کے ساتھ حسن سلوک اور محبت ومروت کا رویہ رکھا اور ان حضرات نے بھی نہایت ذمہ داری سے بیعت صلح کو فرض کے ساتھ نبھایا' اور جب کبھی ان کے طرفداروں نے ورغلایا تو ان کو صاف صاف جواب دیا گیا کہ ہم صلح اور بیعت کے بعد بدعہدی اور بے وفائی

نہیں کر سکتے' بھائی کی وفات کے بعد حضرت حسینؓ نے تمام باتوں کو قائم رکھا اور ان میں سرمو فرق نہ آنے دیا۔ اسی طرح حضرت معاویہ نے بھی ان کا پورا پورا لحاظ و احترام فرمایا۔

اس کے بعد جب حضرت معاویہؓ ۶۰ ھ میں مرض الموت میں مبتلا ہوئے تو اس حالت میں بھی ان کو خاص طور سے حضرت حسینؓ کا خیال رہا' چنانچہ انہوں نے یزید کو وصیت کے لئے یاد فرمایا مگر وہ اس وقت شہر دمشق سے غائب تھا اور جب انتظار کے بعد نہ آیا تو اپنے پولیس افسر ضحاک بن قیس فہری اور اپنے محافظ مسلم بن عقبہ کو بلایا اور ان سے کہا کہ میری یہ باتیں یزید کو پہنچا دینا حضرت معاویہؓ نے جہاں یزید کو اور باتوں کی وصیت کی وہاں یہ بھی فرمایا یزید کے بارے میں مجھے جن چار آدمیوں کی طرف سے خطرہ ہے ان میں سے ایک حسین بن علیؓ بھی ہیں مگر بہرحال ان کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آنا ضروری ہے۔"

"رہا حسین بن علیؓ کا معاملہ تو میرا خیال ہے کہ اہل عراق ان کو چھوڑنے والے نہیں ہیں پس اگر وہ تمہاری مخالفت بھی کریں اور تم ان پر قابو بھی پاؤ تو ان سے درگزر کرنا۔" (۲۲۷)

امن و صلح خطرے میں

مگر جب یزید کو تخت امارت مل گیا تو اس نے سب سے پہلا حکم یہی دیا کہ ان چاروں کی بیعت فوراً زبردستی لی جائے اور اس میں کسی قسم کی رعایت نہ کی جائے اور نہ دیر ہونے پائے۔

فلم تكن ليزيد همة حين ملك الابيعة هؤلاء الاربعة

ترجمہ "جس وقت یزید امارت و خلافت کا مالک ہوا ان چاروں کی بیعت کے علاوہ اس کو کوئی دھن نہیں تھی"۔

چنانچہ اس نے مدینہ کے عامل ولید بن عتبہ بن ابوسفیان (اپنے چچا) کو لکھا۔

ان ياخذهم بالبيعة اخذ اشديدا لا رخصة فيه (ص ۲۲۸)

(ترجمہ) "ان چاروں سے سخت قسم کی بیعت لے اس میں ذرا مہلت نہ ہونے پائے۔"

یزید کا یہ تند و تیز اور ناعاقبت اندیشانہ اور باپ کی وصیت کے خلاف خط دیکھ کر ولید بہت گھبرائے کیونکہ اس سے فتنہ کا ڈر تھا انہوں نے مروان سے مشورہ کیا مروان بڑا چالاک

تھا اس نے بھی حضرت حسینؓ اور حضرت عبداللہ بن زبیرؓ سے بیعت لینے اور انکار پر قتل کر دینے کا مشورہ دیا نیز اس نے کہا۔

تم حسین بن علیؓ اور عبداللہ بن زبیرؓ کو پکڑ واور اسی وقت ان کو بلوا بھیجو اگر وہ دونوں بیعت کرلیں تو خیر ورنہ اس سے پہلے ان دونوں کی گردن مارو کہ معاویہ کے انتقال کی خبر عام ہو اور ان دونوں میں سے ہر ایک کسی کسی علاقہ میں اچھل پڑے اور مخالفت ظاہر کرنے لگے۔" (ص ۲۲۹)

ولید حضرت معاویہؓ کی پالیسی کے آدمی تھے' طبعاً صلح پسند تھے اور حضرت حسینؓ کا بڑا احترام کرتے تھے انہوں نے حضرت حسین کو بلایا اور دار الامارہ میں مروان کے سامنے یزید کا خط سنا کر بیعت کے بارے میں بات کی۔ حضرت حسین نے فرمایا۔"

ان مثلی لا یعطی بیعته سراً وانا طوع یدیک فاذا جمعت الناس لذالک حضرت و کنت واحدامنهم (ص ۲۲۹)

(ترجمہ) "مجھ جیسا آدمی چھپ کر بیعت نہیں کرتا' میں تو آپ کے ہاتھ میں ہوں' جب آپ اس کام کے لئے عام لوگوں کو جمع کرلیں گے تو میں حاضر ہو کر ان میں ہو جاؤں گا۔" ولید نے حضرت حسینؓ کی صاف ستھری اور دانشمندانہ بات سن کر کہا کہ اچھا اس وقت جایئے اور لوگوں کے ساتھ پھر ہمارے پاس آیئے گا۔ حضرت حسینؓ کے چلے جانے کے بعد مروان نے ولید سے کہا کہ تم نے میری بات نہیں مانی خدا کی قسم اب امکان جاتا رہا مروان کی ان باتوں کو سن کر ولید نے نہایت صفائی سے کہا۔

"اے مروان! تم پر افسوس ہے کیا مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیٹی فاطمہ کے لڑکے حسینؓ کو قتل کرنے کا اشارہ کرتے ہو خدا کی قسم جس آدمی کا محاسبہ قیامت کے دن حسینؓ کے خون کے بارے میں ہوگا اس کے اعمال کا ترازو اللہ کے یہاں ہلکا ہوگا"۔ (الاخبار الطوال ص ۲۲۹)

ان بیانات سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ حضرت حسینؓ کو یزید کی بیعت سے کوئی عذر نہیں تھا البتہ وہ چار آدمیوں سے خفیہ اور زبردستی بیعت لینے کے خلاف تھے اور چاہتے تھے کہ یہ بیعت اہل مدینہ اور مہاجرین و انصار کے مجمع میں ہو جیسا کہ اب تک یہی ہوتا رہا ہے بلکہ علامہ ابن خلدون نے لکھا ہے کہ مروان نے عبداللہ بن زبیرؓ اور حسین بن علیؓ کے قتل کرنے کی بات حضرت

حسینؓ کے سامنے ہی ولید سے کہی' جس کا آپ نے فوراً جواب دیا' تاریخ ابن خلدون میں ہے۔

''مروان بولا' ان کو بغیر بیعت کیے ہوئے نہ جانے دو' ورنہ ان جیسے شخص سے بیعت نہ لے سکو گے جب تک تم میں اور ان میں خون کا دریا نہ رواں ہوگا اور اگر تم ایسا نہیں کرو گے تو میں لپک کر ان کی گردن اڑا دوں گا۔ اس فقرہ کے تمام ہوتے ہی حسین بن علیؓ نے ڈانٹ کر کہا ''تو مجھے قتل کر دے گا؟ واللہ تو جھوٹا ہے'' مروان یہ سن کر دب گیا' آپ لوٹ کر اپنے مکان پر تشریف لائے مروان ولید کو ملامت کرنے لگا۔'' (ترجمہ تاریخ ابن خلدون ج ۵ ص ۶۹)

اس یزیدی اور مروانی سیاست کے مقابلہ میں حضرت حسینؓ کی اور حضرت ابن زبیرؓ کی دیانت وامانت اپنے کو ہر طرف سے غیر محفوظ پا رہی تھی جس کی وجہ سے حالات کا رخ بدلنے لگا۔

چنانچہ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ نے اپنی عزت و آبرو اور جان بچانے کی غرض سے مدینہ منورہ کو خیر باد کہا انہوں نے ولید سے اس کا اظہار بھی کیا تھا علامہ ابن خلدون لکھتے ہیں۔

''باقی رہے عبداللہ بن زبیرؓ وہ اپنے اعزہ واقارب کو مجتمع کر کے اپنے مکان میں چھپ رہے' ولید آدمی پر آدمی بلانے کو بھیجنے لگا' آخر الامر اپنے غلاموں کو ابن الزبیر کے گرفتار کر کے لانے پر متعین کیا' غلاموں نے سخت وسست کہا' چاروں طرف سے مکان کو گھیر لیا' ابن الزبیرؓ نے مجبور ہو کر اپنے بھائی جعفر کے ذریعہ ولید کے پاس کہلا بھیجا' تمہارے غلاموں نے میری بے عزتی کا کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا' تم ذرا صبر کرو' میں کل آؤں گا۔ تم اپنے غلاموں اور آدمیوں کو بلا لو' ولید نے اپنے غلاموں کو واپس بلا لیا۔ (ص ۶۹' ۷۰)

اس کے بعد حضرت ابن زبیرؓ عزت و آبرو اور جان بچانے کے لئے رات کو مکہ روانہ ہو گئے اور ولید نے ان کے تعاقب میں آدمی روانہ کئے' ان آدمیوں نے ناکام واپس آ کر حضرت حسینؓ کے ساتھ وہی رویہ اختیار کیا' علامہ ابن خلدون کا بیان ہے۔

''تمام دن یہ لوگ حسین بن علیؓ کو تنگ کرتے رہے' ولید بار بار آپ کو بلا بھیجتا تھا' اور آپ نہ جاتے تھے' پھر آپ نے آخر میں کہلا بھیجا' رات کا وقت ہے' اس وقت صبر کرو' صبح ہونے دو' دیکھا جائے گا۔ (ص ۷۰)

اس طرح ابن زبیرؓ کے نکل جانے کے بعد حضرت حسین پر مشق سیاست ہونے لگی۔

اوران کے لئے بھی عزت وآبرو سے اپنے گھر میں بال بچوں کے ساتھ رہنا خطرہ میں پڑ گیا۔

حضرت محمد بن حنفیہ رحمہ اللہ کا مشورہ

حضرت حسینؓ کے بھائی حضرت محمد بن حنفیہ تمام صورتحال سے اچھی طرح آگاہ تھے انہوں نے اپنے بھائی حضرت حسینؓ کو مدینہ سے عزت وآبرو کے ساتھ جان بچا کر نکل جانے کا مشورہ دیا اور حضرت حسین نے ان کے مشورہ پر عمل کرتے ہوئے مکہ کی راہ لی تھی علامہ ابن خلدون کا بیان ہے۔

''صرف محمد بن الحنفیہ رہ گئے' مکہ معظمہ جانے کی محمد بن الحنفیہ ہی نے رائے دی تھی کہ تم یزید کی بیعت سے اعراض کر کے کسی دوسرے شہر میں چلے جاؤ اور وہاں سے اپنے دعاۃ کو اطراف وجوانب بلاد اسلامیہ میں روانہ کرو اگر وہ لوگ تمہاری بیعت منظور کرلیں تو اللہ تعالیٰ کا شکریہ ادا کرنا اور اگر تمہارے سوا انہوں نے متفق ہوکر کسی دوسرے کو امیر بنالیا تو اس کا کوئی نقصان نہ ہوگا نہ تمہارے دین کو مضرت پہنچے گی اور نہ تمہاری عقل کو، نہ اس میں تمہاری آبروریزی ہوگی مجھے اندیشہ اس کا ہے کہ کہیں تم ایسے شہر یا ایسی قوم میں نہ چلے جاؤ جس میں سے کچھ لوگ تمہارے ساتھ اور کچھ لوگ تمہارے مخالف ہوں اور جس سے بدی کی ابتدا تم ہی سے ہو حسین بن علیؓ نے دریافت کیا اچھا ہم کہاں جائیں جواب دیا مکہ جاؤ اگر تم کو انہیں کے ساتھ یہ باتیں وہاں حاصل ہو جائیں تو فبہا ورنہ ریگستان اور پہاڑوں کی گھاٹیوں میں چلے جانا اور ایک شہر سے دوسرے شہر کا رخ کرنا' یہاں تک کہ کوئی امر لوگوں کے اجتماع و اتفاق سے طے ہو جائے حسین بن علیؓ نے اس رائے کو پسند کیا بھائی سے رخصت ہو کر نہایت سریع السیری کے ساتھ مکہ میں آپہنچے۔ (ص ۰ ۷)

اس مشورہ کے بعد حضرت حسینؓ نے دوسری رات کو داروگیر سے بچتے ہوئے اپنے وطن مدینہ منورہ کو خیرباد کہا جس کے بعد پھر ان کو اس کی طرف واپسی نصیب نہ ہوسکی۔ علامہ دینوری لکھتے ہیں۔

''جب شام ہوگئی اور رات کی سیاہی چھا گئی تو حضرت حسین رضی اللہ عنہ بھی مکہ مکرمہ کی طرف چلے ان کے ہمراہ ان کی دو بہنیں ام کلثوم اور زینب اور بھائیوں کے بیٹے ابوبکر' جعفر' عباس اور آپ کے اہل بیت سے جو لوگ مدینہ میں تھے سب کے سب نکلے۔ صرف

ان کے بھائی محمد بن حنفیہ نہیں نکلے اور وہیں مقیم رہے''۔ (الاخبار الطوال ص ۲۳۰)

حضرت مسلم بن عقیل بھی حضرت حسینؓ کے ہمراہ ہی مدینہ سے مکہ چلے آئے تھے ادھر حضرت عبداللہ بن زبیرؓ اور حضرت حسینؓ مکہ معظمہ پہنچے اور ادھر مدینہ منورہ میں وہی تماشا برپا ہوگیا جس کے خوف سے یہ حضرات نکلے تھے علامہ ابن خلدون لکھتے ہیں۔

''ان واقعات کی اطلاع یزید کو ہوئی تو اس نے ولید بن عتبہ کو مدینہ منورہ کی حکومت سے معزول کر کے عمرو بن سعید الاشدق کو مامور کیا' چنانچہ عمرو بن سعید ماہ رمضان المبارک ۶۰ ھ میں داخل مدینہ منورہ ہوا اس نے محکمہ پولیس کی افسری عمرو بن الزبیر کو دی اس وجہ سے کہ ان میں اور ان کے بھائی عبداللہ بن زبیر میں کسی وجہ سے ناچاقی وکشیدگی تھی چنانچہ اس نے اسی وجہ سے مدینہ منورہ کے چندلوگوں کو جو ہوا خواہ عبداللہ بن زبیر تھے گرفتار کرا کے چالیس سے پچاس ساٹھ درے تک پٹوائے۔ ازاں جملہ منذر بن الزبیر اور ان کالڑکا محمد اور عبدالرحمٰن بن الاسود بن عبد یغوث' عثمان بن عبداللہ بن حکیم بن حزم' محمد بن عمار بن یاسر وغیرہم تھے۔ بعداس کے عمرو بن سعید نے سات سو یا اس سے زیادہ آدمیوں کو مکہ کی طرف روانہ کرنے کو مسلح و مرتب کیا۔ عمرو بن الزبیر سے ان کی افسری کی بابت مشورہ لیا عمرو بن الزبیر نے جواب دیا مجھ سے زیادہ کوئی شخص اس کام کے لئے موزوں نہ ہوگا پس عمرو بن سعید نے عمرو بن الزبیر کو بسرافسری سات سو جنگ آوروں کے جس میں انیس بن عمرو الاسلمی بھی تھا مکہ معظمہ کی طرف روانہ کیا۔'' (ترجمہ تاریخ ابن خلدون ص ۲۷۱' ج ۵)

مکہ پر فوج کشی کو دیکھ کر مروان جیسے سخت قلب انسان کا دل پسیج گیا اور وہ ملامت کر کے کہنے لگا اللہ تعالیٰ سے ڈرو بیت اللہ کی حرمت کو حلال نہ کرو عبداللہ بن الزبیرؓ سے درگزر کرو ساٹھ برس کی اس کی عمر ہوگئی وہ کیا اس کی مخالفت کرے گا مروان کی ان ناصحانہ باتوں کو سن کر عمرو بن سعید نے کہا۔

''واللہ میں اس سے عین خانہ کعبہ میں لڑوں گا'' (ص ۲۷)

اس کے بعد عمرو بن سعید اور عمرو بن زبیر نے مکہ معظمہ پر فوج کشی کی اور عبداللہ بن زبیر سے مقابلہ کیا۔ بہر حال حضرت حسینؓ نے بھی مکہ آ کر اپنے خاندانی مقام ''شعب علیؓ'' میں قیام فرمایا اور لوگ جوق در جوق ان کی زیارت کے لئے آنے لگے اور اس درمیان میں

کوئی ایسی بات نہ حضرت حسینؓ کی طرف سے اور نہ ہی حضرت ابن زبیرؓ کی طرف سے ہوئی جس میں یزید کی امارت کے خلاف کسی قسم کا خطرہ تھا مگر یزید نے مکہ مکرمہ کے پرانے عامل کو معزول کر کے اس کی جگہ دوسرے کو مقرر کیا۔ علامہ دینوری الاخبار الطوال میں لکھتے ہیں:۔

پھر یزید نے یحییٰ بن صفوان بن امیہ کو مکہ سے معزول کر کے عمرو بن سعید بن عاص بن امیہ کو وہاں کا عامل بنایا۔ (ص ۲۳۰، ۲۳۱)

یزید کے رجحان اور منشاء کی روشنی میں مدینہ منورہ کے عامل کو بدل دینا اور حضرت ابن زبیرؓ اور حضرت حسینؓ کے مکہ مکرمہ میں پہنچتے ہی وہاں کی حکومت میں تبدیلی کی وجہ معلوم کرنا کچھ مشکل نہیں ہے۔

جب اہل کوفہ کو حضرت حسینؓ کے مکہ چلے جانے کی خبر لگی تو انہوں نے مشورہ کر کے اپنی طرف سے حضرت حسینؓ کے نام ایک خط لکھا جو ۲۰ رمضان کو آپ کو ملا مگر آپ نے اس خط کو کھولا تک نہیں اور اسے کوئی اہمیت نہ دی۔

ثم لم یمس الحسین یومہ ذلک (الاخبار الطوال ص ۲۳۱)

(ترجمہ) ''حسین نے اس دن ان خطوط کو ہاتھ تک نہیں لگایا''۔

مگر جب خطوط کے انبار لگ گئے اور اہل کوفہ کی طرف سے بے حد اصرار ہونے لگا تو آپ نے ان کو جواب دیا جس میں تھا کہ میں اپنے بھائی مسلم بن عقیل کو تحقیق کے لئے روانہ کر رہا ہوں۔ اس کے بعد اس واقعہ کے مبادی شروع ہو گئے جسے واقعہ کربلا یا شہادت حسینؓ کہا جاتا ہے۔

بحق اسلام صبر وضبط

مؤلف نے یزید کی سیرت کا تذکرہ کرنے کے بعد اس کے مقابلہ میں خروج کرنے والے کو قابل گردن زدنی اور جاہلیت کی موت مرنے والا اور حکم رسول سے منحرف قرار دینے کے لئے صف ۶۰ سے ۶۶ تک چند احادیث و آثار کو نقل کیا ہے جن میں اطاعت امیر کا حکم دیا گیا ہے اور خروج سے ممانعت کی گئی ہے حالانکہ یہ تمام احادیث اس امیر و خلیفہ کے بارے میں ہیں جو کسی وجہ سے امر خلافت پر قابض و دخیل ہو جائے اور عامۃ المسلمین مصالح دینیہ کی بنا پر اسے امیر و خلیفہ تسلیم کر لیں۔ یقیناً ایسے امیر و خلیفہ کے خلاف جو فی نفسہ اچھا ہو یا برا مگر جب اسے عامۃ

المسلمین نے حالات کے تقاضے کی بناپر پورے طور سے خلیفہ مان لیا ہو اور اس کی بیعت ہوگئی تو اب خروج کرنا فتنہ کو دعوت دینا ہے اور امت میں انتشار پیدا کرنا ہے۔ اس لئے اس کے خلاف خروج کی بجائے ایسی کارروائی کرنی چاہئے جس سے اسلام کا بول بالا رہے اور اپنے کسی اقدام سے اسلام کو نقصان نہ پہنچے چنانچہ ان ہی احادیث پر عمل کرتے ہوئے ان صحابہ کرام نے یزید کے معاملہ میں خاموشی اختیار کی جن کے نزدیک اس کے خلاف اقدام سے فتنہ کا ڈر تھا۔

اور جن صحابہ کرام نے دیکھا کہ ابھی یزید کی بیعت تام نہیں ہوئی اور وہ عامۃ المسلمین کی طرف سے خلیفہ تسلیم نہیں کیا گیا ہے وہ اس کے خلاف اٹھے انہوں نے کسی خلیفہ کے خلاف خروج نہیں کیا بلکہ عین اس وقت جبکہ ایک شخص خلافت پر غلبہ حاصل کرنے کی کوشش کر رہا تھا انہوں نے بھی بہتر صورت پیدا کرنے کی کوشش کی۔ باقی رہا حضرت معاویہؓ کا پہلے ہی سے یزید کو ولی عہد بنا دینا تو یہ ان کا اجتہاد تھا اور اس سے ان کا منشا بعد میں فتنہ و فساد کو روکنا تھا مگر فی نفسہ ان کا یہ اقدام کوئی شرعی حجت نہیں تھا اور نہ مسلمانوں نے اس وقت تک اس طرح اقدام کیا تھا۔ کہ کسی کو پہلے سے ولی عہد بنا کر بعد میں اس کو ولی عہدی کی بنا پر خلیفہ مان لیا ہو ان کے نزدیک وامرھم شوریٰ بینھم کا قانون تھا ولی عہدی کوئی چیز نہیں تھی اس لئے ان کا یہ اقدام نہ خلیفہ کے خلاف خروج ہوا نہ اطاعت امیر کے خلاف ہوا نہ ان کی موت جاہلیت کی طرح انتشار وافتراق کی موت ہوئی اور نہ ہی وہ قابل گردن زدنی تھے۔

اور جن صحابہ نے اس حالت میں صبر و سکون سے کام لیا انہوں نے بحق اسلام "ہر طرح کی اثرہ" اور حق تلفی دیکھتے ہوئے اسلام کی اجتماعیت اور وحدت کے لئے سب کچھ برداشت کیا اگر اس وقت صحابہ کرام کلی طور سے شامی غلبہ اور مضری عصبیت کے مقابلے پر آجاتے تو خدا ہی جانتا ہے کہ کیا ہو جاتا اور ایران و روم کی طاقتیں اس سے کیا فائدہ حاصل کر لیتیں۔ صحابہ کرام نے ہنسی خوشی اور تسلیم و رضا کے طور پر اس نازک زمانہ میں خاموشی اختیار نہیں کی۔ بلکہ سینے پر پتھر رکھ کر اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات پر عمل کر کے اسلام کی عظمت و جمعیت کو باقی رکھا اس سلسلہ میں چند احادیث و آثار ملاحظہ ہوں۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔

''ہم سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ تم لوگ عنقریب اثرہ اور ایسے معاملات دیکھو گے جن کو ناپسند کرو گے اس پر صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ ایسے زمانہ میں آپ ہمیں کیا حکم دیتے ہیں آپ نے فرمایا تم ان کا حق ان کو ادا کرو اور اپنے حق کو اللہ سے طلب کرو۔''

حافظ ابن حجر نے اثرہ کی مختصر تفسیریوں کی ہے یعنی اثرہ کا مطلب دنیاوی مفاد کو مخصوص کرنا ہے اور کسی چیز پر ایک آدمی کا حق ثابت ہوتے ہوئے اسے خود لے لینا یا اپنے اثر و طاقت سے دوسرے کو دے دینا ہے ایسے زمانہ میں خلفاء کا حق ادا کرنے کا مطلب یہ ہے کہ اپنی زکوٰۃ ان کو دے دو اور ان کے زیر انتظام جہاد میں اگر تم کو جانا پڑے تو جاؤ تا کہ اسلام کی طاقت پر زد نہ پڑے اور اپنے حقوق کے لئے خدا سے دعا کرو اور ان سے مطالبہ و مقابلہ نہ کرو۔

حضرت اسید بن حضیر سے مروی ہے کہ ایک آدمی نے آ کر عرض کیا کہ یا رسول اللہ آپ نے فلاں آدمی کو عامل بنایا اور مجھے عامل نہیں بنایا آپ نے فرمایا'' کہ تم لوگ میرے بعد ترجیح اور حق تلفی دیکھو گے پس صبر کرو یہاں تک کہ مجھ سے ملو۔'' (بخاری و مسلم)

حضرت زبیر بن عدیؒ سے روایت ہے کہ ہم لوگوں نے حضرت انس بن مالکؓ کی خدمت میں حاضر ہو کر حجاج بن یوسف کے مظالم کی شکایت کی تو انہوں نے سن کر فرمایا:۔

''تم لوگ صبر سے کام لو کیونکہ اب تمہارے سامنے جو زمانہ بھی آئے گا اس کے بعد کا زمانہ اس سے برا ہو گا۔ یہاں تک کہ تم اپنے رب سے ملو یہ نصیحت میں نے تمہارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی ہے۔'' (بخاری کتاب الفتن)

ان احادیث و آثار میں جس اثرہ اور حق تلفی کی خبر دی گئی ہے اس کے بارے میں کیا کیا جائے گا اور خلافت و امامت کی ذمہ داریاں کن کے مناسب تھیں اور کیسے کیسے لوگ عہدوں پر آئے ان کو چھپایا نہیں جاسکتا۔ پس اطاعت امیر کا حکم ہر حال میں اس لئے نہیں ہے کہ وہ خواہ کیسے ہی ہوں فی نفسہ مطاع ہیں؛ بلکہ صرف اسلامی جمعیت اور دینی وحدت کے بقا و تحفظ کے لئے اس کا شدت سے حکم دیا گیا ہے اور بحق اسلام ہر قسم کے حالات برداشت کرنے اور وحدت اسلامیہ کو برقرار رکھنے کو کہا گیا ہے اور امیر و خلیفہ کے اچھے برے ہونے سے قطع نظر کر کے اسلامی مفاد کو بچایا گیا ہے۔ (مزید تفصیلات کیلئے دیکھئے ''علی و حسین رضی اللہ عنہما'')

سیدنا حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ

مولانا نسیم احمد صاحب غازی مظاہری شیخ الحدیث دار العلوم جامع الہدیٰ مراد آباد

علی مرتضیٰؓ کو حیدرِ کرارؓ کہتے ہیں ★ امام الاولیاء و سیدِ ابرار کہتے ہیں
شجاعت میں بڑے مشہور ہیں وہ فاتحِ خیبر ★ انھیں شیرِ خدا جبار کی تلوار کہتے ہیں
اٹھالیں ہاتھ میں گر ذو الفقار اپنے شہِ والا ★ تو ان کو اہلِ ایماں قاتلِ اشرار کہتے ہیں
نہیں دنیا میں کوئی حیدرِ کرارؓ کا ثانی ★ سبھی یہ بات کہتے ہیں، نہیں دو چار کہتے ہیں
خلیفہ چوتھے ہیں حضرت علیؓ بن ابی طالب ★ اسی پر ہوگئے ہیں متفق اخیار کہتے ہیں
امیر المؤمنین و ذوالفضائل ہیں علیؓ مولیٰ ★ یہی تاریخ کہتی ہے یہی آثار کہتے ہیں
علی محبوب ملت ہیں، علیؓ مولائے امت ہیں ★ مہاجر بھی یہ کہتے ہیں یہی انصار کہتے ہیں
کوئی کیا جان سکتا ہے کہ ان کا مرتبہ کیا ہے ★ علیؓ میرے ہیں، میں ان کا، شہِ ابرار کہتے ہیں
علیؓ میرے ہیں جیسے تھے نبی ہارونؑ موسیٰؑ کے ★ مرے آقاؐ، مرے مولیٰ، مرے سرکار، کہتے ہیں
وہ موسیٰ کے خلیفہ، جیسے ان کی زندگی میں تھے ★ علیؓ ہیں میرے ایسے جانشیں سرکار کہتے ہیں
نبی ہارونؑ کی رحلت ہوئی ہے پہلے موسیٰؑ سے ★ یہ اک امر مسلم ہے ''اولو الاخیار'' کہتے ہیں
خلافت بعد کی بے فصل اس سے ہوگئی باطل ★ وہ سب باتیں ہیں نادانی کی جو اشرار کہتے ہیں
وہ ہر مومن کے مولیٰ ہیں مسلمانوں کے والی ہیں ★ سنو ''مَنْ کُنْتُ مَوْلَاہُ'' شہِ ابرار کہتے ہیں
وہ شہر وحیِ ربانی کے باب و تابِ عالم ہیں ★ انھیں ''بابِ مدینہ'' احمدِ مختار کہتے ہیں
نبیؐ کی لختِ دل خاتونِ جنت کے وہ شوہر ہیں ★ انھیں کو شہسوارِ دُلدُلِ سردار کہتے ہیں
پدر ہیں اُن شہیدانِ وفا کے حضرتِ حیدرؓ ★ جوانانِ بہشتی کا جنھیں سردار کہتے ہیں
رضا جوئیِ حق میں مال وزر قربان کرتے تھے ★ کھلے دل سے دیا گر مل گیا نادار، کہتے ہیں
ہے کنیت بوالحسن اور ''بوتراب'' اک تمغۂ اُلفت ★ کہ ''قُمْ یَا اَبَا تُرَاب'' ان کو مرے سرکار کہتے ہیں
اَنَا سَمَّتْنِیْ اُمِّیْ حَیْدَرَہْ، پر جوش لہجہ میں ★ جھپٹ کر دشمنوں پر برسرِ پیکار کہتے ہیں
ہوئے قربان راہِ حق پیا جام شہادت بھی ★ شہید راہِ حق ہیں وہ سبھی اَبرار کہتے ہیں
علومِ مصطفیٰؐ کے ہیں امین و وارث کامل ★ علیؓ اپنی زباں سے حکمت و اسرار کہتے ہیں

انھیں پر ختم ہیں باطن کی اکثر نسبتیں غازی
امام الاولیاء ان کو سبھی اخیار کہتے ہیں

★○★ ★○★

اولاد سیدنا حضرت علی رضی اللہ عنہ کی سیرتیں
اور حادثہ کربلا کے بعد ان کے کام

مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی رحمہ اللہ

سیرت اولاد سیدنا علی کرم اللہ وجہہ

حادثۂ کربلا مسلمانوں کو ہمیشہ کیلئے شرمسار کر کے، حکومتِ وقت، اس کے شرکائے کار اور ہم نواؤں کیلئے سامانِ رسوائی بن کر ختم ہوا، زندگی کا دھارا اپنے رُخ پر بہنے لگا، حضرات علی، حَسن اور حُسین (رضوان اللہ علیہم) کے اَخلاف اپنے اَسلافِ کرام کے طریقہ پر گامزن ہوگئے، پاکیزہ خصائل، پاک نفسی اور عالی ظرفی، وہی عبادت میں انہماک اور آخرت طلبی، اصلاحِ نفس کی فکر، اور دنیا سے بے رغبتی، سچی ربانیت وحقانیت اور خودداری اور کردار کی بلندی (جو رسول کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے خانوادہ کے شایانِ شان اور پیغمبروں کے حقیقی وارثوں کی علامت تھی) ان حضرات میں بدرجہ اَتم موجود تھی، اُن کا طرزِ عمل اور پاکبازی، اور اُن کی سیرتیں اور اخلاق اپنی جگہ پر اعلیٰ دینی مثال ونمونہ اور ایک ایسا اخلاقی دلبستان ہے جس سے ہر نسل کے افراد وشرافت واخلاق، مروت اور سیر چشمی، بدخواہوں کے ساتھ حسنِ سلوک اور ''با دوستاں تلطف با دشمناں مدارا'' کا درس لیتے رہے ہیں اور لیتے رہیں گے۔

تاریخ کے اس بحرِ ذخار سے چند نمونے پیش کئے جاتے ہیں:۔

حضرت سعید بن المسیبؒ کہتے ہیں کہ ''علی بن حسین (زین العابدینؒ) سے زیادہ خشیتِ الٰہی رکھنے والا انسان میں نے نہیں دیکھا''۔[1]

امام زہری کہتے ہیں کہ ہم نے کسی قریشی کو ان سے بہتر نہیں دیکھا، اُن کا (امام زہری کا) یہ حال تھا کہ جب حضرت علی بن حسین کا ذکر آتا تو رو پڑتے اور فرماتے کہ ''تمام عبادت کرنے والوں کی زینت اُن سے تھی'' (یعنی وہ صحیح معنی میں زین العابدین تھے)[2]

حضرت علی بن حسین (جن کا لقب ہی زین العابدین پڑ گیا تھا) راتوں کو اپنی پیٹھ پر روٹیوں کی بوری لے کر نکلتے اور ضرورتمندوں اور مستحقین کے گھر پہنچاتے۔[3]

---

[1] حلیۃ الاولیاء وطبقات الاصفیاء۔ ج ۲ جز ۳ ص ۱۴۱ [2] حلیۃ الاولیاء وطبقات الاصفیاء۔ ج ۲ جز ۳ ص ۱۳۵
[3] ایضاً ص ۱۳۶

جریر کا بیان ہے کہ جب حضرت علی بن حسینؒ کی وفات ہوئی تو اُن کی پیٹھ پر وہ نشانات دیکھے گئے، جوان بوریوں کے اٹھانے سے پڑ گئے تھے[1]، جن میں روٹیاں بھر کر وہ راتوں کو نکلتے اور ضرورت مندوں میں تقسیم کرتے تھے۔

حضرت شیبہؒ سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا کہ جب حضرت علی بن حسینؒ کی وفات ہوئی تو لوگوں کو معلوم ہوا کہ وہ مدینہ منورہ کے 100 (سو) گھروں کی پرورش کرتے تھے۔

محمد بن اسحاق کا کہنا ہے کہ اہل مدینہ میں بہت سے لوگ اس طرح گزارا کرتے کہ اُن کو معلوم نہ ہوتا کہ اُن کا خرچ کہاں سے آتا ہے، جب حضرت علی بن حسینؒ کی وفات ہوگئی، تب اُنھیں پتہ چلا کہ یہ راتوں کو روٹیاں پہنچانے والے زین العابدین حضرت علی بن حسینؒ تھے[2]۔

وہ رات اور دن میں ایک ہزار رکعت پڑھا کرتے تھے، اور جب تیز ہوا چلتی تو بے ہوش ہو کر گر جایا کرتے تھے[3]۔

حضرت عبدالغفار بن قاسم کی روایت ہے کہ ایک بار حضرت زین العابدین[4] مسجد سے نکل رہے تھے کہ ایک آدمی نے ان کو گالی دی، حضرت زین العابدینؒ کے غلام اور ساتھی غصہ میں اس پر دوڑ پڑے، حضرت زین العابدینؒ نے فرمایا: "ٹھہرو، اس کو کچھ نہ کہو، پھر خود ہی اس شخص کی طرف بڑھے اور فرمایا: "ہماری زیادہ تر باتیں اور حالات تم سے پوشیدہ ہیں، تم یہ بتاؤ کہ تمہاری کوئی ضرورت ہے جو میں پوری کرسکوں؟ وہ آدمی نادم و شرمسار ہوا، آپ نے اپنا لبادہ اتار کر اس کو دے دیا، اور ایک ہزار درہم عطا فرمائے اس واقعہ کے بعد جب اس شخص کی آپ پر نظر پڑتی تو پکار اٹھتا میں شہادت دیتا ہوں کہ آپ اولادِ رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) ہیں[5]۔"

ایک بار حضرت زین العابدینؒ کے پاس کچھ لوگ مہمان تھے، آپ نے ایک خادم سے کھانا جلد لانے کا تقاضا کیا، وہ عجلت میں اوپر چڑھا، وہ تیزی سے تنور میں بھنے ہوئے گوشت کی سیخ لے کر آرہا تھا کہ زین العابدینؒ کے ایک بچہ پر (جو نیچے کے زینہ پر بیٹھا ہوا

---

[1] ایضاً [2] ایضاً [3] صفۃ الصفوۃ لابن الجوزی، ج ۲ ص ۵۶ [4] عربی متن میں ہر جگہ ان کا نام علی بن حسینؒ لکھا ہے مگر چونکہ اردوداں حلقہ میں وہ اپنے لقب سے مشہور ہیں، اس لیے مترجم نے زین العابدین ہی لکھا ہے۔
[5] صفۃ الصفوۃ لابن الجوزی۔ ج ۲ ص ۵۶

تھا) سیخ گر گئی، جس سے وہ فوراً جاں بحق ہوگیا، حضرت زین العابدینؒ نے بجائے باز پرس کرنے یا ناراض ہونے کے غلام سے کہا: ''جا تو آزاد ہے، تجھ سے جان بوجھ کر یہ کام نہیں ہوا، اور بچہ کی تجہیز و تکفین میں لگ گئے[۱]''۔

حضرت زین العابدینؒ کی ولادت ۳۸ھ کے کسی مہینہ میں ہوئی اُن کی والدہ سلافہؒ (آخری شاہ ایران یزدگرد کی صاحبزادی) تھیں[۲]، آپ کی وفات ۹۴ھ کو مدینہ منورہ میں ہوئی اور آپ کی تدفین آپ کے عم بزرگوار حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما کی قبر مبارک میں ہوئی[۳]، حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی نسل صرف حضرت زین العابدینؒ سے جاری رہی۔

حضرت زین العابدینؒ کے صاحبزادہ محمد الباقرؒ اور اُن کے فرزند جعفر (الصادقؒ) اور ان کے فرزند حضرت موسیٰ بن جعفرؒ (جن کا لقب موسیٰ الکاظم ہے) اور اُن کے صاحبزادہ حضرت علی الرضاؒ سب کے سب اپنے آباء واجداد کے نقش قدم پر بُردباری، سخاوت، صداقت اور پاکبازی وخودداری میں مثالی شخصیتوں کے مالک تھے، عمرو بن المقدامؒ کہتے تھے، ابوجعفر محمد الباقرؒ پر جب نظر پڑتی تو دیکھتے ہی یقین ہوجاتا کہ یہ خانوادۂ نبوت کے چشم وچراغ ہیں۔ (حلیۃ الاولیاء ج ۲ ص ۱۹۳)

ان کے صاحبزادہ جعفر بن محمد الصادقؒ عبادت اور یادِ الٰہی میں خشوع وخضوع کے ساتھ مشغول رہتے، خلوت گزینی اور دنیا سے بے تعلقی کو، جاہ طلبی اور رجوع خلائق وعقیدتِ عام پر ترجیح دیتے تھے۔ (حلیۃ الاولیاء ج ۲ ص ۱۹۳)

امام مالکؒ ان کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے تھے کہ میں جعفر بن محمدؒ کے پاس جایا کرتا تھا، وہ ہمیشہ متبسم رہا کرتے تھے لیکن جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نام نامی لیا جاتا تو رنگ پیلا یا ہرا پڑ جاتا، میں مدت دراز تک ان کے پاس آتا جاتا رہا، میں ہمیشہ اُن کو تین کاموں میں سے ایک کام میں مشغول پاتا، یا تو نوافل ادا کر رہے ہوتے، یا روزہ سے ہوتے، یا تلاوت کلام پاک میں مشغول ہوتے، کبھی میں نے ان کو بلا وضو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے

---

۱ ایضاً ۲ عام طور پر وہ شاہ بانو کے نام سے مشہور ہیں۔

۳ تفصیل کیلئے ملاحظہ ہو حالات حضرت علی بن الحسینؒ اور آپ کے مناقب، البدایۃ والنہایۃ ج ۹ ص ۱۰۳-۱۱۵

روایت کرتے نہیں سنا، بے مطلب کسی کی بات میں دخل نہ دیتے، وہ بلاشبہ خدا ترس عابد وزاہد بزرگوں میں تھے، (الامام الصادق از علامہ ابوزہرۃ ص ۷۷ ندوۃ الجدیدۃ، بیروت)

حضرت موسیٰ بن جعفر بن محمد بن علیؒ (یعنی موسیٰ الکاظم) اس درجہ کے فیاض، اعلیٰ ظرف اور کریم النفس شخص تھے کہ اگر ان کو کسی شخص کے متعلق معلوم ہوتا کہ وہ ان کی برائی کرتا ہے تو اس کے پاس کچھ رقم (کبھی ایک ہزار دینار کی تھیلی) بھیج دیتے، (صفۃ الصفوۃ ج ۲ ص ۱۰۳)

وہ چار سو، تین سو اور دو سو دینار کی تھیلیاں تیار رکھتے اور اہل مدینہ میں تقسیم کرتے تھے، اُن کے صاحبزادہ حضرت علی رضا (ابن موسیٰ الکاظم) کو خلیفہ مامون الرشید عباسی نے اپنا ولی عہد بنایا تھا، ان کی ولادت ۱۵۳ھ کے کسی ماہ کی ہے، ان کی وفات ماہ صفر کے آخری روز ۲۰۲ھ میں ہوئی، ان کی نمازِ جنازہ خلیفۂ مامون نے خود پڑھائی اور اپنے والد خلیفہ ہارون الرشید کی قبر کے پاس (قدیم طوس حال مشہد میں) دفن کیا۔

سبط اکبر حضرت حسنؓ کی آل واولاد کا بھی یہی حال تھا۔

مشہور مؤرخ ابن عساکر نے اپنی مشہور کتاب "تاریخ دمشق الکبیر" میں حضرت حسن بن حسن بن علی کے (جو حضرت حسن مثنیٰ کے نام سے مشہور ہیں) حالات لکھے ہیں، اور ان کے ایسے اوصاف واخلاق بیان کیے ہیں، جوان کی سیادت کے شایانِ شان ہیں۔ (تہذیب تاریخ دمشق الکبیر لابن عساکر)

حضرت عبداللہ بن حسن بن حسن بن علی بن ابی طالب (رضی اللہ عنہما (جن کو عبداللہ المحض کہا جاتا) (ان کو عبداللہ المحض اس لیے کہا جاتا ہے کہ ان کے والد حضرت حسن (المثنیٰ) بن حضرت حسن بن علی تھے، اور ان کی والدہ فاطمۃ الصغریٰ، حضرت حسین شہید کی صاحبزادی تھیں، اس طرح یہ پدری ومادری دونوں واسطوں سے خالص ہاشمی علوی تھے (المحض کے معنی خالص ومکمل کے ہیں) تابعین اہل مدینہ اور محدثین میں سے تھے، مؤرخ واقدی کا بیان ہے کہ عبداللہ کثیر العبادت بزرگ تھے، لوگ ان کی بڑی عزت وتعظیم کرتے تھے، ظاہری طور پر بھی بڑی وجیہ اور بارعب شخصیت کے مالک تھے، قوتِ گویائی میں بھی ان کو وافر حصہ ملا تھا، مصعب ابن عبداللہ کہا کرتے تھے، میں نے اپنے علماء کو کسی کی اتنی عزت وتعظیم کرتے نہیں دیکھا، جس قدر وہ عبداللہ المحضؒ کی تعظیم کرتے تھے، ربیعہؒ نے ایک مرتبہ ان کو گفتگو کرتے ہوئے سنا تو بے

ساختہ ان کی زبان سے نکلا کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ یہ طرزِ گفتگو انبیاء کی اولاد ہی کا ہوسکتا ہے۔

مکہ مکرمہ میں ایک مرتبہ کچھ لوگ بیٹھے تھے، ان میں مشہور عالم و محدث ایوب بھی تھے، پیچھے سے کسی آنے والے نے ان کو سلام کیا، وہ اپنے پورے جسم کے ساتھ اس کی طرف مڑ گئے اور آہستہ سے جواب دیا، پھر وہ ان کی طرف متوجہ ہوئے، ان کی آنکھوں میں آنسو تھے، اس اہتمام و تعظیم کو دیکھ کر اُن سے پوچھا گیا وہ کون ہیں؟ کہا: فرزندِ رسول عبداللہ بن حسن ہیں۔" (تاریخ ابن عساکر۔ ج ۴ ص ۳۵۷۔۳۶۶)

ابن کثیر کا بیان ہے: عبداللہ المحض بن حسن المثنیٰ بن حسن بن علی بن ابی طالب (رضوان اللہ علیہم) کی علماء بڑی تعظیم کرتے تھے، وہ باوقار عابد و زاہد بزرگ تھے، یحییٰ نے ان کے بارے میں لکھا ہے کہ لوگوں کو ان پر بڑا اعتماد اور ان کی نگاہوں میں ان کی بڑی وقعت اور وزن تھا، ان سے بہت سے محدثین نے احادیث کی روایت کی ہے، جن میں سفیان ثوری، دراوردی اور مالک بھی ہیں، سنِ وفات غالباً ۱۴۵ھ ہے۔ (البدایۃ والنہایۃ ج ۹ ص ۴۲)

ان کے صاحبزادہ محمد نے حکومتِ وقت (عباسیوں) کے خلاف علمِ جہاد بلند کیا تھا، بہت ہی بلند ہمت اور صاحبِ عزیمت بزرگ تھے، ان کا بڑا رعب داب تھا، شجاعت میں یکتا، (البدایۃ والنہایۃ ج ۱۰ ص ۹۵) کثیر الصیام اور کثیر النوافل تھے، (جسمانی طور پر) نہایت قوی و توانا تھے، ان کا لقب المہدی اور النفس الزکیۃ تھا، (الکامل لابن الأثیر ج ۵ ص ۵۵۳) ان میں بنی ہاشم اور اہل بیت نبوت کی تمام خصوصیات نظر آتی تھیں، مُروّت، لوگوں کا لحاظ وخیال، ان کو اپنی وجہ سے کسی اذیت اور خطرہ میں نہ پڑنے دینا اُن کا خاص وصف تھا، جب خلیفہ منصور کی فوج سے مدینہ منورہ میں مقابلہ ہوا اور اُن کو اپنی شہادت کا یقین ہوگیا تو انہوں نے گھر جا کر وہ رجسٹر جلا دیا، جس میں اُن کے ہاتھ پر بیعت کرنے والوں کے نام درج تھے، کیونکہ اُن کو ڈر تھا کہ ان کے بعد (ان کی حمایت و نصرت کے الزام میں) ان پر سختی کی جائے گی، اور اُن کو اس کی بڑی قیمت ادا کرنی پڑے گی۔ (الکامل لابن الأثیر ج ۵ ص ۵۴۷۔۵۴۸)

نسبت نبوی کی غیرت

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی سے ان حضرات کو نسبی تعلق کا جو شرف حاصل

تھا، اس کے بارے میں ان کے اندر شدید غیرت و احتیاط پائی جاتی تھی، اس نسبت سے کوئی دنیاوی فائدہ حاصل کرنا اس کی ناقدری اور اس کا بے جا استعمال سمجھتے تھے، جس طرح دوسریؔ قوموں اور مذاہب میں دیکھا جاتا ہے کہ اونچی ذات والے اپنی عالی نسبی یا خاندان و نسل کی خصوصیت کو اس طرح کام میں لاتے ہیں کہ ان کے ماننے والے اُن کو مقدس اور قانون سے بالا سمجھتے ہیں، گویا وہ کوئی مافوق البشر مخلوق ہیں، لیکن تاریخ وسیر کی کتابوں سے فرزندانِ رسول وساداتِ کرام کی خودداری اور عزت نفس کی جو تصویر ملتی ہے، وہ کلیۃً ان برہمن زادوں اور ایرانی و مسیحی دنیا کے مذہبی اجارہ داروں کے طرزِ عمل سے مختلف ہے، جو مذہب و خاندان کا استحصال کرتے ہیں، اور مذہبی خدمات کو اپنی جاگیر سمجھتے ہیں، مختلف ادیان اور اقوام میں ایک طبقہ ہمیشہ ایسا رہا ہے جو پیدائشی طور پر مقدس سمجھا جاتا تھا، اور اس کو اپنی زندگی بسر کرنے کیلئے کسی محنت یا جدوجہد کی ضرورت نہیں ہوتی تھی، اس کا سلسلہ دورِ حاضر تک جاری ہے،

ایک مرتبہ سیدنا حسن بن علی رضی اللہ عنہما بازار تشریف لے گئے، کوئی چیز خریدنا چاہتے تھے، آپ نے اس کا بھاؤ معلوم کیا، دوکاندار نے اس کی عام قیمت بتائی، ابھی سودا نہیں ہوا تھا کہ دوکاندار کو کسی ذریعہ سے معلوم ہوگیا کہ یہ نواسۂ رسول حسن بن علی رضی اللہ عنہما ہیں، اس نے ذات نبوی سے تعلق و نسبت کے احترام میں قیمت کم کردی، لیکن حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے اس رعایت کو قبول نہیں فرمایا اور مطلوبہ چیز چھوڑ کر چلے آئے، اور فرمایا: میں نہیں چاہتا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنے قرب و تعلق کی بناء پر حقیر سے حقیر فائدہ اٹھاؤں۔

جویریہ جو حضرت زین العابدینؒ کے خادم خاص تھے، کہتے ہیں، علی بن حسین بن علی (زین العابدین،) نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عزیزداری کے تعلق کی بنا پر ایک درہم کا فائدہ بھی نہیں اٹھایا، (البدایۃ والنہایۃ ج۹ص ۱۰۶) آپ جب کسی سفر پر جاتے تو اپنے آپ کو ظاہر نہیں ہونے دیتے تھے، آپ سے پوچھا گیا کہ ایسا کیوں کرتے ہیں؟ فرمایا: مجھے یہ بات پسند نہیں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نام پر کوئی ایسا فائدہ حاصل کروں جس کا جواب اور بدل (سفر اور عجلت کی وجہ سے) نہ دے سکوں۔ (وفیات الاعیان لابن خلکان۔ ج ۲ص ۴۳۴)

اسی طرح حضرت علی رضا (بن موسیٰ الکاظم) کا بھی حال بیان کیا جاتا ہے کہ وہ بھی جب سفر

کرتے تو اپنی شخصیت کو ظاہر نہیں ہونے دیتے تھے، جب اُن سے اس کا سبب دریافت کیا گیا کہ ایسا کیوں کرتے ہیں، تو فرمایا: میں یہ ناپسند کرتا ہوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نام پر وہ چیز حاصل کروں جس کا (سفر کی وجہ سے) مناسب جواب نہ دے سکوں۔ (مطبعۃ النھضہ۔ قاہرہ ۱۹۲۹ء)

مبالغہ اور غلو کے ساتھ مدح سرائی اور اظہار محبت سے نفرت

یہ حضرات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنے نسبی تعلق کے اظہار وافتخار کے بارے میں بہت محتاط تھے، وہ نہیں چاہتے تھے کہ یہودیت، عیسائیت اور برہمنیت کے جیسے دوسرے مذاہب کے پیروکاروں کی طرح اس نسبی تعلق کو بیان کرنے میں مبالغہ آرائی اور غلو سے کام لیا جائے، چنانچہ یحییٰ بن سعیدؒ سے روایت ہے وہ کہتے تھے کہ: ایک مرتبہ کچھ لوگ حضرت زین العابدینؒ کے پاس جمع تھے، اوران کی مدح سرائی کررہے تھے، آپ نے فرمایا: ہم سے محبت واحترام کا تعلق صرف اللہ کیلئے اور اسلامی رشتہ کی بناء پر قائم کیجئے میں دیکھتا ہوں کہ آپ لوگ ہم سے ایسی محبت وعقیدت کا اظہار کرنے لگے ہیں جو ہمارے لئے عار بن گئی۔ (حلیۃ الاولیاء۔ ج ۲ جزء سوم ص ۱۳۶)

اس طرح خلف بن حوشب نے حضرت زین العابدینؒ کے متعلق بیان کیا ہے کہ آپ نے فرمایا: اے اہلِ عراق، اے کوفہ کے لوگو! ہم سے آپ اسلام کی بنا پر محبت رکھئے، ہم کو اتنا نہ بڑھایئے جتنا ہمارا حق نہیں ہے، (حلیۃ الاولیاء۔ ج ۲ جزء سوم ص ۱۳۷)

آپ ہی سے یہ قول بھی مروی ہے کہ آپ نے فرمایا: ہم اہل بیت خوشی اور پسندیدہ چیز سامنے آتی ہے تو اس پر اللہ کی حمد کرتے ہیں۔ (حلیۃ الاولیاء۔ ج ۲ جزء سوم ص ۱۳۸)

اسی طرح حسن (مثنیٰ) بن حسن بن علی بن ابی طالب رضوان اللہ علیہم نے ایک شخص سے کہا: جو آپ کی مدح سرائی میں مبالغہ کررہا تھا، اے نامرادو! (عربی متن میں ''ویلکم'' استعمال ہوا ہے، اور ''ویلکم یا ویحکم'' کے لفظی معنی ہیں ''تمہاری بربادی ہو'' یا ''اے نامرادو! مگر درحقیقت یہ لفظ صرف مخاطب کو ذرا تیز لہجہ میں خطاب کرنے کیلئے بولا جاتا ہے، اور اس کے کوئی معنی نہیں ہوتے، یہ بولنے کا طریقہ ہے کبھی کبھی لوگ اس طرح کے الفاظ پیار سے بھی کہدیا کرتے ہیں، جیسے اردو میں، ارے کمبخت، مقصود یہ نہیں ہوتا کہ اے وہ جس کی

شامت آگئی ہے(مترجم) رعایت کرتا تو بیٹے کی وجہ سے اس کے ماں باپ کو بخش دیتا، ہمارے بارے میں حق بات کہا کرو، کیونکہ تمہاری مطلب براری کیلئے یہ بہت کافی ہے، اور ہم تم سے اس بات پر خوش رہیں گے۔ (ابنِ عساکر ج۴ص ۱۶۵۔۱۶۹)

اسی طرح اپنے مدح سراؤں سے فرمایا: اللہ کے بندہ! ہم اگر اللہ تعالیٰ کے احکام بجا لائیں تو ہم سے اللہ کی اطاعت کی بناء پر محبت یا تعلق رکھو، اور اگر ہم اس کی نافرمانی کریں تو اس کی معصیت کی وجہ سے ہم سے قطع تعلق کرو۔ (البدایۃ والنہایۃ ج۹ص ۱۷۱)

ان حضرات کو ہمیشہ مسلمانوں کے اتحاد اور وحدتِ کلمہ کی فکر دامن گیر رہا کرتی تھی، عبداللہ ابن مسلم بن بابک عرف البابکی (حضرت زین بن علی شہیدؒ کے ایک رفیق) روایت کرتے ہیں: ”ہم لوگ زید بن علیؒ کے ساتھ مکہ مکرمہ کیلئے روانہ ہوئے، جب آدھی رات ہوئی، اور ثریا (ایک ستارہ) نمایاں ہوکر بھرپور روشنی دینے لگا تو زید بن علیؒ نے فرمایا: اے بابکی! کیا تم اس ستارہ (ثریا) کو دیکھ رہے ہو؟ کیا تم سمجھتے ہو کہ کوئی وہاں تک پہنچ سکتا ہے؟ عرض کیا نہیں، فرمایا ”واللہ میں اس کو پسند کرتا ہوں کہ اس تارے سے میرے ہاتھ لگیں، اور وہاں سے گر کر میرا جسم ٹکڑے ٹکڑے ہوجائے اور اللہ (اس کے عوض میں) محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی امت میں صلح واتحاد پیدا فرمادے۔“ (مقاتل الطالبیین لابی الفرج الاصبہانی (۲۸۴۔۳۵۶ھ) ص ۱۲۹ الناشر دار المعرفۃ للطباعۃ والنشر، بیروت)

خلفائے ثلاثہ کے فضل وکمال کا اعتراف اور ان کا دفاع

یہ حضرات ہمیشہ تینوں خلفائے راشدین کی خدمتِ اسلام کے کارنامے اور مسلمانوں پر ان کے حقوق کا اعتراف کیا کرتے تھے، اور اس کا اظہار علانیہ اور مجمعِ عام میں کیا کرتے تھے، چنانچہ یحییٰ بن سعیدؒ سے روایت ہے کہ حضرت علی بن حسین (زین العابدینؒ) کی خدمت میں چند عراقی آئے اور انہوں نے حضرات خلفائے ثلاثہ رضوان اللہ علیہم کے بارے میں کچھ ناروا باتیں کہیں، جب وہ لوگ کہہ چکے تو حضرات زین العابدینؒ نے فرمایا: میں گواہی دیتا ہوں کہ تم ان لوگوں میں نہیں ہو جن کے بارے میں قرآن کریم میں آتا ہے:

اور ان کیلئے (بھی) جو ان (مہاجرین) کے بعد آئے (اور) دعا کرتے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار ہمارے اور ہمارے بھائیوں کے جو ہم سے پہلے ایمان لائے ہیں، گناہ

معاف فرما اور مؤمنوں کی طرف سے ہمارے دل میں کینہ (وحسد) نہ پیدا ہونے دے، اے ہمارے پروردگار تو بڑا شفقت کرنے والا مہربان ہے۔

تم لوگ میرے پاس سے نکل جاؤ خدا تم سے سمجھے۔ (صفۃ الصفوۃ ج ۲ ص ۵۵)

عروہ بن عبداللہ نے کہا میں نے حضرت محمد الباقر سے تلوار پر زینت وآرائش کرنے کے بارے میں دریافت کیا، فرمایا کوئی حرج نہیں ہے، حضرت ابوبکر الصدیق رضی اللہ عنہ نے بھی اپنی تلوار پر زینت وآرائش کی تھی، میں نے کہا آپ ''الصدیق'' کہتے ہیں؟ وہ ایک دم سے اٹھے اور قبلہ رُخ ہو گئے اور فرمایا: ''ہاں الصدیق کہتا ہوں، اور جو اُن کو صدیق نہ کہے اللہ دنیا وآخرت میں اس کی بات کو سچا نہ کرے۔ (صفۃ الصفوۃ ج ۲ ص ۱۸۵)

مولی جابر الجعفی سے روایت ہے کہ جب میں حضرت محمد الباقر سے رخصت ہوا تو فرمایا کہ اہل کوفہ سے کہہ دینا کہ میں ان لوگوں سے بری ہوں جو ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما سے براءت کا اظہار کرتے ہیں۔ (صفۃ الصفوۃ۔ ج ۲ ص ۱۸۵، اور ایک نسخہ میں ہے جو تمسخر کرتے ہیں ''ممن ھزأ'' کا لفظ ہے۔)

محمد بن اسحاق سے مروی ہے کہ حضرت محمد الباقر نے فرمایا: جو شخص حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کی فضیلت نہیں جانتا وہ سنت سے ناواقف ہے۔

(صفۃ الصفوۃ۔ ج ۲ ص ۱۸۵، اور ایک نسخہ میں ہے جو تمسخر کرتے ہیں ''ممن ھزأ'' کا لفظ ہے۔)

ابوخالد الاحمر نے کہا: میں نے عبداللہ المحض بن حسن المثنیٰ سے حضرات شیخین ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما کے بارے میں دریافت کیا تو فرمایا: ''صلی اللہ علیہما ولا صلی علی من لم یصل علیہما'' (ان دونوں پر اللہ کی رحمت ہو اور جس نے ان دونوں پر رحمت خداوندی کی دعا نہیں کی اس پر اللہ کی رحمت نہ ہو) اور فرمایا: ''میں ایسے شخص کے بارے میں جو سیدنا ابوبکر وسیدنا عمر رضی اللہ عنہما پر سب وشتم کرتا ہو توقع نہیں رکھتا کہ اس کو توبہ نصیب ہو' ان کے سامنے اس دن کا تذکرہ آیا، جس دن حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت ہوئی تو اس قدر روئے کہ داڑھی اور دامن تر ہو گئے۔ (تاریخ ابن عساکر ص ۳۵۷۔۳۶۶)

اصحاب عزیمت وکردار، ومردانِ میدانِ کارزار

بزرگانِ اہلِ بیت اور اولادِ شیرِ خدا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہم اور ان کے فرزندانِ

عالی قدر سب کے سب ہمت وعزیمت کے جوہر سے آراستہ اور اس شجاعت وحمیت کے پیکر تھے، جو خاندانِ نبوی کا شعار اور سیدنا علی المرتضیٰ اور حضرت حسینؓ شہید کربلاء کی وراثت تھی، ان حضرات نے ہمیشہ عزیمت پر عمل کیا اور راہِ حق میں کبھی کسی اذیت اور خطرہ کی پرواہ نہیں کی، مسلمانوں کو صحیح رخ پر لگانے میں انہوں نے ہر آزمائش کا مردانہ وار مقابلہ کیا۔

حضرات زید بن علی بن حسینؒ نے اموی خلیفہ ہشام بن عبدالملک بن مروان کا، اور حضرت محمد بن عبداللہ المحضؒ (ذی النفس الزکیہؒ) اور ان کے بھائی حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ نے جس طرح خلافتِ منصور کے مقابلہ میں اعلانِ حق کیا اور آخر دم تک جہاد کا علم بلند رکھا اس کا ذکر اوپر گزر چکا ہے، ان حضرات کا یہی طریق کار تاریخ اسلامی کے ہر دور میں رہا ہے، کوئی جماعت جہاد فی سبیل اللہ کیلئے اٹھی ہے، بیرونی حکومت سے تبرد آزما اور استعماری طاقتوں کے مقابلہ میں صف آراء ہوئی ہے، خواہ ایشیا میں ہو یا افریقہ میں، ہمیشہ اس کی صفِ اولین میں قائدانہ کردار ادا کرنے والا فرد، اسی خاندانِ نبوت کا فرد ہوگا، ان حضرات کی تاریخ سرفروشی اور شجاعت و پامردی کے واقعات سے پُر ہے، یہ موضوع کسی ایسے صاحبِ نظر، عالی ہمت اور حق گو مؤرخ کا منتظر ہے، جس کے اندر اخلاقی جرأت، مطالعہ کیلئے صبر وحوصلہ ہو اور وسیع معلومات کا حامل ہو کہ وہ کسی ایک کتاب یا سلسلۂ کتب میں اُن کو یکجا کردے۔ (مثال کے طور پر سیرت سید احمد شہید (ش ۱۲۴۶ھ) اردو میں مصنف کے قلم سے (۱۱۷۶ صفحات میں) مولانا غلام رسول مہر کی کتاب "سید احمد شہیدؒ" (۴،۳،۲،۱) عربی میں "اذا هبت ريح الايمان" اردو میں "جب ایمان کی بہار آئی" انگریزی میں سید غلام محی الدین صاحب کی کتاب "SAIYID AHMAD SHAHEED" ملاحظہ ہوں، نیز مرحوم امیر شکیب ارسلان کے "حاضر العالم الاسلامی" پر محققانہ وفاضلانہ حواشی جن میں طرابلس اور برقہ میں سنوسی تحریک اور الجزائر میں امیر عبدالقادر الجزائری کے جہاد کے بارے میں قیمتی معلومات ہیں۔ ج ۲ ص ۱۴۰-۱۶۵ وص ۱۶۸-۱۷۲ (مکتبہ عیسی البابی

سیرت وکردار کے یہ بلند وشاندار نمونے اس (پھیکی) تصویر کے برعکس ہیں جو ان حضرات کی محبت وعقیدت کے مدعی اور علم بردار پیش کرتے ہیں، وہ اپنے غلو میں ہر طرح

کے حدود پار کر جاتے ہیں، ان لوگوں نے خانوادۂ نبوی کے افراد کا جو نقشہ اور حلیہ پیش کیا ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ لوگ ہمیشہ سہمے سہمے محتاط و مستورالحال رہتے تھے، مصلحت کوشی اور اخفائے حق کی سیاست پر عمل پیرا تھے، تقیہ اور مداہنت سے کام لیتے تھے، وہ اس کو وقتی اور ہنگامی ضرورت نہیں بلکہ مستقل عبادت اور تقرب الی اللہ کا وسیلہ سمجھتے تھے، امتِ محمدیہ (علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام) کو نبوت کی اصل تعلیم سے بے خبر اور بے گانہ رکھتے تھے، دین کو سربلند کرنے اور اس کو غالب کرنے کے جذبے سے عاری و بیگانہ نہ تھے، وہ اس راہ میں کسی خطرہ کا مقابلہ کرنے کیلئے تیار نہیں تھے۔

ان پیشوایانِ ملت کی جو تصویر ان کتابوں میں نظر آتی ہے، جو اُن کے فضائل و مناقب میں لکھی گئی ہیں قطعاً ماسونیت (FREEMASONS) "جمعیۃ اخوان الصفا" (یہ ایک خفیہ یونانی فلسفہ سے متاثر آزاد خیال لوگوں کی جماعت تھی جو اندرون خانہ اور پسِ پردہ کام کرتی تھی، تفصیل کیلئے ملاحظہ ہو مصری فاضل استاد محمد لطفی جمعہ کی کتاب "تاریخ فلاسفۃ الاسلام فی المشرق والمغرب" (مطبوعہ مطبعۃ المعارف مصر ۴۵) اور زیر زمین باطنی تنظیموں (UNDERGROUND ORGANAZATIONS) سے مختلف نہیں ہے، جو مختلف زمانوں میں وجود میں آئیں اور اب بھی مختلف ممالک میں قائم ہیں، اس تصویر کے (جو ان کتابوں سے سامنے آتی ہے) مطالعہ سے دلوں میں وہ اُمنگ اور دین کو پھیلانے اور اسلام کو غالب کرنے کی کوشش کا وہ جذبہ نہیں پیدا ہوتا جس نے بارہا تاریخ کا رُخ بدل دیا اور چودہ صدیوں کی اسلامی تاریخ میں متعدد بار تاریک و مایوس کن دور کی صورتِ حال کو بدل کر تاریخ انسانی کو نیا رخ دینے کی کامیاب کوشش کی۔

(انتخاب "المرتضیٰ")

مستند تاریخی شواہد

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حمد وثناء اور درود وسلام

تمام تعریفیں اللہ ہی کے لئے ہیں جو تمام کائنات کا پالنے والا اور اس کائنات کا حقیقی بادشاہ ہے۔ اس نے اپنے اولیاء کے دلوں کو ہدایت اور یقین کی قوت سے روشن فرمایا اور ان کی فہم وفراست کو وحی کے نور سے تقویت بخشی۔ جس کو چاہا اپنی رحمت سے ہدایت عطا فرمائی اور جسے چاہا اپنی حکمت سے گمراہ کیا۔ چنانچہ کافروں اور منافقوں کے قلوب نورحق کو قبول کرنے سے اندھے ہو گئے۔ پس اللہ تعالیٰ کی پوری حجت اس کی تمام مخلوق پر قائم ہو گئی۔

میں اپنے رب کی حمد کرتا ہوں اور اس کا ایسا شکر کرتا ہوں جو اس کی ذات اور اس کی عظیم بادشاہت کے لائق ہے۔ اور میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ وہ اکیلا ہے اس کا کوئی شریک نہیں۔ وہی قیامت کے دن کا مالک ہے۔ اور میں گواہی دیتا ہوں کہ ہمارے نبی اور سردار حضرت محمد ﷺ کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔ اولین وآخرین کے سردار ہیں۔ جن کو قرآن کے ساتھ تمام مسلمانوں کیلئے رحمت اور خوشخبری بنا کر بھیجا گیا۔ اے اللہ! درود وسلام اور برکتیں بھیج اپنے بندے اور رسول محمد ﷺ پر اور آپ کی آل واصحاب وتابعین پر۔

تمہید: (۱)

امابعد! مسلمانو! اللہ سے ڈرو! اللہ سے ڈرو جیسا کہ اللہ سے ڈرنے کا حق ہے۔ اور اسلام کی رسی کو مضبوطی سے تھامے رکھو۔ اے اللہ کے بندو! بلاشبہ انسان پر اللہ کی سب سے بڑی نعمت سچا دین ہے جس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ مردہ دلوں کو زندہ کرتا ہے اور اس کے ذریعہ گمراہی کے اندھوں کو ایمان کی بصیرت عطا فرماتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

''ایسا شخص جو کہ پہلے مردہ تھا پھر ہم نے اس کو زندہ بنا دیا اور ہم نے اس کو ایسا نور

دیدیا جسے لئے ہوئے وہ لوگوں میں چلتا ہے' کیا ایسا شخص اس شخص کی طرح ہوسکتا ہے جس کی حالت یہ ہو کہ وہ تاریکیوں میں ہے۔ ان سے نکلنے ہی نہیں پاتا''۔(۱۲۲:۶)

اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''جو شخص یہ یقین رکھتا ہو کہ جو کچھ آپ کے رب کی طرف سے آپ پر نازل ہوا ہے وہ سب حق ہے' کیا ایسا شخص اس کی طرح ہوسکتا ہے جو کہ اندھا ہے؟ پس نصیحت تو سمجھ دار لوگ ہی قبول کرتے ہیں''۔(۱۹:۱۳)

اللہ کے نزدیک قابل قبول مذہب صرف اسلام ہے:

اللہ کا دین آسمان و زمین میں اور اولین و آخرین کیلئے صرف دین اسلام ہے۔ شریعت کے احکام ہر نبی کیلئے مختلف رہے' ہر نبی کو وہی احکام دیئے گئے جو اس کی اُمت کیلئے ہونا چاہیے تھے' اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت اور علم سے جس حکم کو مناسب سمجھا منسوخ کر دیا اور جسے چاہا برقرار رکھا' لیکن جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث فرمایا تو تمام شریعتوں کو منسوخ فرمادیا اور ہر انس و جن کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کا مکلف بنا دیا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''آپ فرمادیجئے' لوگو! میں تم سب کی طرف اس اللہ تعالیٰ کا بھیجا ہوا رسول ہوں' جس کی بادشاہی تمام آسمانوں اور زمینوں میں ہے' اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں' وہی زندہ کرتا ہے اور وہی مارتا ہے۔ پس اللہ پر ایمان لے آؤ اور اس کے رسول پر جو نبی اُمی ہیں' جو کہ اللہ اور اس کے احکام پر ایمان رکھتے ہیں اور تم ان کا اتباع کرو تا کہ تم راہ پر آ جاؤ''۔(۱۸۵:۷)

یہود و نصاریٰ اسلام لائے بغیر نجات نہیں پا سکتے:

ارشاد نبوی ہے: ''قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے' جو بھی یہودی یا عیسائی میری (نبوت و رسالت کی) خبر سن لے اور مجھ پر ایمان نہ لائے وہ جہنم میں داخل ہوگا''۔

پس جو شخص بھی رسول اللہ ﷺ پر ایمان نہیں لائے گا وہ جہنم میں رہے گا۔ اللہ تعالیٰ اسلام کے سوا کوئی اور دین قبول نہیں فرماتے۔ اللہ تعالیٰ قرآن میں اعلان فرما چکے ہیں:

''بیشک دین اللہ تعالیٰ کے نزدیک صرف اسلام ہے''۔(۱۹:۳)

اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''جو شخص اسلام کے سوا کوئی اور دین طلب کرے گا تو اس سے وہ ہرگز قبول نہیں کیا جائے گا اور وہ آخرت میں تباہ کاروں میں سے ہوگا''۔ (۸۵:۳)

کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی محمد ﷺ کو ایسی شریعت کے ساتھ بھیجا جو سب سے افضل ہے اور ایسا دین دے کر مبعوث فرمایا جو سب سے مکمل ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کے دین میں وہ تمام (بنیادی) اصول جمع فرما دیئے جو انبیاء سابقین علیہم السلام کو دیئے گئے تھے۔ چنانچہ ارشاد ربانی ہے:

''اللہ تعالیٰ نے تم لوگوں کے واسطے وہی دین مقرر کیا جس کا اس نے نوح (علیہ السلام) کو حکم دیا تھا اور جس کو ہم نے آپ کے پاس وحی کے ذریعہ بھیجا ہے اور جس کا ہم نے ابراہیم (علیہ السلام)، اور موسیٰ (علیہ السلام) اور عیسی (علیہ السلام) کو حکم دیا تھا کہ اس دین کو قائم رکھنا اور اس میں تفرقہ نہ ڈالنا۔ مشرکین کو وہ بات بڑی گراں گزرتی ہے جس کی طرف آپ ان کو بلاتے ہیں۔ اللہ اپنی طرف جس کو چاہے کھینچ لیتا ہے اور جو شخص رجوع کرے اس کو اپنے تک رسائی دیدیتا ہے''۔ (۱۳:۴۲)

یہود و نصاریٰ کی گمراہی کی وجہ:

یہود و نصاریٰ کے پیشواؤں کو یقین ہے کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا دین ہی سچا دین ہے لیکن مسلمانوں سے حسد، کبر، حب دنیا اور نفسانی اغراض اسلام اور ان کے درمیان حائل ہیں۔ علاوہ ازیں یہود و نصاریٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے قبل ہی اپنی آسمانی کتاب میں تحریف کر چکے تھے اور انہوں نے اپنے دین کو بدل کر رکھ دیا پس وہ کفر و گمراہی پر قائم ہیں۔

مسلمانوں کے خلاف ایک خطرناک تحریک

حق و باطل کے بارے میں مختصر تمہید کے بعد (میں اصل موضوع کی طرف آتا ہوں):

آج کل جاری ایک نئی تحریک ہم مسلمانوں کیلئے بڑی تکلیف دہ ہے، جو مختلف مذاہب کو اور مسلمانوں اور شیعہ کو ایک دوسرے کے قریب لانے کیلئے چلائی جا رہی ہے۔

اور ہمیں ان نام نہاد دانش وروں کی طرف سے چلائی جانے والی (اتحاد مذاہب کی)

دعوت بھی بہت خطرناک اور بری لگ رہی ہے' جو اسلام کے بنیادی اور اساسی عقائد سے بھی واقفیت نہیں رکھتے۔(اور تمام مذاہب کو ایک ثابت کر کے مسلمانوں کو یہودیوں وعیسائیوں کے ساتھ اتحاد و یگانگت اور شرعی احکام میں تساہل اور چشم پوشی کا مشورہ دے رہے ہیں)

خصوصاً جبکہ آج کی جنگیں عقیدہ و مذہب کی بنیاد پر لڑی جا رہی ہیں اور تمام تر مفادات بھی اسی پر مرکوز ہو چکے ہیں' تو ایسی دعوت وتحریک اسلام اور مسلمانوں کیلئے اور بھی زیادہ خطرناک ہوگی۔

اس تحریک کا علمی تجزیہ:

بے شک اسلام یہود و نصاریٰ کو تو اس بات کی دعوت دیتا ہے کہ وہ خود کو جہنم سے نکال کر جنت میں داخل ہو جائیں' اسلام کو مان کر باطل سے چھٹکارا حاصل کریں۔

جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "آپ فرما دیجئے' اے اہل کتاب! آؤ ایک ایسی بات کی طرف جو ہمارے اور تمہارے درمیان مسلمہ ہے کہ بجز اللہ تعالیٰ کے کسی اور کی عبادت نہ کریں اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں اور ہم میں سے کوئی اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی کو رب قرار نہ دے۔ پھر اگر وہ لوگ نہ مانیں تو تم لوگ کہہ دو کہ تم اس کے گواہ رہو کہ ہم تو (یہ بات) ماننے والے ہیں"۔ (۳:۶۴)

اسی طرح اسلام یہود و نصاریٰ کو اس بات کی بھی اجازت دیتا ہے کہ وہ اپنے دین پر قائم رہیں بشرطیکہ اسلام کے ماتحت رہیں مسلمانوں کا جزیہ دیتے رہیں اور امن و امان برقرار رکھیں۔(۲) اسلام یہود و نصاریٰ کو اسلام لانے پر مجبور نہیں کرتا' کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

"دین میں جبر نہیں' یقیناً ہدایت گمراہی سے واضح طور پر جدا ہو چکی ہے"۔(۲:۲۵۶)

لیکن اسلام چونکہ سراپا رواداری اور انسانیت کیلئے خیر خواہی ہے اس لئے وہ یہ ضرور بتاتا ہے کہ یہود و نصاریٰ کا دین باطل ہے۔(ان سے اتحاد نہیں ہو سکتا' اور انسانیت کو یہ بتانا اس لئے ضروری ہے تاکہ سب پر حجت الٰہیہ قائم ہو جائے' اس کے بعد) جو ایمان لانا چاہتا ہے وہ ایمان لے آئے' جو کفر پر اڑا رہنا چاہتا ہے وہ بے شک اڑا رہے۔(یہود و نصاریٰ کا دین چونکہ باطل ہے' اس لئے وہ اپنے دین پر رہتے ہوئے کبھی مسلمانوں کے بھائی نہیں بن

سکتے ہاں اگر) یہود و نصاریٰ اور مشرکین اسلام میں داخل ہونا چاہیں تو اسلام ان کو اپنی آغوش میں لے لے گا اور یوں وہ مسلمانوں کے دینی بھائی بن سکتے ہیں' کیونکہ اسلام میں کسی رنگ و نسل کی وجہ سے کوئی تعصب روا نہیں رکھا گیا۔ اس پر انسانی تاریخ شاہد ہے اور اس بارے میں اللہ تعالیٰ کا اعلان ہے:

''اے لوگو! ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا ہے اور تم کو مختلف قومیں اور مختلف خاندان بنایا تاکہ تم ایک دوسرے کو شناخت کر سکو۔ اللہ کے نزدیک تم سب میں بڑا شریف وہ ہے جو سب سے زیادہ پرہیزگار ہو''۔ (۴۹:۱۳)

☆ باقی رہا اسلام کے ساتھ یہودیت یا عیسائیت کا جوڑ (جس کی آج کل مکار کافروں کی طرف سے تحریک چلائی جارہی ہے) تو یہ بالکل ہی ناممکن اور محال ہے' اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

''اور نہیں برابر ہو سکتا اندھا اور آنکھوں والا' اور نہ تاریکی اور روشنی' اور نہ چھاؤں اور دھوپ' اور زندے اور مردے برابر نہیں ہو سکتے۔ بے شک اللہ جس کو چاہتا ہے سنوار دیتا ہے' اور آپ ان لوگوں کو نہیں سنا سکتے جو قبروں میں ہیں''۔ (۳۵:۱۹ تا ۲۲)

ایک اور خطرناک نظریہ:

اسی طرح یہ نظریہ بھی باطل ہے (ا) کہ مسلمان بعض شرعی احکام سے دستبردار ہو جائیں اور یہود و نصاریٰ کو مائل کرنے کیلئے بعض دینی احکام میں تساہل اور چشم پوشی سے کام لیں' یا کفار سے دوستی رکھیں' تو یہود و نصاریٰ قریب ہو سکتے ہیں۔ سچا مسلمان ایسا کبھی نہیں کر سکتا۔ (نہ ہی یہود و نصاریٰ دوستی سے مسلمانوں کے قریب ہو سکتے ہیں)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''جو لوگ اللہ پر اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتے ہیں' آپ ان کو نہ دیکھیں گے کہ وہ ایسے لوگوں سے دوستی رکھیں جو اللہ اور اس کے رسول کے دشمن ہیں' گو وہ ان کے باپ یا بیٹے یا کنبہ ہی کیوں نہ ہو''۔ (۵۸:۲۲)

حق کی حمایت اور باطل سے نفرت فرض ہے:

الغرض مسلمان اور کافر میں کوئی رشتہ نہیں' مگر اس کے باوجود اسلام کسی مسلمان کو اجازت نہیں دیتا

کہ وہ کفار پر ظلم کرے کیونکہ اسلام نے مسلمانوں کو کفار کے ساتھ بھی انصاف کرنے کا پابند کیا ہے۔

ہاں مسلمان کو حکم دیا گیا ہے کہ وہ حق کا دفاع کرے اور دین کی نصرت کرے اور باطل سے نہ صرف دشمنی رکھے بلکہ اس کی قوت توڑنے کی کوشش کرے۔ اسلام اور کفر کے درمیان یہ امتیاز جب ہی حاصل ہو سکتا ہے کہ اسلام کے عقائد اور بنیاد کو پوری قوت سے پکڑا جائے۔ ایمان پر ثابت قدمی اور اسلام کے احکام کی سختی کے ساتھ پابندی ہی سے مسلمان دنیا میں سعادت مند ہو کر اپنی عزت اور اپنے حقوق کا تحفظ کر سکتا ہے۔ دین پر استقامت ہی سے حق کو مستحکم اور باطل کو باطل قرار دیا جا سکتا ہے۔

اس تحریک کے نتائج:

اس کے برعکس مذاہب کو باہم قریب دکھانے کی جو تحریک چلائی جا رہی ہے تو یہ (نہ صرف) اسلام کے بالکل منافی ہے بلکہ مسلمانوں کو بہت بڑے فساد اور فتنہ میں ڈال دے گی۔ اس کے نتائج عقیدۂ اسلام میں پیوندکاری، ایمان کی کمزوری اور اللہ کے دشمنوں سے دوستی جیسے بھیانک ہوں گے، حالانکہ اللہ نے اہل ایمان کو تو آپس میں دوستی کا حکم دیا ہے، چنانچہ ارشاد ہے:

''اور مؤمن مرد اور مؤمن عورتیں بعض بعض کے دوست ہیں''۔ (۹:۷۱)

جبکہ اللہ نے کفار کو چاہے کسی بھی گروہ سے تعلق رکھتے ہوں ایک دوسرے کا دوست بتایا ہے۔ (اس لیئے وہ ایک دوسرے کے دوست تو ہو سکتے ہیں، مسلمانوں کے دوست ہرگز نہیں ہو سکتے) چنانچہ فرمایا:

''اور کافر کافروں کے دوست ہیں۔ اگر تم نے اس طرح نہ کیا تو زمین میں بہت بڑا فتنہ اور بہت بڑا فساد ہو جائے گا''۔ (۸:۷۳)

مشہور مفسر امام ابن کثیر رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس کی تفسیر یوں کی ہے:

''یعنی اگر تم نے مشرکین سے علیحدگی اختیار نہ کی اور اہل ایمان سے دوستی نہ کی، تو بہت بڑا فتنہ لوگوں میں برپا ہو جائے گا۔ فتنہ سے مراد مسلمانوں کا کفار سے گھل مل جانا اور دین کی حقیقت کا مشتبہ ہو جانا ہے۔ پس مسلمانوں اور کافروں کے درمیان اختلاط سے بہت

خطرناک فساد واقع ہو جائے گا“۔

اور اللہ کا ارشاد ہے: ”اے ایمان والو! یہود و نصاریٰ کو دوست مت بناؤ۔ وہ تو ایک دوسرے کے دوست ہیں“۔ (۵۱:۵)

اسلام اور یہودیت میں کوئی تعلق نہیں:

اسلام اور یہودیت میں کیا جوڑ ہو سکتا ہے جبکہ اسلام اپنی پاکیزگی، روشنی، نورانیت، شرافت و عدالت، رواداری، وسعت ظرفی، بلند اخلاقی اور جن وانس کیلئے عام ہونے میں بے مثال ہے۔ اور یہودیت مادہ پرستی، تنگ نظری، انسانیت کے ساتھ کینہ پروری، اخلاقی انحطاط، اندھیر نگری اور لالچ وطمع کا مجموعہ ہے۔ تو اسلام اور یہودیت میں کیا جوڑ ہو سکتا ہے؟

کیا کوئی مسلمان اس بہتان کو قبول کر سکتا ہے جو یہودی حضرت مریم صدیقہ عابدہ علیہا السلام پر لگاتے ہیں؟

کیا مسلمان یہودیوں کی اس بات کو برداشت کر سکتے ہیں جس میں وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو نعوذ باللہ ولد الزنا کہتے ہیں؟

بناء بریں (اللہ کے) قرآن اور شیطان کی ”تلمود“ (یہودیوں کی مذہبی کتاب) کے درمیان کیونکر قرب و تعلق ہو سکتا ہے؟

اسلام اور عیسائیت میں کوئی جوڑ نہیں:

اسی طرح مسیحیت اور نصرانیت کا بھی اسلام سے کوئی تعلق نہیں۔ اسلام صاف ستھرا دین توحید ہے۔ سراپا رحمت وانصاف ہے اور مکمل شریعت ہے، جبکہ عیسائیت گمراہی کا مجموعہ ہے۔ گمراہ عیسائیت کہتی ہے کہ حضرت عیسیٰ اللہ کے بیٹے ہیں یا وہ خود اللہ ہیں یا تیسرے معبود ہیں۔ کیا عقل اس بات کو تسلیم کر سکتی ہے کہ معبود رحم مادر میں پرورش پائے؟ کیا عقل مانتی ہے کہ معبود کھائے پیئے، گدھے کی سواری کرے، سوئے اور بول و براز کرے؟ تو ایسے بے ہودہ مذہب کو اسلام سے کیا نسبت؟ اسلام تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی عظمت کا قائل ہے اور اس میں یہ عقیدہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ کے بندے ہیں، بنی اسرائیل کے رسول ہیں اور اللہ کے افضل ترین رسولوں میں سے ہیں۔

شیعیت اور اسلام میں کوئی مناسبت نہیں:

اور اہلسنّت اور شیعہ کا آپس میں کیا جوڑ؟ اہلسنّت تو حاملین قرآن و حاملین حدیث ہیں۔ انہی کے ذریعہ تو اللہ تعالیٰ نے دین کی حفاظت فرمائی ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے اسلام کی سربلندی کیلئے جہاد کیا اور سنہری تاریخ رقم کی۔ جبکہ دوسری طرف روافض (یعنی شیعہ) کا یہ حال ہے کہ صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم پر لعنت بھیجتے ہیں اور یوں دین اسلام کی بنیادیں کھوکھلی کرتے ہیں، اس لئے کہ صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم تو وہ حضرات ہیں جنہوں نے ہم تک دین پہنچایا ہے، سو جو شخص ان پر لعن وطعن کرے وہ اسلام کو ڈھائے گا۔

شیعہ کی اسلام سے دوری کی پہلی وجہ:

☆ اور اہلسنّت و روافض میں قرب کیونکر ہو سکتا ہے، حالانکہ یہ روافض خلفاء ثلاثہ (یعنی حضرت ابوبکر، حضرت عمر اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہم) کو گالیاں دیتے ہیں اگر ان میں عقل ہوتی تو سمجھ جاتے کہ ان کی گالیاں درحقیقت رسول اللہ ﷺ پر پڑتی ہیں۔ اس لئے کہ حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما تو رسول اللہ ﷺ کے سسر تھے اور ان کی زندگی میں ان کے وزیر رہے اور آپ کی وفات کے بعد آپ کے پہلو میں مدفون ہیں۔ بھلا یہ مرتبہ اور کس کو مل سکا جو ان دونوں حضرات نے پایا؟

شیعہ کے گمراہ ہونے کی واضح دلیل:

☆ یہ دونوں حضرات رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تمام غزوات میں بنفس نفیس شریک رہے ہیں۔ مذہب شیعہ کے باطل ہونے کیلئے یہی دلیل کافی ہے۔ اور رہے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ تو وہ تو رسول اللہ ﷺ کی دو صاحبزادیوں کے شوہر تھے اور (یہ بات بالکل واضح ہے کہ) اللہ اپنے رسول کیلئے سب سے بہترین ساتھیوں اور سب سے بہترین داماد کے سوا کسی اور کو پسند نہیں کرتا۔ اگر یہ روافض اپنے خیال میں سچے ہیں تو بھلا یہ بتائیں کہ رسول اللہ ﷺ نے خلفاء ثلاثہ کی اسلام دشمنی کو واضح کیوں نہ کیا؟ اور امت کو اس سے کیوں نہ ڈرایا؟

☆ (خلفاء ثلاثہ پر طعن وتشنیع کا دائرہ کار صرف انہیں تک محدود نہیں) بلکہ یہ طعن وتشنیع

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر کیچڑ اچھالنے کے مترادف ہے' اس لئے کہ خود حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مسجد نبوی میں حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاتھ پر بیعت کی تھی اور اپنی صاحبزادی ام کلثوم کا نکاح حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے کیا تھا اور اپنی خوشی سے حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاتھ پر بھی بیعت کی تھی اور (صرف یہی نہیں بلکہ) آپ تو خلفاء ثلاثہ کے وزیر' عقیدت کیش اور خیر خواہ تھے۔ سو کیا حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کسی کافر کو اور اپنا داماد بنا سکتے ہیں اور کیا آپ کسی کافر کے ہاتھ پر بیعت کر سکتے ہیں؟ سبحان اللہ! یہ تو بہتان عظیم ہے۔

☆ اور ان روافض کا حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر لعنت کرنا درحقیقت حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر لعنت کرنا ہے' اس لئے کہ حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ محض اللہ کی رضا کیلئے حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حق میں خلافت سے دستبردار ہوئے تھے اور رسول اللہ ﷺ نے اس بات پر (پیشگی) حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تعریف کی تھی۔ سو کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نواسہ کسی کافر کے حق میں خلافت سے دستبردار ہو سکتا ہے کہ وہ لوگوں پر حکومت کرتا پھرے؟ سبحان اللہ! یہ تو حضرت حسن پر بہت بڑا بہتان ہے۔ اس پر اگر یہ لوگ یہ کہیں کہ حضرت علی اور حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہما دونوں اس بارے میں مجبور تھے تو یہ اس بات کی دلیل ہے کہ ان روافض میں عقل نام کی کوئی چیز ہی نہیں' اس لئے کہ یہ بات تو ان دونوں حضرات کی شان میں ایسا نقص ہے کہ اس سے بڑھ کر کوئی نقص ہو ہی نہیں سکتا۔

شیعہ کی اسلام سے دوری کی دوسری وجہ:

اور یہ لوگ مسلمانوں کی ماں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا پر کیسے لعنت بھیجتے ہیں؟ حالانکہ ان کے ام المؤمنین ہونے کی تصریح خود اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں کی ہے' چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

"نبی مؤمنین کے ساتھ خود ان کی جانوں سے بھی زیادہ تعلق رکھتے ہیں اور آپ کی بیویاں ان کی مائیں ہیں"۔ (۶:۳۳)

اور اس بات میں کوئی شک نہیں کہ ام المؤمنین پر وہی شخص لعنت کر سکتا ہے جس کے

نزدیک ام المؤمنین اس کی ماں نہ ہوں' اس لئے کہ جس کی ماں موجود ہوتی ہے وہ اس پر لعنت نہیں کرتا بلکہ اس سے محبت کرتا ہے۔

شیعہ کی اسلام سے دوری کی تیسری وجہ

اور اہلسنّت و روافض ایک دوسرے کے قریب کیوں کر ہو سکتے ہیں؟ حالانکہ یہ روافض گمراہی کے امام اور سرغنے "خمینی" کو معصوم کہتے ہیں اور خود یہ اس بات کا اقرار بھی کرتے ہیں کہ خمینی ان کے مہدی کا نائب ہے۔ وہ مہدی جس کے بارے میں ان کا عقیدہ ہے کہ وہ "سامرہ" مقام کے ایک غار میں گھس گیا ہے۔ چونکہ خمینی مہدی کا نائب ہے اور نائب کا حکم وہی ہوتا ہے جو اصل کا' چنانچہ جب مہدی معصوم ہے تو خمینی بھی معصوم ٹھہرا' کیونکہ وہ اس کا نائب ہے۔ اور (ان روافض نے صرف اسی پر بس نہیں کیا بلکہ) یہ اپنے ہر فقیہ کی ولایت اور معصومیت کے بھی قائل ہیں' یہ (ان کے عقیدے کا) کس قدر کھلا تضاد ہے گویا انہوں نے اپنے مذہب کی بنیادیں خود ہی کھوکھلی کر دی ہیں اور (یہ کوئی تعجب خیز بات نہیں' اس لئے کہ) جھوٹ کا یہی حال ہوتا ہے کہ اس کی باتیں ایک دوسرے سے متصادم ہوتی ہیں اور یوں خود ہی اس کا خاتمہ ہوتا ہے۔

شیعہ یہود و نصاریٰ سے زیادہ خطرناک ہیں:

تمام اہل بیت ان روافض اور ان کے اس باطل عقیدہ سے بری ہیں۔ اور ان کے مذہب کے بطلان پر شرعاً و عقلاً اتنے دلائل ہیں کہ انتہائی کدوکاوش کے بغیر ان کا اندازہ لگانا بھی مشکل ہے۔ سو ان کو چاہئے کہ (اپنے عقائد باطلہ سے تائب ہو کر) دین اسلام میں داخل ہو جائیں۔ ہم اہلسنّت تو بال برابر بھی ان کے قریب نہیں ہو سکتے۔ یہ لوگ اسلام کے حق میں یہود و نصاریٰ سے زیادہ خطرناک ہیں' ان پر کبھی بھی کسی بھی طرح بھروسہ نہیں کیا جا سکتا۔ بلکہ مسلمانوں کو چاہئے کہ وہ (ان کے مکروفریب سے دفاع کرنے کیلئے) ہر وقت ان سے چوکنا رہیں اور ان کی گھات میں بیٹھے رہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

"یہی لوگ دشمن ہیں آپ ان سے ہوشیار رہیں۔ اللہ ان کو غارت کرے کہاں پھرے چلے جاتے ہیں"۔ (۴:۶۳)

واضح رہے کہ رفض وشیعیت کا نسب خاص عبداللہ بن سبا یہودی اور ابولولو مجوسی سے ملتا ہے۔

مسلمانو! کفر کے مقابلے میں متحد ہو جاؤ:

پس اے مسلمانو! اس کے سوا کوئی چارہ کار نہیں کہ مسلمان اپنے عقیدہ میں حق و باطل کا امتیاز کرے۔ جسے اللہ نے اچھا قرار دیا اسے اچھا سمجھے اور جسے اللہ نے ناپسندیدہ بتایا اسے مکروہ ومبغوض سمجھے۔ سب مسلمان باہمی مدد ونصرت کے ذریعہ ایک ہو جائیں کیونکہ مسلمانوں کے تمام دشمنوں کو ان کے باطل دین اور کافرانہ عقائد نے اسلام دشمنی پر متحد کر دیا ہے۔ اور یہ آج سے نہیں بلکہ ہمیشہ سے دشمنان اسلام مسلمانوں کے خلاف متحد رہے ہیں اور اس کا کوئی امکان نہیں کہ کفار مسلمانوں سے خوش ہو جائیں۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ''اور ہرگز یہود ونصاریٰ آپ سے راضی نہیں ہو سکتے الا یہ کہ آپ ان کے مذہب کے پیروکار بن جائیں''۔ (۲:۱۲۰)

اللہ تعالیٰ کا ایک اور ارشاد ہے: ''اور کفار تم سے ہمیشہ جنگ کرتے رہیں گے' یہاں تک کہ تم کو تمہارے دین سے ہٹا دیں اگر ان کے بس میں ہو''۔ (۲:۲۱۷)

صہیونی حکومت کے قیام کے مقاصد:

چنانچہ ''فلسطین'' میں ایک صیہونی و یہودی حکومت کی داغ بیل صرف اس لئے ڈالی گئی تاکہ اسلام سے مسلح جنگ کا آغاز کر کے علاقہ کو ہولناک حالات سے دوچار کر دیا جائے۔ اور صیہونی حکومت کے قیام کے بعد یہودی استعمار نے عالم اسلام کے خلاف متعدد ایسی بنیادی اور اجتماعی سازشوں کا آغاز کیا' جن کا غم مسلمانوں کو آج بھی کھائے جا رہا ہے۔

یہودیوں کی ایک بڑی سازش:

ان سازشوں میں سب سے بڑی سازش یہ تھی کہ عالم اسلام سے شرعی عدالتوں کا خاتمہ کر کے اس کی جگہ خود ساختہ قوانین اور غیر اسلامی عدالتوں کا اجراء کیا جائے۔ چنانچہ کفار اس میں بڑی حد تک کامیاب ہو گئے لیکن اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ سعودیہ کی اسلامی حکومت اس سازش کا شکار نہ ہو سکی اور یہاں آج بھی شرعی عدالتیں قائم ہیں' اور اسلامی (عرب) حکومتوں

میں صرف سعودیہ حکومت ہے جو توحید کی علمبردار ہے؟

تازہ ترین خوفناک یہودی سازش:

بیشتر ممالک اسلامیہ میں شرعی و اسلامی عدالتیں ختم کرنے میں کامیابی کے بعد آخر میں یہود و نصاریٰ نے علاقہ میں نئی سازشوں کا جال پھیلایا' تاکہ ان کو عسکری اور فوجی مداخلت کا بہانہ ملے۔ چنانچہ یہاں بعث' اشتراکیت اور قومیت جیسے مذاہب کفریہ اور غیر مسلم احزاب کے نام سے عسکری انقلابات کا سلسلہ شروع ہوا۔ حالانکہ ان جماعتوں اور مذاہب کا اسلام سے دور کا واسطہ بھی نہ تھا۔

صدام کس سازش کی پیداوار:

چنانچہ ان مذاہب کفریہ نے صدام جیسے لوگوں کو جنم دیا' جس کے نتیجے میں شریعت مطہرہ اور علم نبوت سے مسلح جنگ چھیڑ دی گئی۔ پھر تمام وسائل بروئے کار لائے گئے اور حق کی آوازوں کو دبا دیا گیا۔ کفار کی سازشوں نے رنگ دکھایا اور خاندان کے خاندان مغربی ممالک کی طرف کوچ کر گئے۔ چنانچہ وہ حکومتیں جو فوجی انقلابات کا شکار ہوئی تھیں' مغربی اثرات کی وجہ سے دین میں کمزور ہوتی چلی گئیں۔ پھر ہر نئی حکومت پہلی حکومت کو تباہی و بربادی کا ذمہ دار ٹھہرا کر اس پر لعنت بھیجتی رہی۔ والعیاذ باللہ! بعض اسلامی ممالک کی حالت تو اس قدر ناگفتہ بہ ہو چکی ہے کہ اب وہاں نماز باجماعت ادا کرنا بہت بڑا جرم ہے جس پر سزا دی جاتی ہے۔ ولا حول ولا قوۃ الا باللہ !!!

جب یہ حالات ہوں تو نصرت الٰہیہ' دینی عزت اور شرافت کا کیا تصور کیا جا سکتا ہے؟

جزیرۂ عرب پر یہود و نصاریٰ کی یلغار:

صیہونی حکومت کا قیام' اسلامی ممالک سے شرعی عدالتوں کا خاتمہ اور ان کی جگہ خود ساختہ نظام اور غیر اسلامی قانون کے اجراء' مسلمانوں میں اسلام کے بالمقابل مذاہب اور جماعتوں کی ترویج و تشکیل اور اس کے نتیجے میں صدام حسین جیسے شخص کے منظر عام پر آ جانے کے بعد بڑی طاقتوں کیلئے گویا وہ تمام اسباب مہیا ہو گئے جن پر وہ اصل سازش کو پروان چڑھا

سکتے تھے۔ چنانچہ عالمی طاقتوں نے باقاعدہ فوجی و عسکری مداخلت کا راستہ ہموار کرنے کیلئے قصداً جعلی بحران پیدا کرنا شروع کردیئے جبکہ وہ اقتصادیات پر پہلے ہی قابض ہو چکے تھے۔

مملکت حرمین کے خلاف بڑی طاقتوں کے عزائم:

اور اب تو بڑی طاقتوں کے یہ عزائم کھل کر سامنے آچکے ہیں کہ مملکت حرمین شریفین کو ایسی کئی چھوٹی چھوٹی ریاستوں میں تقسیم کردیا جائے جو باہم لڑتی جھگڑتی رہیں۔ یوں اسلام دشمنی کے عقیدہ کو تحفظ فراہم کیا جائے۔

یاد رکھیں! عالمی طاقتیں مملکت حرمین کی سخت ترین دشمن ہیں کیونکہ یہ مملکت اسلام کا بہت بڑا مرکز اور قلعہ ہے۔ اس بارے میں امریکہ، برطانیہ اور ان کے ہمنوا حکومتوں کے مکروہ عزائم طشت از بام ہو چکے ہیں۔ کفار کی تمام حکومتیں حرمین کی اس مملکت کو نقصان پہنچانے کے درپے ہیں بلکہ تمام کفریہ طاقتیں اسلام اور مسلمانوں کے خلاف متحد ہو چکی ہیں۔ اس لئے ان حکومتوں میں سے کسی پر کبھی بھی بھروسہ نہیں کیا جاسکتا (خصوصاً جبکہ) امریکہ و برطانیہ کی طرف سے مملکت حرمین کو اس کی بقاء اور سلامتی سے متعلق دھمکیاں دی جارہی ہیں تو ان کی کھلی دشمنی، بدنیتی، نقصان پہنچانے کے عزائم اور مملکت حرمین کی تباہی کے منصوبے بالکل عیاں ہو چکے ہیں۔

امریکہ کو امام مدینہ کا انتباہ:

امریکہ کان کھول کر سن لے کہ وہ مملکت حرمین کو تنہا نہ سمجھے۔ مشرق سے لے کر مغرب تک کے تمام مسلمان حرمین شریفین کی مملکت کے دفاع کیلئے متحد ہیں۔ کیونکہ ارض حرمین اہل ایمان کا آخری مرکز ہے۔

عالمی طاقتوں کے اہداف

عالمی طاقتوں کے ناپاک عزائم اور ان کے اہداف یہ چھ امور ہیں:

☆ صہیونی و یہودی حکومت اسرائیل کو مستحکم کرنا۔

☆ مسجد اقصیٰ کو گرا کر اس کی جگہ ہیکل سلیمانی تعمیر کرکے یہودیوں کی دیرینہ آرزو پوری کرنا۔

☆ عرب مسلم ممالک پر یہودیوں کی فوجی و عسکری برتری کو برقرار رکھنا۔

☆ خلیج کی دولت پر قبضہ جمانا تا کہ اہل خلیج کو بچا کھچا ہی مل سکے۔

☆ اسلام کی دعوت پر فیصلہ کن وار کرنا۔

☆ ہر اس چیز کی تحریک چلانا جو اسلام کے خلاف ہو' جس سے اسلام کے عطا کردہ بہترین اخلاق کو تباہ کیا جا سکے اور عرب اسلامی ممالک کو باہمی لڑائیوں میں مصروف رکھا جا سکے۔

عالم اسلام کو ترکی سے عبرت لینی چاہیے

مسلمانو! تمہیں ''ترکی'' سے عبرت حاصل کرنا چاہیے۔ جب کمال اتاترک ملعون نے سیکولر حکومت قائم کی اور ترکوں پر زبردستی کفریہ نظام مسلط کیا۔ ترک حکام نے نہ صرف اسلام کو پس پشت ڈالا بلکہ اُنہوں نے اسلام سے ہر جگہ دو بدو جنگ کی اور اب تک وہ اسلام کے خلاف صف آرا ہیں۔ وہ یہودیوں کے ساتھ عسکری عہد و پیمان کر چکے ہیں۔ اس کے باوجود کفار ترک حکومت سے صرف اس شرط پر خوش ہیں کہ وہ یہودیوں کی خدمت گزار اور فرمانبردار بنی رہے۔ ترکی نے یہود و نصاریٰ کیلئے اپنا دین و ایمان سب کچھ قربان کر دیا لیکن ترکی کو کوئی یورپی ملک اپنے ساتھ ملانے کو تیار نہیں۔ ترکی کا جرم کیا ہے؟ یہی کہ وہ کسی زمانہ میں اسلام کا مرکز رہا تھا۔

ترکی کے حالات سے عبرت پکڑو اور یاد رکھو تم احکام اسلام سے کتنے ہی دستبردار ہو جاؤ' کفار تم سے کبھی بھی راضی نہیں ہو سکتے۔ لہٰذا ان کو راضی رکھنے کے بجائے اپنے دین اور اپنے حق کا دفاع کرو۔ مسلمانو! کفار کی یہ دشمنی دین پر مبنی ہے۔

عراق کے مظلوم عوام کا محاصرہ کیوں؟

اگر دشمنی کی بنیاد دین اسلام نہیں تو بتاؤ چھ سال سے عراقی عوام کا محاصرہ کیوں جاری ہے؟ بتاؤ آخر عراق کے کمزور عوام کا قصور کیا ہے؟ سوائے اس کے وہ مسلمان ہیں۔ رہا صدام اور اس کا حکمران ٹولہ تو محاصرہ اور اقتصادی ناکہ بندی سے انہیں قطعاً کوئی نقصان نہیں پہنچ رہا۔

عالمی طاقتیں اس ظلم کا جواز یہ بتاتی ہیں کہ عراق نے اقوام متحدہ کی قرارداد کی مخالفت کی ہے۔ جبکہ یہ صرف ایک قرارداد ہے' مگر دوسری طرف یہودی دشمن کو دیکھیں' اس نے اب تک اقوام متحدہ کی ایک نہیں ساٹھ قراردادوں کو مسترد کر رکھا ہے۔ بلکہ اس نے آج تک ایٹمی

ہتھیاروں کے خلاف قرارداد پر دستخط نہیں کئے‘ حالانکہ یہ خطہ ایسا آتش فشاں اور فتنہ وفساد سے پر ہے کہ تباہ کن اسلحہ کو برداشت کرنے کی قطعاً صلاحیت نہیں رکھتا۔

صدام کس کا آلہ کار؟

عراقی عوام پر جاری ظلم میں خود صدام کو بری الذمہ قرار نہیں دیا جا سکتا‘ کیونکہ صدر صدام وہی کچھ کرتا ہے جو دشمنان اسلام چاہتے ہیں۔

امریکہ کو خیر خواہانہ نصیحت:

میں امریکہ کو نصیحت کرتا ہوں کہ ہمارے خطہ میں مداخلت بند کر دے۔ جہاں تک خلیج میں امن وامان اور اس کے تحفظ کا معاملہ ہے‘ تو اس کی ذمہ داری خود خلیجی ممالک پر (جن میں سرفہرست سعودیہ ہے) عائد ہوتی ہے نہ کہ امریکہ پر۔ (لہٰذا امریکہ تحفظ کے نام سے لائی ہوئی فوجیں واپس لے جائے)

امریکہ اپنی طاقت پر غرور نہ کرے۔ اللہ تعالیٰ کی سنت چلی آ رہی ہے کہ جب بھی کمزور مغلوب (ومظلوم) ہوئے ہیں قوت والوں کو تباہ و برباد کر دیا جاتا ہے۔ اور یہ تباہی رب العالمین کی طرف سے ہوتی ہے۔ اس لئے کمزوروں کی بے سروسامانی سے دھوکا نہیں کھانا چاہئے۔

امریکہ افغانستان سے عبرت حاصل کرے

امریکیوں کو افغانستان کے مسلمانوں سے سبق لینا چاہئے‘ جنہوں نے لاٹھیوں سے جہاد شروع کیا اور اس وقت کی بڑی طاقت کو نیست و نابود کر دیا۔ یاد رکھیں ٹیکنالوجی ہی سب کچھ نہیں‘ اصل قوت تو ایمان کی ہے۔

بھیڑیا کیسے بھیڑوں کا نگہبان ہو سکتا ہے؟

جزیرۂ عرب میں امن وامان کے قیام کی ذمہ داری خود یہاں کی حکومتوں پر ہے‘ بلکہ یہ ان کا فرض ہے۔ بیرونی ملکوں کی مداخلت کی کیا ضرورت؟ بلکہ آج یہ خطہ یعنی جزیرۂ عرب جن خطرناک مشکلات اور ہولناک اضطراب سے دوچار ہے تو اس میں کوئی شبہ نہیں کہ ان کا

اصل سبب خود یہی بڑی طاقتیں ہیں۔ ان کفریہ طاقتوں کا طریق واردات یہ ہے کہ جہاں کہیں کوئی معمولی حادثہ پیش آ جائے' جو درپردہ انہیں کا اپنا پیدا کردہ ہوتا ہے' تو یہ اس کو حل کرنے کے بہانے وہاں کود پڑتی ہیں۔ عنوان تو اس ملک کو پیش خطرات ومصائب سے نجات دلانے کا ہوتا ہے' مگر درحقیقت یہ طاقتیں اس آڑ میں اس ملک کیلئے سب سے بڑا خطرہ ومصیبت بن جاتی ہیں۔

بھیڑیا کیسے بھیڑوں بکریوں کا نگہبان ہوسکتا ہے؟

یہودیوں کو جزیرۂ عرب سے نکالنا مسلمانوں پر فرض ہوچکا ہے

اے اللہ کے بندو! مسلمانوں اور کافروں کے درمیان عداوت مذہبی بنیادوں پر ہے۔ (تو پھر وہ مسلمانوں کے خیر خواہ کیسے ہوسکتے ہیں؟) اور امریکہ اگرچہ بذات خود ایک عیسائی حکومت ہے لیکن اس کی باگ ڈور یہودیوں کے ہاتھ میں ہے۔ امریکہ کا کسی معاملے میں کوئی حکم واختیار نہیں چلتا' یہودی جیسے چاہتے ہیں اسے استعمال کرتے ہیں۔ مگر مسلمان بلاد حرمین میں امریکہ کے عسکری وجود کو کسی حال میں بھی قبول نہیں کرسکتے۔ مسلمان امریکہ یا کسی بھی کفریہ طاقت کے مسلح وجود کو جزیرۂ عرب میں برداشت نہیں کرسکتے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے:

''جزیرۂ عرب میں دو دین باقی نہ رہ سکتے''

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آخری وصیت یہ تھی:

''یہود ونصاریٰ کو جزیرۂ عرب سے نکال دو''

سو (اس وقت جب یہود ونصاریٰ نے ارض حرمین میں اور اس کے چاروں طرف اپنے فوجی اڈے بنائے ہوئے ہیں تو مسلمانوں پر) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس وصیت پر عمل کرتے ہوئے ان کو جزیرۂ عرب سے نکالنا فرض ہوچکا ہے۔

مسلمانوں کی پستی کا علاج:

اے مسلمانو! تم پر عذاب کے بادل منڈلا رہے ہیں۔ تباہی وبربادی سے نجات کیلئے توبہ کرو اور اللہ کی طرف رجوع کرو۔ کیونکہ یہ طے شدہ امر ہے کہ نافرمانی اور گناہوں ہی کی وجہ سے

مصیبت وبلا نازل ہوتی ہے اور توبہ ہی سے ان سے نجات ملتی ہے۔

اے وہ شخص جس نے شراب پی کر اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی! اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کر تو اس توبہ کے ذریعہ پورے معاشرہ کی اصلاح میں معاون ثابت ہوگا۔ اے وہ شخص جس نے زنا یا بدفعلی کا ارتکاب کر کے اللہ کی نافرمانی کی! اللہ کے سامنے توبہ کر۔ اے وہ شخص جس نے منشیات کے ذریعہ اللہ کی نافرمانی کی! اپنے رب کے سامنے توبہ کر اس لئے کہ تو عنقریب اسی کی طرف لوٹ کر جائے گا۔ اے وہ شخص جس نے نماز چھوڑنے کے ذریعہ اللہ کی نافرمانی کی! اللہ عزوجل کی بارگاہ میں توبہ کر۔ اے وہ شخص جس نے کسی مسلمان کے مال یا عزت کو نقصان پہنچا کر اس پر ظلم کیا ہے! اپنے رب کی طرف رجوع کر۔

اپنے اموال کو سود سے پاک کرو اس لئے کہ سود ان اسباب میں سے ہے جس سے ہلاکت اور جنگیں مسلط ہوتی ہیں۔ لین دین اور خرید وفروخت کے معاملات کو ان اُمور سے پاک کرو جو دین اسلام ونصوص شریعت کے موافق نہ ہوں' تاکہ بنکوں میں ہونے والے ہر قسم کے معاملات احکام اسلام کے ماتحت' ان کے موافق اور ان سے مزین ہو جائیں۔

دعوت وتبلیغ ہر مسلمان کا فریضہ ہے:

اللہ تعالیٰ کی طرف دعوت دو۔ دعوت الی للہ اور دعوت الی الاسلام کو مستحکم کرو۔ مسلمانوں کو دین سکھاؤ۔ عالم اسلام میں دینی تعلیم کیلئے مدارس اسلامیہ قائم کرنے کا خاص اہتمام کرو۔ اللہ کی طرف دعوت دینا ہر مسلمان پر فرض ہے۔ اور ان علماء پر دعوت الی اللہ کا اہتمام کرنا بطور خاص فرض ہے جن کے عقیدہ' علم اور استقامت وتصلب پر اعتماد کیا جاتا ہے۔ اور جو صاحب فتویٰ ہیں' لوگ اپنے ان مسائل کے حل کیلئے ان کی طرف رجوع کرتے ہیں' جن میں وہ ایسے فتویٰ کے محتاج ہوتے ہیں جو کتاب وسنت کے مطابق ہو۔

مسلمانوں کو چند نصیحتیں:

اے مسلمانو! ان گروہوں سے بچو جو تفرقہ پیدا کرنے والے ہیں۔ ان خواہشات اور گمراہیوں سے بچو جو افتراق وانتشار پیدا کرنے والی ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے عذاب وعقاب

سے بچو۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

''اے ایمان والو! اپنے سوا کسی کو خصوصی دوست مت بناؤ وہ لوگ تمہارے ساتھ فساد کرنے میں کوئی دقیقہ اُٹھا نہیں رکھتے' تمہارے نقصان کی تمنا رکھتے ہیں' بغض ان کے منہ سے ظاہر ہو پڑتا ہے اور جس قدر ان کے دلوں میں ہے وہ تو بہت کچھ ہے' ہم ان کی علامات تمہارے سامنے ظاہر کر چکے' اگر تم عقل رکھتے ہو۔ ہاں تم تو ایسے ہو کہ ان لوگوں سے محبت رکھتے ہو اور یہ لوگ تم سے بالکل محبت نہیں رکھتے' حالانکہ تم تمام کتابوں پر ایمان رکھتے ہو۔ اور یہ لوگ جب تم سے ملتے ہیں کہ تو کہتے ہیں ہم ایمان لے آئے اور جب الگ ہوتے ہیں تو تم پر غصے کے مارے اپنی انگلیاں چبا ڈالتے ہیں' آپ کہہ دیجئے کہ تم مر رہو اپنے غصہ میں' بے شک اللہ تعالیٰ خوب جانتے ہیں دلوں کی باتوں کو۔ اگر تم کو کوئی اچھی حالت پیش آتی ہے تو ان کیلئے موجب رنج ہوتی ہے اور اگر تم کو کوئی ناگوار حالت پیش آتی ہے تو اس سے خوش ہوتے ہیں' اور اگر تم استقلال اور تقویٰ کے ساتھ رہو تو ان لوگوں کی تدبیر تم کو ذرا بھی ضرر نہ پہنچا سکے گی' بلاشبہ جو کچھ یہ کرتے ہیں سب اللہ تعالیٰ کے قابو میں ہے''۔ (۳-۱۱۸ تا ۱۲۰)

اللہ تعالیٰ میرے لئے اور آپ کے لئے قرآن عظیم میں برکت عطا فرمائیں۔ مجھے اور آپ کو قرآن کی آیات و ذکر حکیم سے نفع پہنچائیں اور ہمیں سید المرسلین ﷺ کی سیرت و ہدایات سے نفع پہنچائیں۔ میں اپنے لئے آپ کیلئے اور تمام مسلمانوں کیلئے تمام گناہوں سے اللہ تعالیٰ کی مغفرت طلب کرتا ہوں' بے شک وہی غفور و رحیم ہے۔

خطبہ ثانیہ

حمد و صلوٰۃ:

تمام تعریفیں اس اللہ کے لئے جو صالحین کے دوست ہیں۔ میں شہادت دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں' وہ اکیلا ہے اس کا کوئی شریک نہیں' جس نے مسلمانوں کو عزت بخشی اور کفار کو ذلیل کیا۔ اور میں گواہی دیتا ہوں کہ ہمارے نبی اور سردار حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں جو وعدہ کے سچے اور امین ہیں۔ اے اللہ اپنے بندے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی آل اور تمام اصحاب پر رحمتیں' برکتیں اور سلامتی نازل فرما۔ اما بعد:

مسلمانوں کو دعوت عمل:

اے مسلمانو! اللہ تعالیٰ سے ڈرو' اللہ تبارک و تعالیٰ فرماتے ہیں:

''اے ایمان والو! تم اللہ اور رسول کے کہنے کو بجالایا کرو جبکہ رسول تم کو تمہاری زندگی بخش چیز کی طرف بلاتے ہوں اور جان رکھو کہ اللہ تعالیٰ آڑ بن جایا کرتا ہے آدمی کے اور اس کے قلب کے درمیان' بلاشبہ تم سب کو اللہ ہی کے پاس جمع ہونا ہے۔ اور تم ایسے وبال سے بچو کہ جو صرف انہی لوگوں پر واقع نہ ہوگا جو تم میں سے گناہوں کے مرتکب ہوئے ہیں (بلکہ اس کی لپیٹ میں وہ نیک لوگ بھی آسکتے ہیں جو گناہ کرنے والوں کو گناہوں سے روکنے کی کوشش نہیں کرتے) اور جان رکھو کہ اللہ تعالیٰ سخت سزا دینے والے ہیں''۔ (۸۔۲۴۸)

اے مسلمانو! اللہ تعالیٰ کی کتاب اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت پر اکٹھے ہو جاؤ۔ کتاب اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت پر عمل کرو۔ ہر مسلمان کو اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنا چاہئے۔ تمام اسلامی ممالک کو چاہئے کہ وہ آپس میں محبت کرنے والے اور ایک دوسرے کیلئے معاون ہوں۔ خصوصاً اس عظیم خطرہ کے سامنے جس نے اسلامی ممالک پر دھاوا بول دیا ہے۔ اور کفار کا یہ منصوبہ ہے کہ وہ ان کے معاملات میں اس طرح بے جا دخل

اندازی اور سازشیں کر کے ان کو منتشر اور ایک دوسرے سے دور کر کے تباہ کر دیں۔

اسلامی ممالک کی ذمہ داری:

ان حالات میں تمام ممالک اسلامیہ خصوصاً خلیجی ممالک پر لازم ہے کہ وہ ایک دوسرے سے محبت وتعاون کا راستہ اختیار کریں۔ خلیجی ممالک پر لازم ہے کہ وہ اجتماعی اُمور میں کسی انفرادی رائے اور اختلافی فیصلہ کا ارتکاب نہ کریں۔ خلیج کے ممالک میں سے کوئی ملک بھی سعودی حکومت کے ساتھ مشورہ کیے بغیر کوئی قرارداد منظور نہ کرے۔ اس لئے کہ یہ مملکت ان سب ممالک کی بقا کا ذریعہ ہے۔ یہ ممالک اللہ سے قوت حاصل کرنے کے بعد اس مملکت سے قوت حاصل کرتے ہیں۔ یہ مملکت ان سب خلیجی ممالک کیلئے ایک مضبوط ستون ہے۔

ان ممالک پر یہ بھی لازم ہے کہ عراق پر حملہ کرنے کیلئے اللہ کے دشمنوں کو فوجی اڈوں میں سے قطعاً کوئی اڈہ نہ دیں۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے تمام مؤمنین کو ایک جسم کی طرح بنایا ہے اور اعداء اسلام کو اڈہ دینے سے عراقی مسلمانوں کو ہی نقصان پہنچے گا۔ اگرچہ یہ کٹھن مسئلہ بظاہر حل ہونے کو ہے مگر اس سے اطمینان نہیں کیا جا سکتا کہ بڑی طاقتیں اپنے مفادات و اغراض کی خاطر کوئی اور مشکل پیدا نہیں کریں گی۔ سو یہ ضروری ہے کہ یہ کافر لوگ ان ممالک میں اپنا ایسا کوئی وفادار تلاش نہ کر سکیں جو ان کے (خفیہ مقاصد) کیلئے راہ ہموار کرے۔ ان پر یہ بھی لازم ہے کہ امریکہ یا کسی بھی کافر حکومت کو کسی اسلامی مملکت پر حملہ کیلئے بحری جنگی بیڑہ اتارنے کیلئے اپنی بندرگاہ پر جگہ دینے کی بدترین سخاوت نہ کریں۔ نہ اپنے علاقوں میں ان کو فوجی اڈہ بنانے کی اجازت دیں۔

اے مسلمانو! اللہ ہی سے ڈرو۔ ممالک اسلامیہ وعربیہ پر لازم ہے کہ وہ ان جنگی بیڑوں اور یہود ونصاریٰ کی فوجوں کو یہاں سے نکال باہر کرنے میں سعودیہ کا بھرپور ساتھ دیں؛ اس لئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''جزیرہ عرب میں دو دین قائم نہیں رہ سکتے''۔

اس خطہ کی حکومتیں اپنی ذمہ داری؛ اور امن قائم کرنے کی مسئولیت کا پورا احساس رکھتی ہیں؛ اگر یہ خطہ بڑی طاقتوں کی مداخلت سے آزاد اور مامون ہو جائے تو اس کی سلامتی کو کوئی خطرہ نہیں۔

کفار کا مسلمانوں سے بغض وحسد:

اے مسلمانو! اللہ سے ڈرو ایک دوسرے کے معاون ومددگار بن جاؤ۔ اور یہ بات سمجھ لو کہ یہ کافر لوگ تم سے حسد کرتے ہیں، حتیٰ کہ یہاں کی خوشگوار فضا سے بھی۔ اس لئے کہ ان کے شہر کارخانوں کے دھوئیں سے اور ان کے عبادت خانے ان کے معاصی اور اللہ کی ناپسندیدہ اخلاق سوز حرکتوں کی آلودگی اور نحوست سے ملوث ہیں۔ اس لئے وہ تمہاری ہر چیز سے حسد کرتے ہیں۔ اور سب سے عظیم الشان چیز جس میں وہ تم سے حسد کرتے ہیں وہ دین اسلام اور اخلاق ہیں۔ اللہ کے بندو! اللہ سے ڈرو اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی سنو:

''عنقریب دوسری قومیں تم پر حملہ کرنے اور تمہیں مٹا ڈالنے کیلئے ایسے ٹوٹ پڑیں گی اور اس کیلئے ایک دوسرے کو ایسے دعوت دیں گی جیسے کھانے والے کھانے کے پیالے پر ایک دوسرے کو دعوت دیتے ہوئے ٹوٹ پڑتے ہیں۔ صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے پوچھا: یارسول اللہ! کیا ایسا اس زمانہ میں ہماری تعداد کم ہونے کی وجہ سے ہوگا؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: نہیں تمہاری تعداد اس زمانہ میں بہت زیادہ ہوگی، لیکن تم سیلاب کی جھاگ اور خس وخاشاک کی طرح ہوگے۔ اللہ تعالیٰ تمہارے دشمنوں کے قلوب سے تمہاری ہیبت نکال دیں گے اور تمہارے قلوب میں ''وھن'' ڈال دیں گے۔ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے پوچھا: یارسول اللہ! وھن کیا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: دنیا کی محبت اور موت سے نفرت (وھن) ہے۔

دُعاء

اللہ کے بندو! بے شک اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر رحمت بھیجتے ہیں، اے ایمان والو! تم بھی ان پر درود و سلام بھیجو۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جو شخص مجھ پر ایک مرتبہ درود پڑھتا ہے، اللہ تعالیٰ اس پر دس رحمتیں بھیجتے ہیں''۔ سو تم سید الاوّلین والآخرین پر درود و سلام بھیجو۔

اللھم صل علی مُحمد۔۔اے اللہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر رحمت نازل فرمایئے جیسے آپ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام پر رحمت نازل فرمائی، بے شک آپ تعریفوں کے لائق بزرگی والے ہیں۔ اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر برکت نازل فرمایئے جیسے آپ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام پر برکت نازل فرمائی، بے شک آپ لائق حمد اور بزرگی کے مالک ہیں۔

اے اللہ! خلفاء راشدین ابوبکر، عمر، عثمان و علی اور تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے راضی ہو جایئے۔

اے رب العالمین ان سے بھی راضی ہو جایئے جو قیامت تک ان کا بہتر طریقے سے اتباع کرنے والے ہیں۔

اے اللہ! اے ارحم الراحمین! ہم سے بھی اپنی رحمت سے راضی ہو جایئے۔

اے اللہ! اسلام اور مسلمانوں کو عزت اور غلبہ عطا فرمایئے اور کفر اور کافروں کو ذلیل و خوار فرمایئے۔

اے اللہ! کفر کے سرداروں کو اپنے عذاب میں گرفتار فرما دیجئے۔

اے اللہ! ان کی گفتگو اور ان کے تعلقات میں اختلاف ڈال دیجئے۔

اے اللہ! جو بھی اسلام اور مسلمانوں کے ساتھ دشمنی رکھتا ہو اسے تباہ کر دیجئے۔

اے اللہ! یا رب العالمین! کفریہ طاقتوں کو آپس میں لڑا دیجئے۔ اور انہیں مسلمانوں سے ہٹا کر آپس کی لڑائی میں مشغول کر دیجئے۔

یا اللہ! دشمنان اسلام کی مکاریوں اور تدبیروں کو بیکار کر دیجئے۔

یا اللہ! جو بھی ہمارے ساتھ اور ہمارے شہروں کے ساتھ شر اور برائی کا ارادہ رکھتا ہو، اس کا شر اور اس کی برائی اسی کے خلاف استعمال فرمایئے۔ اس کے اور جس شر و تدبیر کا وہ ارادہ رکھتا ہے اس کے درمیان آپ حائل ہو جایئے۔

یا رب العالمین! بے شک آپ ہر چیز پر قادر ہیں۔ اے اللہ! ہم ہر کافر کے مقابلے میں آپ ہی کو سامنے کرتے ہیں (یعنی آپ سے مدد طلب کرتے ہیں)

یا اللہ! ہم مشرکین کے مقابلے میں آپ ہی کے ذریعہ دفاع کرتے ہیں۔

یا اللہ! یہود و نصاریٰ کو اپنے عذاب کی گرفت میں لے لیجئے۔ یا اللہ! ہندو مشرکین کو (اپنے عذاب و وبال میں) پکڑ لیجئے۔

یا اللہ! ان پر اپنا ایسا عذاب نازل فرما دیجئے جو مجرم قوم سے واپس نہیں کیا جاتا۔

یا اللہ! انہوں نے پوری زمین کو فساد، ظلم اور گناہوں سے بھر دیا ہے،

یا اللہ! ہم ان کے مقابلے میں آپ ہی سے مدد کے طالب ہیں اور ان کے شر سے آپ ہی سے پناہ مانگتے ہیں۔

یا اللہ! ہم روافض کے شر سے آپ ہی کی پناہ مانگتے ہیں، بے شک آپ ہر چیز پر قادر ہیں۔

یا اللہ! مسلمانوں کے قلوب میں باہم الفت پیدا فرما دیجئے۔ ان کی اصلاح فرمایئے۔ اور سلامتی کے راستوں کی طرف ان کی رہنمائی فرمایئے۔ ان کو اندھیروں سے روشنی کی طرف نکال دیجئے، اور ان کی اپنے اور ان کے دشمنوں کے خلاف مدد فرمایئے اے ہمارے رب! ہمیں دنیا میں بھی بھلائی اور آخرت میں بھی بھلائی عطا فرمایئے اور جہنم کے عذاب سے ہماری حفاظت فرمایئے۔

یا اللہ! ہمارے حکمران کی حفاظت فرما، اور اسے ان اُمور کی توفیق عطا فرما جو آپ کو پسند ہوں اور جن سے آپ راضی ہوں۔ یا اللہ! ان کو ہدایت کی طرف رہنمائی کرنے والے اور ہدایت یافتہ لوگوں میں سے بنادیجئے۔

یا اللہ! دینی و دُنیوی اُمور میں ان کی مدد فرمایئے۔

یا اللہ! جب اُمور مشتبہ ہوں (حق پہچاننا اور حق پر چلنا انتہائی دشوار ہو) تو ان کی حق کی طرف رہنمائی فرمانا۔

یا اللہ! ان کے باطن کی اصلاح فرمادیجئے۔ یا اللہ! یا رب العالمین! مسلمانوں کو اپنی مرضیات اور پسندیدہ اُمور کی توفیق عنایت فرمادیجئے۔

اللہ کے بندو! ''بے شک اللہ تعالیٰ انصاف، احسان اور رشتہ داروں کے ساتھ تعاون کرنے کا حکم فرماتے ہیں اور کھلی برائی اور مطلق برائی اور ظلم کرنے سے منع فرماتے ہیں، اللہ تعالیٰ تم کو اس لئے نصیحت فرماتے ہیں کہ تم نصیحت قبول کرو۔ اور تم اللہ کے عہد کو پورا کرو جب تم اس کو اپنے ذمہ لو اور قسموں کو ان کے مستحکم کرنے کے بعد مت توڑو جبکہ تم اللہ تعالیٰ کو ان پر گواہ بھی بنا چکے ہو، بے شک اللہ تعالیٰ کو معلوم ہے جو کچھ تم کرتے ہو''۔ (۹۰،۹۱)

تم اس اللہ کو یاد کرو جو عظیم و جلیل ہیں، اللہ تمہیں یاد کریں گے۔ اور اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ نعمتوں پر شکر ادا کرو اللہ اور زیادہ دیں گے۔ اور اللہ کا ذکر بہت بڑی چیز ہے۔ اور جو کچھ تم کرتے ہو اسے اللہ تعالیٰ جانتے ہیں۔

(از دینی دسترخوان)

میدان کربلا سے خطاب

اے کربلا کی خاک اس احسان کو نہ بھول
تڑپی ہے تجھ پہ لاشِ جگر گوشۂ بتول

اسلام کے لہو سے تری پیاس بجھ گئی
سیراب کر گیا تجھے خونِ رگِ رسولؐ

کرتی رہے گی پیش شہادت حسین کی
آزادیٔ حیات کا یہ سرمدی اُصول

چڑھ جائے کٹ کے سر ترا نیزے کی نوک پر
لیکن یزیدیوں کی اطاعت نہ کر قبول

(مولانا ظفر علی خان رحمہ اللہ)

لئے پھرتی ہے بلبل چونچ میں گل
شہید ناز کی تربت کہاں ہے

(علامہ اقبالؒ)

مآخذ و مصادر

تفسیر عثمانی..... تفسیر مظہری..... معارف القرآن مفتی اعظم
معارف القرآن حضرۃ کاندھلوی..... روح المعانی..... تفسیر معالم التنزیل
تفسیر ابن کثیر..... گلدستہ تفاسیر..... معارف الحدیث..... فتاویٰ رشیدیہ
خطبات حکیم الامت..... اسوۂ حسینی شہید کربلا..... شہید کربلا اور یزید
اصلاحی مواعظ..... شانِ صحابہ..... مکتوبات امام ربانی..... المرتضیٰ
خطبات لاہوری..... مکتوبات حکیم الاسلام..... دینی دسترخوان
حضرت معاویہ اور تاریخی حقائق..... علی و حسین رضی اللہ عنہما
سیر الصحابہ..... روشن ستارے..... ماہنامہ محاسن اسلام
رسائل مفتی رشید احمد رحمہ اللہ
و دیگر کتب

کربلا کے بعد

حضرت سید نفیس الحسینی شاہ صاحب مدظلہم

آیا جو خون رنگ ڈِگر کربلا کے بعد
اونچا ہوا حُسین کا سر کربلا کے بعد

پاسِ حرم، لحاظِ نبوت، بقائے دیں
کیا کچھ تھا اس کے پیشِ نظر کربلا کے بعد

اے رہ نوردِ شوقِ شہادت ترے نثار
طے ہوگیا تیرا سفر کربلا کے بعد

آباد ہوگیا حرمِ رب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا
ویراں ہوا بتول رضؓ کا گھر کربلا کے بعد

ٹوٹا یزیدیت کی شبِ تار کا فسُوں
آئی حُسینیت کی سَحر کربلا کے بعد

اک وہ بھی تھے کہ جاں سے ہنس کر گزر گئے
اک ہم بھی ہیں کہ چشم ہے تَر کربلا کے بعد

جوہر کا شعر صفحہ ہستی پہ ثبت ہے
پڑھتے ہیں جس کو اہلِ نظر کربلا کے بعد

"قتلِ حسین اصل میں مرگِ یزید ہے
اسلام زندہ ہوتا ہے ہر کربلا کے بعد"

والدہ ماجدہ حضرت حسینؓ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے گھر کا دروازہ

عراق: کربلا میں حضرت حسینؓ کا مزار یہاں آپ کا جسم مبارک دفن ہے

حضرت حسینؓ کا سر مبارک دمشق میں دفن ہے

اس چاردیواری میں سید الشہداء حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کا جائے مدفن ہے

نجف اشرف (عراق) میں امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ عنہ کا روضہ مبارک

ادارۂ تالیفاتِ اشرفیہ

چوک فوارہ ملتان پاکستان

فون: 4540513-4519240

Email:taleefat@mul.wol.net.pk Ishaq90@hotmail.com